برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت : بیسویں صدی کے منتخب علماء کی آراء کا جائزہ

مقالہ نگار

شہزاد سرور

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اکتوبر، 2022ء

برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت : بیسویں صدی کے منتخب علماء کی آراء کا جائزہ

مقالہ نگار

شہزاد سرور

یہ مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن(2019ء-2022ء)

© شہزاد سرور، 2022ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد ، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت : بیسویں صدی کے منتخب علماء کی آراء کا جائزہ**

Muslim Tradition of the Study of Judaism in Subcontinent:

An Analysis of 20th Century's Muslim Scholarship Views

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: شہزاد سرور

رجسٹریشن نمبر: 1818 Mphil/IS/F19

ڈاکٹر ریاض احمد سعید
(نگران مقالہ) ________________
دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) ________________
دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ________________
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈیئر سید نادر علی
(ڈائریکٹر جنرل) ________________
دستخط ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں

شہزاد سرور ولد

محمد سرور

رجسٹریشن نمبر:1818 Mphil/IS/F19 رول نمبر: MP-F19-451

طالبعلم، ایم فل، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفا اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان:

برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت : بیسویں صدی کے منتخب علماء کی آراء کا جائزہ

Barr-e-Saghīr main Mutala Yahủdīyat ki Muslim Rawayat: Beesvīn Sadi kay Muntakhab 'Ulama ki Ārrā ka Jāezah

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، اور **ڈاکٹر ریاض احمد سعید** کی نگرانی میں تحریر کیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، اور نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

مقالہ نگار: **شہزاد سرور**

دستخط مقالہ نگار: ________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(ABSTRACT)ملخص مقالہ

Muslim Tradition of the Study of Judaism in Subcontinent:

An Analysis of 20th Century's Muslim Scholarship Views

Judaism is one of the divine religions. In the Qur'an, the beliefs and ideologies of the Jews, their distortions and their infallibility of the Prophets are explained in detail. He, together with the polytheists of Makkah, dared to do great harm to Islam.

From the time of the Rightly Guided Caliphate until the twentieth century, they allied themselves with the Crusaders and sometimes involved the Muslims in the Crusades and sometime tried to defeat the Muslim ideologically with ideologies such as socialism and communism. After the French Revolution, Jewish recapture of Jerusalem increased.

With the rise of the Zionist movement in the twentieth century, the two great wars, the end of the Islamic caliphate and the establishment of Israel, the Muslim world faced various challenges and colonial domination. The scholars used all their resources to awaken the sleeping Ummah through their efforts. The western world, especially the Jewish religion and mentality, began a serious of researches and writing to understand them so that the ummah could understand them. The scholars of the subcontinent are second to none in this regard.

This thesis looks at the study of Judaism by the selected scholars of the subcontinent Molana Syed Abu A'ala Mududi, Dr.Israr Ahmad, Yousaf Zafar and Razziuddin Syed. The issue of Pakistan's relations with Israel is religious and diplomatic. The result it that the Jews are a corrupt nation and their goal is to establish a world Jewish government. The issue of relations with Pakistan is neither religious nor diplomatic.

Keywords: Muslim Tradition, Study of Judaism, Subcontinent,Muslim Scholarship, Views,Zionist Movement, Establishment of Israel

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
i	منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ (Thesis acceptance form)	1.
ii	حلف نامہ (Declaration)	2.
iii	ملخص (Abstract)	3.
iv	فہرست عنوانات (Table of content)	4.
vi	اظہار تشکر (Acknowledgements)	5.
vii	انتساب (Dedication)	6.
1	مقدمہ	7.
13	**باب اول: برصغیر میں یہودیت کا تاریخی پس منظر**	8.
15	فصل اول: قرآن وسنت اور یہودیت	9.
32	فصل دوم: مطالعہ یہودیت کی ضرورت واہمیت	10.
47	فصل سوم: برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی روایت	11.
59	فصل چہارم: برصغیر میں یہودیت کے نقوش ومراکز اور ان کے تہذیبی اثرات	12.
75	**باب دوم: مطالعہ یہودیت: سید ابوالاعلی مودودیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات**	13.
76	فصل اول: سید ابوالاعلی مودودیؒ تعارف وخدمات	14.
94	فصل دوم: سید ابوالاعلی مودودی کے مطالعہ یہودیت پر افکار	15.
113	فصل سوم: ڈاکٹر اسرار احمد تعارف وخدمات	16.
126	فصل چہارم: ڈاکٹر اسرار احمد کے مطالعہ یہودیت پر نظریات	17.
147	**باب سوم: مطالعہ یہودیت: رضی الدین سید اور یوسف ظفر کی آراء**	18.
148	فصل اول: رضی الدین سید تعارف وخدمات	19.
158	فصل دوم: رضی الدین سید کی مطالعہ یہودیت پر آراء	20.
181	فصل سوم: یوسف ظفر تعارف وخدمات	21.
192	فصل چہارم: یوسف ظفر اور مطالعہ یہودیت	22.

209	**باب چہارم: قیام اسرائیل اور مسئلہ فلسطین کے تناظر میں مطالعہ یہودیت**	.23
211	فصل اول: یہود کے ساتھ تعلقات پر علماء کا نقطہ نظر	.24
225	فصل دوم: تحریک صیہونیت اور قیام اسرائیل	.25
240	فصل سوم: قیام اسرائیل اور مسلم دنیا پر اس کے اثرات	.26
254	فصل چہارم: اسرائیل: ردو قبول کے بارے میں علماء کی آراء	.27
271	خلاصہ	.28
275	نتائج	.29
277	سفارشات	.30
278	فہارس	.31
278	فہرست قرآنی آیات	.32
280	فہرست الہامی کتب	.33
281	فہرست احادیث	.34
282	فہرست اصطلاحات	.35
284	فہرست مصادر و مراجع	36

اظہار تشکر (Acknowledgment)

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اللہ کریم کی مہربانی اور فضل و کرم ہے کہ اس ناچیز کو اتنی استطاعت اور استعداد عطا فرمائی کہ میں اس کی نصرت و مدد سے اپنا کام مکمل کر سکا۔ بعد از لاکھوں کروڑوں درود وسلام اس ذات پاک کے لیے جن کی بدولت ہمیں اسلام جیسا کامل و مکمل دین عطا کیا گیا۔

میں خصوصی طور پر اپنے نگران مقالہ ڈاکٹر ریاض احمد سعید کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اپنی گرانقدر آراء اور مفید مشوروں سے نوازا اور اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود قدم قدم پر میری بھرپور رہنمائی کی۔ دوران تحقیق پیش آنے والی مشکلات کو حل کرنے میں میری مدد کے ساتھ ساتھ میری حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور ان کی رہنمائی کی بدولت یہ مقالہ نہ صرف بروقت مکمل ہوا بلکہ بہترین طور پر شفوی امتحان کے مرحلے سے بھی سرخرو ہوا۔

اس کے علاوہ میں واجب الاحترام ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز جناب پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان اور صدر شعبہ قابل احترام پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی اور اور شعبہ اسلامی فکر و ثقافت کے دیگر اساتذہ کرام کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے نہ صرف مجھے شرف تدریس سے نوازا بلکہ دوران تحقیق اپنے قیمتی مشوروں سے بھی میری مدد و رہنمائی کی۔ میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے اس ادارہ میں بہترین اساتذہ کرام سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔

میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے بارگاہ خداوندی میں میرے لیے اپنے بازو پھیلائے اور میری دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے رب کے حضور التجائیں کیں۔ یہ ان کی ہی دعائیں ہیں کہ جن کی بدولت میرا یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اپنی بہنوں اور شریک حیات کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے اس کام کو مکمل کرنے میں میری مدد کی۔

آخر میں اللہ کریم سے دعا گو ہوں کہ ان سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور دنیا و آخرت کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

انتساب (Dedication)

میں اپنی اس کاوش کو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے نام منسوب کرتا ہوں۔ جن کی ذات گرامی کی وجہ سے کائنات میں رنگ ہیں اور ان کی محبت پورے دین اسلام کا محور و مرکز ہے۔

اس کے ساتھ اس کوشش کو اپنے شفیق والدین و اساتذہ سے منسوب کرتا ہوں جن کے سبب میری اچھی پرورش و تربیت انجام پائی۔

شہزاد سرور

(مقالہ نگار)

مقدمہ

موضوع کا تعارف:Introduction to the Topic

حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا جس کے معنی ہیں "بندہ خدا"۔ آپؑ کے لقب کی جانب نسبت سے آپؑ کی نسل بنی اسرائیل کہلائی حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام یہودا تھا۔ یہودا کا خاندان خوب پھلا پھولا اور وہ ایک ملکی شکل اختیار کر گیا۔ یہاں تک کے لفظ یہود بنی اسرائیل کے لیے استعمال ہونے لگا۔ بعد ازاں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔ جبکہ یہودیت دوسری رائے کے مطابق "مملکت یہودا" جو کہ جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی کی طرف منسوب ہے[1]۔

بنی اسرائیل اپنے آغاز سے لے کر دور مسیحؑ تک مختلف مراحل سے گذری۔ انہوں نے اپنے آبائی شہر کو خیر آباد کہہ کر مصر میں رہائش اختیار کی اور حضرت یوسفؑ کے زیر سایہ انہوں نے زمانہ بادشاہت دیکھا۔ اور پھر مصر میں قبطیوں کے زیر نگیں رہے۔ حضرت موسیٰ نےؑ ان کو مصر کی غلامی سے نجات دلائی اور یہ فلسطین کی جانب ہجرت کر گئے۔[2] حضرت موسیٰؑ کے بعد یہودیوں کو بابلی بادشاہ بخت نصر نے غلام بنایا۔ ایرانیوں نے یہودیوں کو بابلیوں کی غلامی سے نجات دلائی اور ان بیت المقدس میں رہنے کی اجازت دے دی۔ سکندر کے حملہ کے بعد یہودی یونانیوں کے ماتحتی میں آگئے اور بعد میں رومیوں کے حملہ بیت المقدس کے نتیجے میں رومیوں کے باج گزار بن گئے۔

اس دور میں اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کو یہود کی اصلاح کے لیے منتخب فرمایا۔ حضرت مسیحؑ نے ان کو پیغام ہدایت دیا تو انہوں نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ رومی حکمرانوں کے ساتھ مل کر آپؑ کو سولی تک لے گئے۔ اللہ تعالی نے حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ بعد ازاں رومی گورنر ٹائٹس نے 70ء میں ان کو ارض فلسطین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال باہر کیا اور یہ دنیا کے مختلف حصوں میں گروہوں کی صورت میں آباد ہو گئے۔

---

[1] فلاحی، انیس احمد، **مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ** (لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، س:ن):40

[2] سعید الاحمد، سامی، **تاریخ فلسطین القدیم** (بغداد: مکتبہ المھتدین، س۔ن):16

ان میں سے کچھ گروہ یثرب کی زمین پر وارد ہوئے جس کی بشارت بائبل میں موجود تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ نبی تشریف لائے تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی دعوت کے دشمن بن گئے۔ یہ بات معلوم حقیقت ہے کہ دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عصر حاضر تک یہود کی اسلام اور مسلمانوں کے سخت مخاصمت رہی ہے۔ اسی حوالے سے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے یہ اعلان فرمایا ہے:

"﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾"[1]

ترجمہ: "تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکوں کو پاؤ گے"

قرآن نے یہودیوں اور مشرکین کا تذکرہ ایک ساتھ کیا ہے۔ دونوں اسلام دشمنی میں اولیت رکھتے ہیں اور دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود کی ذہنی پستی کا یہ عالم تھا کہ وہ مشرکین مکہ سے دوستی رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ تصور کرتے تھے۔

یہود خود کو موسیٰؑ کے متبعین سمجھتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت میں یہودیت کا تذکرہ مدح و توصیف کے انداز میں نہیں ملتا۔ جبکہ یہ تاریخی طور پر ممکن بھی نہیں کہ یہودیت کی تاریخ آغاز کا تعین کیا جاسکے۔ لہذا کہا جاسکتا ہے کہ عہد موسوی میں یہ گروہ اس نام کی بجائے بنی اسرائیل کے نام سے معروف تھا اور اسی طرح ان پر قوم موسیٰؑ کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔[2]

رومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس پر قبضہ کے بعد یہودی مہاجرت کا دور شروع ہوا جو کہ اٹھارویں صدی تک جاری رہا۔ اس عرصے میں یہودیوں کو کہیں ایک جگہ مستقل طور پر جم کر رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ پوری قوم یہود گروہوں میں تقسیم ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔

ان میں سے چند گروہ برصغیر پاک وہند میں بھی ہجرت کر کے آئے۔ اس سرزمین پر انہوں نے تجارت کو پیشہ کے طور پر اپنایا اور اس میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ یہاں پر انہوں نے نہ صرف مقامی اثرات قبول کیے بلکہ

---

[1] المائدہ:82

[2] شیبتہ الحمد، عبد القادر، **الادیان والفرق والمذاہب المعاصرہ** (الریاض: مکتبہ فہد الوطنیہ اثناء النشر، 1433):21

ساتھ ساتھ اپنی شناخت بھی بر قرار رکھی۔ موجودہ دور میں اب ان کی بڑی تعداد سرائیل ہجرت کر گئی جبکہ ان کے آثار و نقوش اب بھی ان کے یہاں رہنے کی گواہی دیتے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جنگ عظیم اول، خلافت عثمانیہ خاتمہ، یہود کی فلسطین میں آبادکاری اور ان کے معاشی تسلط کے بعد پوری دنیا میں "مطالعہ یہودیت" پر تحقیقات کا آغاز ہوا۔ جس میں یہود کے عقائد و فلسفہ اور ان کے عزائم پر قلم اٹھایا گیا۔ برصغیر میں بھی علمائے کرام نے مطالعہ یہودیت پر نگارشات پیش کیں۔ ان علماء میں برصغیر کے تمام مفسرین عمومی طور پر جبکہ مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد مطالعہ یہودیت پر خاص فکر رکھتے ہیں۔ مولانا مودودی نے یہود کی تاریخ قدیم و جدید، مغربی و اسلامی مصادر کے تناظر میں بڑے مفصل انداز میں بیان کی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد کی زیادہ تر نگارشات یہود کے مستقبل کے لائحہ عمل پر ہیں۔ انہوں نے یہود کے عالمی نظام حکومت کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں پیشن گوئیاں کی ہیں اور اسلامی نظام حکومت کے قیام کے متعلق بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔

رضی الدین سید عصر حاضر میں مطالعہ یہودیت پر ایک معروف نام ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے زیادہ تر استفادہ مغربی اسکالر سے کیا ہے۔ انہوں نے یہود کی سازشوں اور منصوبوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ یوسف ظفر ایک شاعر اور ادیب تھے۔ ایک مذہبی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے مذہب یہودیت کا محققانہ مطالعہ شروع کیا اور ایک کتاب "یہودیت" تصنیف کی۔ جس میں ادیبانہ طرز اختیار کرتے ہوئے یہود کے مقاصد عیاں کیے۔

یہودیوں کی انیسویں صدی کے آخر میں ایک زبردست تحریک شروع ہوئی جو "صیہونیت"[1] کہلائی۔ اس تحریک کے روح رواں ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل[2] تھا۔ اس نے ایک تصنیف "یہودی ریاست" لکھی۔ جس سے پوری دنیائے یہود میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

[1] یہ ایک سیاسی تحریک ہے جس کا مقصد ایک عالمی یہودی حکومت قائم کرنا ہے۔

[2] تھیوڈور ہرزل (1860ء تا 1904ء) ہنگری کا باشندہ اور ایک نامور صحافی تھا۔ یہ جدید تحریک صیہونیت کا بانی تھا اور اسے بابائے اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔

جس کے نتیجے میں 1948ء میں "اسرائیل" قائم ہوا۔یہودیوں کے متعصب رویے اور ان کی عالم عرب ، خصوصا چھوٹے اسلامی ممالک و فلسطین پر جارہانہ کاروائیوں سے امت مسلمہ کو بہت نقصان پہنچا ہے۔اسرائیل کے قیام کے بعد ہی سے یہ ریاست مسلسل توسیع پذیر ہے اور اس کی سرحدیں آئے روز پھیلتی جارہی ہیں۔

بیسویں صدی کے ربع آخر میں مسلم دنیا کے چند ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔جس سے باقی مسلم دنیا میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے بحث کا آغاز ہوا۔پاکستان مسلم ممالک میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے ۔لہذا یہاں پر بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے مختلف آراء سامنے آئیں۔پاکستان کے علماء و دانشور اس مسئلہ کو سفارتی یا مذہبی گردانتے ہیں جبکہ پاکستانی عوام بھی اس مسئلہ پر براہ راست تبصرہ کرتی ہے۔

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ:Literature Review

اس موضوع پر لٹریچر ریویو کرتے ہوئے بھرپور کوشش کے باوجود کوئی براہ راست مقالہ، آرٹیکل یا کتاب نہیں مل سکی۔جس میں یہودیت کے بارے میں برصغیر کے تناظر میں بات کی گئی ہو۔لیکن یہودیت کی مختلف جہات پر پاکستان کی یونیورسٹیوں میں درج ذیل مقالہ جات لکھے گئے ہیں۔

مقالہ جات۔

1۔"اسلام اور یہودیت میں مماثلت ایک تقابلی اور تحقیقی مطالعہ" پی ایچ ڈی، مقالہ نگار، مسعود حسن، نگران مقالہ، ڈاکٹر عبدالغفار بلوچ، فیڈرل اردو یونیورسٹی آرٹس، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی، 2019ء

زیر بحث مقالہ میں یہودیت کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے انکی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح اسلام کے آغاز و ارتقاء اور اسلامی تعلیمات کے بارے بیان کیا گیا ہے۔نیز اسلام اور یہودیت کی تعلیمات میں مماثلت بیان کرتے ہوئے ان کا تقابلی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

2۔"اسلام یہودیت اور عیسائیت میں تصور امن و جنگ اور مسلم نشاہ ثانیہ" پی ایچ ڈی، مقالہ نگار، رانا تنویر قاسم، نگران مقالہ، ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

اس مقالہ میں اسلام، یہودیت اور عیسائیت کے آغاز و ارتقاء کا بیان کرتے ہوئے تینوں مذاہب کے تصور امن کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان مذاہب کے تصور جنگ پر اصول و نظریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز امن و جنگ کے تصورات کو بیان کرنے کے بعد ان کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور آخر میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے لیے سفارشات بیان کی گئی ہیں۔

3۔ "الہامی مذاہب مذاہب میں مشترک احکام و تعلیمات اسلام، یہودیت، اور مسیحیت کا مطالعہ" پی ایچ ڈی، مقالہ نگار، خالد محمود عارف، نگران مقالہ، فرحت نسیم علوی، سرگودھا یونیورسٹی۔

پی ایچ ڈی کے اس مقالہ میں الہامی مذاہب کے تعارف و تبصرہ کے بعد ان کے بنیادی مصادر میں سے تعلیمات احکام بیان کی گئی ہیں، بعد ازاں ان تعلیمات میں مشترکات کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ان کا تقابل و تجزیہ بھی ہ کیا گیا ہے اور آخر میں مشترک تعلیمات پر متفق ہونے کی تجاویز و سفارشات بیان کی گئی ہیں۔

4۔ "نیو ورلڈ آرڈر کے پاکستان پر اثرات، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا تدارک" ایم فل، مقالہ نگار، سید فیض الحسن ہمدانی، نگران مقالہ، ڈاکٹر نور حیات خان، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد 2021ء۔

اس مقالہ میں نیو ورلڈ آرڈر کا تعارف، پس منظر، اور مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور اس کے پاکستان پر سیاسی و سماجی اثرات کا جائزہ لینے کے ساتھ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام، دہشت گردی، اور اسلامی نظام حکومت کے قیام میں رکاوٹوں کے بارے گفتگو کی گئی ہے نیز نیو ورلڈ آرڈر کے پاکستان میں مذہبی معاملات میں مداخلت، شدت پسندی کی سرپرستی اور سیکولر و لادینیت کے فروغ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کے اثرات بیان کرتے ہوئے ان کے تدارک بارے حل پیش کیا گیا ہے۔

5۔ "اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت، تقابلی جائزہ" ایم فل، مقالہ نگار، بدر منیر، نگران مقالہ، ڈاکٹر نور حیات خان، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، 2017ء۔

مقالہ ہذا میں اسلام اور یہودیت کا تصور وراثت بیان کرتے ہوئے اسلام اور یہودیت میں خواتین کے حق وراثت میں مشترکات و ممیزات بیان کیے گئے ہیں اور خواتین کے حق وراثت میں محرومی کے اسباب اور اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ نیز خواتین کے حق وراثت پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

6۔"یہود اور امت مسلمہ کے اسباب زوال میں مماثلت تحقیقی، تقابلی و تجزیاتی مطالعہ "ایم فل، مقالہ نگار، مظہر حیات ، نگران مقالہ، ڈاکٹر نور حیات خان، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد 2017ء۔

اس مقالہ میں اسلام اور یہودیت کے آغاز و ارتقاء کو بیان کرتے ہوئے ان کے عروج و زوال کے اسباب بیان کیے گئے ہیں اور امت مسلمہ اور یہودیوں کے اسباب زوال کا تحقیقی و تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سفارشات بھی دی گئی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر امت مسلمہ دوبارہ اپنے عروج کی جانب گامزن ہو سکتی ہے۔

7۔"صیہونی سرمایہ داری نظام کے علمی اقتصادیات پر اثرات، تحقیقی و تنقیدی جائزہ "ایم فل، مقالہ نگار، رعنا لیاقت، نگران مقالہ، ڈاکٹر نور حیات خان، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، 2011ء۔

ایم فل کے اس مقالہ میں صیہونی تحریک کے تعارف کے ساتھ اس کے اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور ان کی خفیہ تنظیموں کے بارے بیان کرتے ہوئے صیہونی سرمایہ درانہ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز صیہونی سرمایہ دارانہ نظام کے عالمی اقتصاد پر اثرات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

8۔"یہودی تصوف تحقیقی و تنقیدی جائزہ "ایم فل، مقالہ نگار، زوار حسین، نگران مقالہ، ڈاکٹر ابرار محی الدین ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

زیر بحث اس مقالہ میں یہودیت کا تعارف بیان کرنے کے بعد یہودی تصوف کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہودیوں کے تصوف کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے ان کی وضاحت کی گئی ہے اور ان کا اسلامی تصوف کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

Research Papers & Books

- **Shahzadi Pakiza and Mohsina Munir,*Dietary laws of Islam and Judaism: A comparative study*,(Al-Adwa,V:31,No,45,2016)**

زیر بحث اس آرٹیکل میں اسلام اور یہودیت میں غذائی حلت و حرمت کے قوانین پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ان میں مماثلت اور تضادات بیان کیے گے ہیں۔ نیز حلت و حرمت کے قوانین میں فرق بیان کرنے کے ساتھ تقابلی جائز ہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

- **Yulia Egrova ,Shahid Prwez,*Telugu Jews: are the Delits of coastal Andhra going caste awry?*(The South Asianist Vol:1,No.1,p:7-16)**

یہ مقالہ بھارتی ساحلی ریاست آندھرا پردیش میں موجود یہودی آبادی پر روشنی ڈالتا ہے۔ جنہوں نے دو دہائیاں قبل یہودیت کو قبول کیا اور اپنا تعلق بنی افرائیم سے بتایا جو کہ اسرائیل کے کھوئے ہوئے دس قبائل میں سے ایک تھا۔

- **Mayer,Rapheal,*Jews of India –the cochin Jews*(The south Asian March 2001)**

اس مضمون میں بھارت کی جنوب مغربی ساحلی ریاست کوچین(cochin)میں یہودیوں کی تاریخ کو بیان کیا گیاہے۔ مزید یہودیوں کے اس ریاست میں رہن سہن، تجارت اور ان کے حکمرانوں کے ساتھ تعلقات پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔

- **Katz Nathan,*Who are the Jews of India*(California University Press.2000)**

اس کتاب میں بھارت کے یہودیوں کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ان کے رسوم رواج اور تہذیب و ثقافت بیان کرنے کے ساتھ یہاں پر موجود ان کے تہذہبی ورثہ پر گفتگو بھی کی گئی ہے۔

- **P.R.Kumaraswamy ,*Beyond the veil: Israel –Pakistan Relations*(JCSS ,Tel Aviv University,2000)**

اس کتاب میں پاکستان اور اسرائیل کے مشترکہ خصوصیات اور دلچسپیاں بیان کی گئی ہیں۔ پاکستان اسرائیل تنازعات،اقتصادی تعلقات اور پاک اسرائیل رابطوں کا ذکر بھی کیا گیاہے۔ نیز پاکستان میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے جاری بحث کو موضوع سخن بنایا گیاہے۔

- **Al Faruqi,Ismael Raji, *Triologue of the Abrahamic faiths*(Genuine Publications pvt Limited ,1989)**

کتاب ہذا مختلف تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے۔ان مضامین میں تینوں ابراہیمی مذاہب کو ایک دوسرے کے پس منظر میں بیان کیا گیاہے۔ قومی ریاست اور سماجی نظام کو تینوں الہامی مذاہب کے تناظر میں بیان کرنے کے ساتھ ان مذاہب کے عالمی نظام کے افکار پر گفتگو بھی کی گئی ہے۔

شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل (بیروت: دار المعرفۃ، 1993)

یہ کتاب تقابل ادیان اور اسلامی فرقوں کی تاریخ پر مشتمل ہے اور اس کے دو حصے ہیں۔پہلے حصے میں اسلامی فرقوں اوران کے اعتقادات کا بیان ہے۔جبکہ دوسرے حصہ میں مذاہب عالم کی تاریخ لکھی گئی ہے۔نیز حکمائے یونان کے فلسفہ پر تفصیلا روشنی ڈالی گئی ہے۔جس سے اس کتاب کو یورپ میں خاص مقام حاصل ہوا اور انگریزی و فرانسیسی میں اس کے تراجم ہوئے۔

حسن، محمد خلیفہ، تاریخ الدیانۃ الیھودیہ، (القاہرہ: دار قبا، 1998ء)

کتاب ہذا میں دین یہودیت کی یہ تین اہم اصطلاحات عبری، اسرائیلی اور یہودی، مسیحی اور اسلامی مصادر کے تناظر میں بیان کی گئی ہیں۔ابتداء میں بنی اسرائیل کے عقائد، ان کی سیاست، اخلاقیات، اقتصادیات اور تدوین تاریخ و تفسیر پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔بعد ازاں دین یہودی کو تاریخی طور پر مرحلہ وار یعنی کلاسیکی عہد، یونانی عہد اور مسیحی و اسلامی عہد بیان کرنے کے ساتھ یہودی فرقوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

تحقیق میں موجود خلاء: Research Gap

موضوع پر موجود دراسہ سابقہ کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ اس موضوع پر براہ راست کوئی تحقیقی کام موجود نہیں لیکن یہودیت کے حوالے سے بہت سے عمومی مقالہ جات موجود ہیں جن میں سے چند مقالہ جات میں یہودیت کے آغاز و ارتقاء کے مباحث، اسلام اور یہودیت کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور کچھ مقالہ جات میں اسلام اور یہودیت میں مماثلت، یہودیت و صیہونیت کا سرمایہ دارانہ نظام اور نیو ورلڈ آرڈر کا بیان ہے۔اس کے علاوہ کچھ اور موضوعات میں مختلف نوعیت کا کام ہوا ہے، لیکن مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت کو برصغیر کے تناظر میں بیان نہیں کیا گیا۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کام کی ضرورت ہے اور اسی تشنگی کو دور کرنے کے لیے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

بیان مسئلہ: Statement of the Problem

مذاہب کا مطالعہ اسلامی تاریخ کی ایک قدیم روایت رہی ہے۔جس کی بنیاد قرآن کریم نے رکھی ہے۔علمائے کرام نے سامی مذاہب میں مطالعہ یہودیت پر ایک خاص مسلم روایت قائم کی۔برصغیر میں بھی علمائے کرام اور مسلم سکالرز نے یہود کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے ہوسکتے ہیں اور عصر حاضر میں اسرائیل بطور ریاست کے ساتھ تعلقات مذہبی ہیں یا سفارتی، آراء بیان کی ہیں۔اس لیے ضرورت تھی کہ ان علمائے کرام کی مطالعہ

یہودیت پر آراء کا علمی و تجزیاتی مطالعہ کیا جائے اور ان کے مطالعہ یہودیت پر افکار و نظریات کو مربوط شکل میں سامنے لایا جائے تاکہ کے نقطہ نظر سے آگاہی ہو سکے۔

جواز تحقیق: Rationale of the Study

بیسویں صدی میں بالفور ڈیکلیئریشن 1917ء کے منظر عام پر آنے کے بعد بین الاقوامی سطح پر علماء نے "یہودیت" کو سمجھنے کے لیے تحقیقات کا آغاز کیا اور اسی حوالے سے برصغیر پاک وہند میں بھی مطالعہ یہودیت پر علماء کی آراء سامنے آئیں۔ جس میں یہودیوں کی تہذیب و ثقافت اور ان کے افکار و خیالات کا جائزہ لیا گیا لہٰذا اس بات کی ضرورت تھی کہ علماء کے مطالعہ یہودیت پر افکار کا تجزیہ کیا جائے نیز موجودہ دور میں اسرائیل بطور ریاست کے ساتھ تعلقات کا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کو مذہبی اور سفارتی لحاظ سے موضوع سخن بنایا جاتا ہے اس لیے ضروری تھا کہ ہم عصر حاضر میں اس بات کا جائزہ لیں کہ یہود کے ساتھ تعلقات کو علماء کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ مقالہ ہذا میں ان علماء کے افکار و آراء کو ایک مربوط شکل میں اہل علم کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

موضوع کی ضرورت و اہمیت: Significance of the Study

یہودیت الہامی مذاہب میں سے ایک ہے اور ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کی جس قوم سے واسطہ پڑا وہ یہی قوم یہود تھی۔ قرآن کریم میں یہود کے عقائد و نظریات اور ان کی تحریفات اور ان کے عصمت انبیاء بارے تفصیلا ارشاد فرمایا ہے اور انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر اسلام کو نہایت نقصان پہچانے کی ہمت کی۔

خلافت راشدہ سے لے کر بیسویں صدی تک پہلے تو انہوں نے صلیبی عیسائیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے کبھی مسلمانوں کو صلیبی جنگوں میں الجھایا اور کبھی سوشلزم، کمیونزم اور اشتراکیت جیسے نظریات سے مسلمانوں فکری طور پر مات دینے کی کوشش کی اور انقلاب فرانس کے بعد موسی ہیس کی کتاب "روم سے بیت المقدس تک" کے منظر عام پر آنے سے یہودیوں کی بیت المقدس کو واپس حاصل کرنے کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہوا۔

بیسویں صدی میں تحریک صیہونیت کا عروج، دو عظیم جنگیں، مسلم خلافت کا خاتمہ اور اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی مسلم دنیا کو مختلف چیلنجز اور استعماری غلبہ کا سامنا کرنا پڑا۔ علمائے کرام نے اپنی سعی و کوشش کے ذریعے

سوئی ہوئی امت کو جگانے کے لیے اپنے تمام وسائل استعمال کیے۔ مغربی دنیا خصوصا یہودی مذہب و ذہنیت کو سمجھنے کے لیے تحقیق و تصانیف کا سلسلہ شروع کیا تاکہ امت ان کو سمجھ سکے۔ اس حوالے سے برصغیر کے علماء بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

مقالہ ہذا میں برصغیر کے منتخب علماء کی آراء اور ان کے مطالعہ یہودیت پر مناہج کا جائزہ لیا گیا ہے اور مزید اسرائیل کے ساتھ تعلقات کا ایشو مذہبی ہے یا سفارتی، نیز مختلف ممالک میں اسرائیل کے شدید بائیکاٹ کے اثرات کا تحقیقی مطالعہ بھی کیا گیا جبکہ منتخب علماء کے مناہج کو سامنے رکھتے ہوئے بیسویں صدی میں یہود کا کاؤنٹر برصغیر کے تناظر میں کیسے کیا گیا ہے اس کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔

مقاصد تحقیق: Research Objectives

1. مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت کا جائزہ لینا۔
2. علمائے برصغیر (سید ابوالاعلی مودودی، ڈاکٹر اسرار احمد، رضی الدین سید اور یوسف ظفر) کے مطالعہ یہودیت پر اسالیب و مناہج کا جائزہ لینا۔
3. عصر حاضر میں یہودیوں کے ساتھ تعلقات پر علماء کی آراء کا تجزیہ کرنا۔

تحقیقی سوالات: Research Questions

1. مطالعہ یہودیت کی مسلم روایت کیا رہی ہے؟
2. برصغیر کے علمائے کرام نے مطالعہ یہودیت پر کون سے اسلوب و مناہج اختیار کیے ہیں؟
3. یہود اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات پر مسلم علماء کی آراء کا تجزیہ کیوں ضروری ہے؟

تحدید موضوع: Limitation and Delimitation

برصغیر میں مطالعہ یہودیت کو بیسویں صدی کے تناظر میں منتخب علماء مولانا ابوالاعلی مودودیؒ، ڈاکٹر اسرار احمد، رضی الدین سیدؒ اور یوسف ظفر کی آراء کا جائزہ لیا گیا۔ نیز یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کے بعد اس کے ردو قبول کے بارے آراء کا تجزیہ بھی کیا گیا۔

منہج تحقیق:Research Methodology

1. اس تحقیق کا بنیادی منہج تجزیاتی ہے۔
2. تحقیق میں بنیادی مصادر (قرآن مجید، بائبل، الجامع الصحیح (از محمد بن اسماعیل بخاری)، الصحیح المسلم (از مسلم بن حجاج)، السیرۃ النبویۃ (از ابن ہشام)، الفصل فی الملل والاھواء النحل (از ابن حزم) الملل والنحل (از محمد بن عبدالکریم شہرستانی) یہودیت قرآن کی روشنی میں (از ابو الاعلی مودودی)، بیان القرآن (از ڈاکٹر اسرار احمد)، سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل (ازڈاکٹر اسرار احمد)، خطبات خلافت (ازڈاکٹر اسرار احمد)، معرکہ عظیم (از رضی الدین سید)، صیہونیت کی زد میں عالم تمام (از رضی الدین سید)، یہودیت (یوسف ظفر) سے استفادہ کیا گیا۔
3. تحقیق میں ثانوی مصادر (جدید اسرائیل کی تاریخ (محمد احسن بٹ) المیہ فلسطین (محمود جاوید)، Beyond the veil: Israel –Pakistan Relations(ByP.R.Kumaraswamy) سے استفادہ بھی کیا گیا ہے۔
4. جدید ذرائع تحقیق مثلا (اسلامی سافٹ ویئر، مکتبہ شاملہ، اسلامک ڈیجیٹل لائبریری، مکتبہ جبریل ریختہ، اور مختلف Websites جن میں Archive.com,Jewish Virtual library.org) سے بھی حسب ضرورت استفادہ کیا گیا۔
5. موضوع سے متعلق علماء کے مناہج کا بنیادی مصادر کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا اور اہم تاریخی واقعات کا سلسلہ وار جائزہ بھی لیا گیا ہے۔
6. مقالہ کی تدوین اور حوالہ جات کے لیے **NUML** کے منظور شدہ Format کو اختیار کیا گیا۔
7. دوران تحقیق موضوع سے متعلق ماہرین اور محققین کی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا۔

خاکہ ابواب بندی وفصول Chapterization

باب اول: برصغیر میں یہودیت کا تاریخی پس منظر

فصل اول: قرآن و سنت اور یہودیت

فصل دوم: مطالعہ یہودیت کی ضرورت و اہمیت

فصل سوم: برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی روایت

فصل چہارم: برصغیر میں یہودیت کے نقوش و مراکز اور انکے تہذیبی اثرات

باب دوم: مطالعہ یہودیت۔ سید ابوالاعلی مودودیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے افکار و نظریات

فصل اول: سید ابوالاعلی مودودیؒ تعارف و خدمات۔

فصل دوم: سید ابوالاعلی مودودی کے مطالعہ یہودیت پر افکار

فصل سوم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ تعارف و خدمات

فصل چہارم: مطالعہ یہودیت پر ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات

باب سوم: مطالعہ یہودیت: رضی الدین سید اور یوسف ظفر کے کی آراء

فصل اول: رضی الدین سید تعارف و خدمات

فصل دوم: رضی الدین سید کی مطالعہ یہودیت پر آراء

فصل سوم: یوسف ظفر تعارف و خدمات

فصل چہارم: یوسف ظفر اور مطالعہ یہودیت

باب چہارم: قیام اسرائیل اور مسئلہ فلسطین کے تناظر میں مطالعہ یہودیت

فصل اول: یہود کے ساتھ تعلقات پر علماء کا نقطہ نظر

فصل دوم: تحریک صیہونیت اور قیام اسرائیل

فصل سوم: قیام اسرائیل اور مسلم دنیا پر اس کے اثرات

فصل چہارم: اسرائیل: رد و قبول کے بارے میں علماء کی آراء

شہزاد سرور

تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باب اول

برصغیر میں یہودیت کا تاریخی پس منظر

فصل اول: قرآن وسنت اور یہودیت

فصل دوم: مطالعہ یہودیت کی ضرورت واہمیت

فصل سوم: برصغیر میں مطالعہ یہودیت کی روایت

فصل چہارم: برصغیر میں یہودیت کے نقوش ومراکز اور انکے تہذیبی اثرات

باب اول:

برصغیر میں یہودیت کا تاریخی پس منظر

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے ۔ یہ ہدایت کا وہ مینارہ روشنی ہے جس کے فیض سے تا قیامت لوگ ہدایت پاتے رہے گے ۔ ہدایت کے ضمن میں قرآن حکیم میں سابقہ امتوں اور اقوام کے حالات وواقعات بیان ہوئے ہیں تا کہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں ۔ ان اقوام میں قوم بنی اسرائیل کا خاص تذکرہ فرمایا گیا کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر فضیلت دی اور ان پر انعامات کی بارش فرمائی۔ لیکن یہ قوم بحیثیت مجموعی اللہ کی نافرمان ثابت ہوئی اور بسبب ان کی نافرمانی کے ان پر عذاب نازل کئے گے ۔ ایک خاص نسل پر جاکر قوم بنی اسرائیل یہودیت کا لقب اختیار کرگئی اور ان کے خلاف قرآن کریم میں ایک مفصل قرارداد پیش کی گئی۔ ان پر انعانات واحسانات کی یاد دہانی کے ساتھ ساتھ ان پر ان کی نافرمانی کے سبب عذابوں کی تفصیل بیان کی گئی لیکن یہ پھر بھی اپنی روش سے باز نہیں آئے نیز ان کے نیک لوگوں کا تذکرہ بھی کیا گیا۔

یہود کے چھوٹے چھوٹے گروہ دنیا کے مختلف کونوں میں آباد تھے۔ عرب میں بھی یہود کے تین بڑے قبیلے رہتے تھے جو کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کے منتظر تھے ۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو وہ آپ ﷺ کے دشمن بن گے اور آپ ﷺ کے خلاف مشرکین مکہ کا ساتھ دیا۔ دور نبوی ﷺ میں ان قبیلوں کو ان کی بدعہدی کے سبب ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور آخر کار دور عمرؓ میں ان کو عرب سے جلاوطن کر دیا گیا۔

یہود و بنی اسرائیل تاریخی طور پر حضرت یعقوبؑ کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ دور یوسفؑ میں بنی اسرائیل کنعان سے مصر منتقل ہو گئے اور دور موسوی میں انہوں نے مصر کو خیر باد کہہ کر ارض فلسطین کی طرف چلے گئے ۔ وہاں سے ان کو بابلیوں نے غلام بنا کر عراق لے گئے اور سائرس اعظم کے دور میں یہ دوبارہ ارض مقدس فلسطین پہنچے۔ اسی طرح ان کو یونانیوں نے غلام بنایا اور پھر رومیوں نے۔ یہاں تک کے رومی گورنر ٹائٹس نے 70ء میں ان کو جلاوطن کر دیا۔ اس کے بعد یہ دنیا بھر میں گروہوں کی شکل میں پھیل گئے ۔ ان کے کچھ گروہ برصغیر میں بھی وارد ہوئے۔ جن کی بڑی تعداد قیام اسرائیل کے بعد یہاں سے اسرائیل ہجرت کر گئی۔

فصل اول:

قرآن و سنت میں یہودیت کے مباحث

قرآن و سنت میں بنی اسرائیل کا متعدد بار تذکرہ ملتا ہے۔ بنی اسرائیل کی نسبت حضرت یعقوبؑ سے حضرت ابراہیمؑ کی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت ابراہیمؑ کو امام الناس کے منصب پر فائز فرما کر آپؑ کو اسلام کی عالمگیر دعوت کے لیے منتخب فرمایا۔ جو کہ آپؑ کی اطاعت گزاری، اخلاص اور موحد کامل ہونے کا ثمرہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا ۔ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کی آل اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

بنی اسرائیل کسی دین و مذہب کا نام نہیں اور نہ ہی کسی عقیدہ و آئین کا نام ہے۔ یہ ایک مخصوص نسل کا نام ہے اور بنی اسرائیل نے اپنے لیے جو قومی مذہب اختیار کیا بس اسی کا نام یہودیت پڑ گیا۔ قوم یہود کا سلسلہ نسب حضرت یعقوبؑ سے ملتا ہے۔ لیکن دراصل یہ حضرت موسیٰؑ کے امتی اور اہل کتاب ہیں۔

دور موسوی کے کچھ عرصہ بعد تک اصل دین اسلام ہی تھا اور ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہیں تھا حضرت موسیٰؑ کے زمانہ بعد میں یہودیت کا ظہور ہوا۔ جو کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہوداہ کی طرف نسبت سے تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ جن میں سے ایک سلطنت یہوداہ کی جانب سے یہودیہ کہلائی۔ بعد میں کثرت کی وجہ سے تمام بنی اسرائیل پر اطلاق کی وجہ سے یہودیت مشہور ہو گیا۔ قرآن نے بھی انہیں بنی اسرائیل کی بجائے یا ایھا الذین ھادو سے خطاب کیا۔ یاد رہے تمام بنی اسرائیل یہودی نہیں تھے بلکہ یہود میں وہ غیر مسلم بھی تھے جنہوں نے بعد میں یہودیت قبول کی تھی۔

قرآن حکیم کی مکی سورتوں میں یہودیت کا تذکرہ

قرآن حکیم الہامی ضابطہ ہدایت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے ساتھ ہی اسے ہدایت سے نوازا ۔ حضرت آدمؑ کی بدولت اولاد آدم کو ہدایت خداوندی حاصل ہوئی اور جیسے جیسے انسان کرہ ارض پر پھیلا ویسے ویسے

اللہ تعالیٰ انہیں پیغام ہدایت بھیجتا رہا۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ [1] کے تحت خدا کا پیغام پوری دنیا میں بھیجا گیا اور انسانوں کو یا ایھا الناس اور یا بنی آدم سے خطاب کیا گیا۔[2]

قرآن حکیم میں خاص قوموں کو خاص ناموں سے پکارا گیا اور ان پر انعامات خداوندی اور ان کی نافرمانی پر دی گئی سزاؤں کا بیان بھی فرمایا گیا۔ ان قوموں میں ایک معروف قوم بنی اسرائیل ہے۔ قرآن کی اس سے مراد اولاد حضرت یعقوبؑ ہے یا بعد ازاں یہود و نصاری ہیں۔ بنی اسرائیل اصل میں دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لایا اور نصاری کہلایا اور دوسرا وہ گروہ جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو رسول ماننے سے انکار کیا اور یہودیت پر قائم رہا اور یہ گروہ یہودی کہلایا۔ قران حکیم نے اس قوم کے لیے ھودا، الیھود، ھودا (صیغہ جمع)، بنی اسرائیل اور یاایھا الذین ھادوا کے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

قرآن میں سب سے پہلے یہودیوں کا بلاواسطہ ذکر سورہ مزمل میں ملتا ہے۔ اس سورہ کا نزولی نمبر 3 ہے [3] ارشاد ہے کہ:

"﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾"[4]

ترجمہ:[5] "بیشک ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔"

قرآن کریم میں یہودیوں کے دوسرے بار ذکر ہمیں سورہ فاتحہ میں ملتا ہے اس کا نزول بارے علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔[6] اس کا نزولی نمبر 5 ہے اس میں ارشاد ہے

"﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾"[1]

---

[1] سورہ الرعد:7

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (سورہ بقرہ:168، 21، سورہ الحج:1)۔ (سورہ الاعراف:26، 35، سورہ یس:60)

[3] ترتیب نزولی کی یہ تفصیل علاء الدین الخازن المعروف امام خازن کی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل سے لی گئی ہے۔

[4] سورہ المزمل:15

[5] قرآن حکیم کی آیات کا اردو ترجمہ محمد جوناگڑھی کا "ترجمہ قرآن" ہے۔ جو کہ مجمع الملک فہد سعودی عرب سے شائع ہوا ہے۔

[6] علامہ جلال الدین السیوطی نے ابن عطیہ، واحدی، اور ثعلبی سے اسے مکی اور مجاہد سے مدنی بیان فرمایا ہے۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ سورہ الفاتحہ دو دفعہ نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ السیوطی، جلال الدین، **الاتقان فی علوم القرآن** (لاہور: مکتبہ العلم، س:ن):56-55

ترجمہ:"ان لوگوں کی راہ جن پر تونے انعام کیاان کی نہیں جن پر غضب کیا گیااور نہ گمراہوں کی۔"[1]

اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کے دو گروہوں کا ذکر موجود ہے اور بعثت محمدی ﷺ کے وقت ایک ایسا گروہ(یہود)موجود تھاجن پر رب کائنات کا بار بار غضب ہو چکا تھااور اس کے زیر اثر لوگ بھی تھے جو گمراہ تھے۔

قرآن میں آگے جاکر سورہ اعلی(نزولی:8)میں آخرت کے تذکرے کے بعد اللہ تعالی نے صحف مقدسہ کا ذکر فرمایایعنی صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى[2]یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن سے پہلے بھی اس جیسے صحیفے آئے ہیں۔

سورہ ص(نزولی:38)کا مرکزی مضمون توحید ہے اس میں بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت داوٗدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا گیااور ان کی عبدیت کو بیان کیا گیا۔[3]

مکی سورتوں میں ہمیں یہودیوں کا سب سے پہلے تفصیلا ذکر سورہ اعراف میں ملتاہے جس کا نزولی نمبر39 ہے ۔اس سورہ مبارکہ کے مسلسل 5رکوع بنی اسرائیل کے متعلق ہیں۔اس میں جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰؑ کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا گیاہے۔حضرت موسیٰؑ کا بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا،ان کی نافرمانی کے سبب ان پر عذاب،حضرت موسیٰؑ پر تورات کا نزول،حضرت موسیٰؑ کا اللہ کی تجلی دیکھنا اور بنی اسرائیل کا شرک میں مبتلا ہونا بیان ہوا ہے۔[4]

سورہ طہٰ(نزولی:45)میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ بیان ہوا ہے۔اس واقعہ میں حضرت موسیٰؑ کو بچپن میں صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالے جانے،حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کو جابر و سرکش فرعون کے پاس بھیجنے اور اللہ تعالی کی وحدانیت کے بارے بحث کرنے،جادوگروں کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ ہونے ،حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالی کی تائید اور مدد ملنے،جادوگروں کے ایمان لانے،حضرت موسیٰؑ کا دریا میں راستہ بنانے والا

[1] الفاتحہ:7

[2] سورہ الاعلیٰ:19

[3] سورہ صٓ:30

[4] سورہ الاعراف:107-103

معجزہ ظاہر ہونے، بنی اسرائیل کے دریا پار کرنے، فرعون اور اس کا لشکر کے ہلاک ہونے، بنی اسرائیل کا اللہ تعالی کی کثیر نعمتوں کی ناشکری کرنے، سامری کا سونے سے ایک بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے اور حضرت موسیٰؑ کا اپنے بھائی حضرت ہارونؑ پر اظہار غضب کرنے وغیرہ کا ذکر ہے۔[1]

سورہ النمل میں (نزولی:48) حضرت سلیمانؑ کا ذکر، آپؑ کی فوج میں انسانوں کے جن اور پرندوں کا بیان، چیونٹی کی گفتگو سننا اور ملکہ سبا بلقیس کا واقعہ مذکور ہے۔[2]

سورہ قصص (نزولی:49) میں حضرت موسیٰؑ کی ولادت سے لے کر تورات عطا کیے جانے تک کے تمام واقعات تفصیل سے بیان کیے گے ہیں اس کی ابتداء فرعون کے مظالم کے ساتھ کی گئی ہے جو وہ بنی اسرائیل پر ڈھاتا تھا۔ پھر حضرت موسیٰؑ کی ولادت، فرعون کے گھر ان کی پرورش، قبطی کو قتل کرنے کے بعد مصر سے حضرت موسیٰؑ کی ہجرت، حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی سے شادی اور اس کے بعد کے چند واقعات اور آخر میں حضرت موسیٰؑ اور قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔[3]

سورہ بنی اسرائیل (نزولی:50) کے پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے چار ادوار کا تذکرہ کیا گیا ہے جو حضور ﷺ کی بعثت تک گزر چکے تھے۔[4]

سورہ یونس و ہود میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا واقعہ اور ہود میں حضرت موسیٰؑ کا فرعون کے ساتھ مکالمہ بیان ہوا ہے۔[5]

سورہ حم سجدہ میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب بارے اختلاف کو بیان کیا گیا ہے۔" وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ "[1] ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب عطا کی تھی اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔

---

[1] سورہ طہ:98-9

[2] سورہ النمل:44-15

[3] سورہ القصص:48-3

[4] سورہ بنی اسرائیل:8-2

[5] سورہ یونس:93-75، سورہ ھود:99-96

سورہ شوری (نزولی:62) میں یہود کے تورات کے بارے شک کو بیان کیا گیا ہے۔

"﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ﴾"[2]

ترجمہ۔"اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ "

سورہ الجاثیہ میں بنی اسرائیل کو عطا کی جانے والی نعمتوں کے بارے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں

"﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾"[3]

ترجمہ:"یقیناہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی تھیں۔"

سورہ احقاف میں قرآن پاک کو جھٹلانے پر سرداران قریش کو مخاطب کر کے فرمایا گیا اور اس کے سچ ہونے کی گواہی اس جیسی ہی ایک کتاب بنی اسرائیل کے ایک مومن گروہ کی طرف نسبت کر کے ارشاد فرمایا "(اے نبی ﷺ) ان سے کہیے کہ کیا تم نے سوچا بھی ہے کہ اگر یہ قرآن واقعتا اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟) اور گواہی دے چکا ہے ایک گروہ بنی اسرائیل میں ایک ایسی ہی کتاب کی۔ پس وہ تو ایمان لے آیا اور تم استکبار کر رہے ہو۔"[4]

سورہ کہف (نزولی:69) میں حضرت ذوالقرنین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جنہوں نے بنی اسرائیل کو بابلیوں کی غلامی سے نجات دلائی تھی اور انہیں ارض مقدس میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ جبکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔[5]

---

[1] سورہ حم السجدہ:45

[2] سورہ الشوری:14

[3] سورہ الجاثیہ:16

[4] سورہ الاحقاف:10

[5] سورہ الکہف:60-101

سورہ الانبیاء کا نزولی نمبر 73 ہے اور یہ مکی سورتوں کی آخری سورت ہے جس میں بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا ہے اس سورہ مبارکہ میں بنی اسرائیل کے بے شمار انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ ،حضرت یعقوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ حضرت ایوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا نام مبارک آیا ہے۔ اس کے بعد ان انبیاءؑ کا مقصد بتایا کہ ان کا مقصد ایک ہی تھا کہ وہ مخلوق کو اللہ تعالی کی عبادت کی دعوت دیں۔ ایمان لانے والوں کو اچھی جزا اور نافرمانی کرنے والی امتوں کو اللہ تعالی آخرت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔[1]

سورہ مومن کے مکی و مدنی ہونے میں مختلف فیہ روایتیں ہیں۔ اس سورہ میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور قارون کا واقعہ اور فرعون کی قوم کے ایک مومن شخص کا بطور خاص تذکرہ کیا گیا ہے۔[2]

یہ فرعون کا چچازاد بھی تھا لیکن حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا چکا تھا اور اپنے ایمان کو فرعون اور اس کی قوم سے چھپا کر رکھتا تھا کیونکہ اسے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نجات حاصل کی تھی۔[3]

قرآن حکیم کی مدنی سورتوں میں یہودیت کا تذکرہ

سورہ بقرہ (نزولی: 87) مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی پہلی سورہ ہے اور یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت ہے۔ اس سورت کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل پر کیے گے انعامات، ان انعامات کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی ناشکری، بنی اسرائیل کے جرائم جیسے بچھڑے کی پوجا کرنا، سرکشی اور عناد کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ سے طرح طرح کے مطالبات کرنا، اللہ تعالی کی آیتوں کے ساتھ کفر کرنا، انبیاءؑ کو ناحق شہید کرنا اور عہد

---

[1] سورہ الانبیاء: 93-78

[2] سورہ المومن: 31-23

[3] الطبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل القرآن** (القاہرہ: دار ہجر، ط: اول، 2001ء): 20/311

توڑنا وغیرہ، گائے ذبح کرنے کا واقعہ اور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانے میں موجود یہودیوں کے باطل عقائد و نظریات اور ان کی خباثتوں کو بیان کرنا اور مسلمانوں کو یہودیوں کی دھوکہ دہی سے آگاہ کیا گیا ہے۔[1]

سورہ آل عمران کا نزولی نمبر 89 ہے اس میں اہل کتاب کے دونوں گروہوں یعنی یہود و نصاری سے خطاب کیا گیا ہے۔ سورہ مبارکہ کے شروع میں تورات اور انجیل کا بیان ہے "اہل کتاب میں یہود اہم تر طبقہ تھا اور دینی اعتبار سے ان کی اہمیت زیادہ تھی خواہ وہ تعداد میں کم تھے اور کم ہیں۔ دوسرا طبقہ عیسائیوں کا ہے جن کا تذکرہ سورہ بقرہ میں بہت کم آیا ہے لیکن سورہ آل عمران میں زیادہ تر خطاب ان سے ہے۔"[2]

یہودیوں پر ذلت خواری مسلط کیے جانے کا ذکر ہے۔

"﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾"[3]

ترجمہ: "ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی الا یہ کہ اللہ تعالی کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں، یہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی۔"

انبیاء کو ناحق قتل کرنے، نافرمانی کی روش اور حدود سے تجاوز کرنے پر یہود خدا کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر کم ہمتی مسلط کر دی گئی۔ جبکہ اہل کتاب میں ایسے لوگ جو صراط مستقیم پر قائم ہیں ان کی تعریف و توصیف کی گئی۔[4]

سورہ نساء میں یہود کے جرائم کی فہرست بیان کی گئی ہے جیسے اللہ تعالی کی کتابوں میں لفظی و معنوی تحریف کرنا، سبت کے سبب لعنت کے مستحق ٹھہرانا، ان کا شرک کرنا، خدا کی محبوب اور چہیتے ہونے کا دعوی، خدا پر جھوٹ

---

[1] سورہ البقرہ:141-40

[2] اسرار احمد، **تفسیر بیان القرآن** (پشاور: انجمن خدام القرآن، 2013ء):2/7

[3] سورہ آل عمران:112

[4] سورہ آل عمران:112-3، 21، 111

باندھنا، یہودیوں کے حسد کا بیان، حضور ﷺ سے کتاب اتارنے کا مطالبہ کہ جس طرح موسیٰؑ پر کتاب نازل ہوئی، بچھڑا کو معبود بنانا، میثاق کو توڑنا، حضرت مریمؑ پر بہتان اور حضرت عیسیٰؑ کی مصلوبیت کا بیان ہے۔[1]

سورہ صف میں حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے خطاب کہ تم جانتے ہو کہ تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور ان کے دلوں کے ٹیڑھے پن کا بیان اور اس سورہ مبارکہ کے آخر میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا حضرت عیسیٰؑ پر ایمان اور ایک گروہ کفر پر اڑا رہا کا بیان ہے۔[2]

سورہ المائدہ (نزولی:112) میں اہل کتاب یہود و نصاری کے باطل نظریات کا ذکر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل سے عہد لینے، ان کے عہد کی خلاف ورزی کرنے اور اس کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کا جبارین سے جہاد نہ کرنے کا واقعہ بیان، اہل کتاب کی خاندانی اور نیک عورتوں سے نکاح کی اجازت، تورات کے ہدایت اور نور ہونے کا بیان، بنی اسرائیل کے انبیاء کا شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کا بیان، قصاص کا بیان، تورات و انجیل کو اگر اہل کتاب نافذ کرتے تو اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے اور نبی کریم ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ ﷺ فرما دیں کہ تمھاری کوئی بنیاد ہی نہیں جب تک تم تورات و انجیل کو قائم نہیں کرتے۔ اہل کتاب کو دعوت و ایمان اصلاح بھی دی گئی اور ان کی عملی و اعتقادی گمراہیوں کی نشاندہی بھی کی گئی اور انہیں ملامت بھی کی گئی اور حضور کی بعثت کے بعد ان کے متعلق عذر نہ ہونے کا بیان وارد ہوا ہے گویا کہ آخری تنبیہہ ہے۔[3]

قرآن حکیم کی یہود کے بارے ایک متوازن سوچ

قرآن تنقید کی کتاب نہیں ہے۔ جہاں قرآن نے یہود کے جرائم کی ایک مکمل فہرست دی ہے وہاں اس نے یہودیوں کے بعض گروہوں کی حق شناسی اور حق پرستی کی داد بھی کھل کر دی ہے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق سب یہود ایک جیسے نہیں ہیں۔ قرآن مجید یہود کے بعض گروہوں کی تعریف بھی کرتا ہے اور ان کے نیک کاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو صالحین میں شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ

---

[1] سورہ النساء:37، 52، 153، 157

[2] سورہ الصف:5، 14

[3] سورہ المائدہ:12، 31، 44، 59

"﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾"[1]

ترجمہ: "یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں ۔یہ نیک بخت لوگوں میں سے ہیں۔"

علامہ ابن کثیر چند مفسرین کا قول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے مراد اہل کتاب کے علماء جن میں حضرت عبد اللہ بن سلامؓ، حضرت اسد بن عمیدؓ اور حضرت ثعلبہ بن شعبہؓ ہیں۔ یہ ان اہل کتاب لوگوں میں شامل نہیں ہیں جن کی مذمت پہلے گزری ہے۔ بلکہ یہ باایمان جماعت امر اللہ پر قائم ہیں اور شریعت محمدی کے تابع ہیں۔[2]

اللہ تعالی نے یہود کی نافرمانیاں بیان کرنے کے ساتھ ان کے صالح لوگوں کا ذکر کر کے بے مثال روایت قائم کی کہ یہ نیک لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ نمازوں میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں ،نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ جبکہ نیک کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔

---

[1] سورہ آل عمران:114-113

[2] ابن کثیر، عماد الدین ابی الفدا اسماعیل، **تفسیر القرآن العظیم** (القاہرہ: قرطبہ للطبع والنشر والتوزیع،2000ء):3/163-161

دور رسالت مآب اور یہود عرب

یہود کی مدینہ آمد

یہود کے عرب میں سکونت اختیار کرنے کا کوئی تاریخی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ایک رائے کے مطابق بخت نصر کے حملہ (587ق م) میں جب بنی اسرائیل تتر بتر ہوئے تو ان کا ایک گروہ مدینہ میں آکر بس گیا۔[1]

مولانا مودودیؒ کے مطابق 70ء میں فلسطین پر رومی حملے کے بعد 136ء میں جب یہودیوں کو وطن سے نکالا گیا تو یہ مدینہ، تیما، وادی القری وغیرہ میں پناہ گزین ہو گئے۔[2]

70ء میں رومی گورنر ٹائٹس کے حملہ بیت المقدس کے بعد یہودیوں کو بیت المقدس کی سرزمین سے نکال دیا گیا۔ پوری دنیا میں ان کو کوئی جائے پناہ نہیں ملی۔ لہذا جہاں کسی گروہ کو جگہ ملی وہ ادھر ہجرت کر گئے۔کچھ گروہ فرانس ،جرمنی، روس اور یورپ کے دیگر ممالک چلے گئے جبکہ کچھ گروہوں نے مشرق وسطی میں سکونت اختیار کر لی۔غرض یہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکے بلکہ جدا جدا گروہوں کی شکل میں پوری دنیا میں پھیل گئے۔انہیں میں کچھ گروہوں نے عرب میں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن یہ عرب میں کب وارد ہوئے اس کا کوئی تاریخی ریکارڈ نہیں ہے۔شاید یہود کی اپنی تاریخ میں انہیں کے پاس کہیں محفوظ ہو۔

انہوں نے خوف وڈر کی وجہ سے عبرانی تہذیب وتمدن کو ترک کر کے عربی تہذیب وتمدن اپنا لیا۔ان کے چند علما کے علاوہ عربی کوئی نہیں جانتا تھا۔اس لئے دنیا میں پھیلے ہوئے یہودی ان کو بھول چکے تھے اس لئے تاریخ میں ان کا نام ونشان نہیں۔ان کے متعلق قرآن کریم، احادیث، کتب تفاسیر، اور اسلامی تاریخ سے حال معلوم ہوا اور یہ کچھ اسلام سے پہلے کا ہے۔[3]

---

[1] ملک، محمد اسلم، **مدینہ کی قدیم تاریخ**، نقوش رسول نمبر (لاہور: ادارہ فروغ اردو، 1986ء):2/426

[2] مودودی، ابو الاعلی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، س:ن):5/371

[3] قدسی، عبید اللہ، **یہود عرب قبل اسلام**، فکر و نظر (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1964ء): 46

عرب میں یہودی بستیاں

عرب میں یہود کی بہت سی آبادیاں قائم تھیں۔اس حوالے سے محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

"عہد نبوی کے آغاز پر یہودی ہمیں عرب کے ہر حصے میں ملتے ہیں۔ٹھوس بستیوں میں بھی،اکہ دکہ بھی بلکہ بستیوں کا ایک زنجیرہ نظر آتا ہے جو ایلہ (عقبہ) مقنا،خیبر،وادی القری،تیما،فدک،مدینہ،یثرب اور طائف وجرس یمن اور عمان وبحرین تک عرب میں شمالاً جنوباً چلا گیا تھا۔"[1]

جزیرہ عرب میں یہود کے مرکزی مقامات وقبائل کے نام یہ ہیں۔

یثرب میں بنو قریظہ،بنو نظیر،بنو قینقاع،بنو ہذل،بنو زنباع۔یہودی قبائل میں یہود بن عوف،یہود بن نجار،یہود بن ساعدہ،یہود بن الادس،یہود بن ثعلبہ،بنو جفنہ،بنو الشطیبہ اور بنو حارث شامل ہیں۔مختلف علاقہ جات یہود میں خیبر،فدک،وادی القری،تیماء،نجران،اذرح وجرباء،مقناء،بحرین،مکہ وطائف،اور تبالہ وجرش شامل ہیں۔[2]

چونکہ یہود عرب کے ہر حصے میں موجود تھے اور چھوٹے قبائل جن میں ان کی تعداد کم تھی ان میں بھی ان کو مکمل اختیار حاصل تھا کیونکہ یہ وہاں کی تجارت پر حاوی تھے۔لیکن مدینہ کے تین قبیلے عرب میں یہویوں کے سب سے بڑے قبیلے تھے اور مدینہ میں بڑے اثرورسوخ کے حامل تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ آمد

ظہور اسلام کے وقت عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز مدینہ تھا۔مدینہ اور اطراف مدینہ بھی ان کی حیثیت قابل ذکر تھی۔خیبر اور وادی تیما میں ان کے قلعے تھے اور قبائل عرب سے انہوں نے اپنے اتحاد اور حلف کے ذریعے تعلق قائم کر رکھا تھا۔مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبائل بنو نظیر،بنو قینقاع اور بنو قریظہ آباد تھے اور یہ اوس خزرج کے زیر نگیں تھے۔یہود کے قبائل کچھ زراعت پیشہ تھے جبکہ کاہن،تاجر اور سود خور بھی تھے۔علامہ شبلی

---

[1] حمید اللہ،**رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی**(لاہور:نگارشات پبلشرز،2013ء):204

[2] ندوی،مجیب اللہ،**اہل کتاب صحابہ وتابعین**(لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،2004ء):31،34

کے مطابق "عرب کے اندر جو یہود زمانہ دراز سے آباد تھے ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا سودی کاروبار کرتے تھے غریب عربوں کو اپنے گراں شرح سود اور قرضوں کے بار میں اس طرح دبائے تھے کہ ان کی حالت ان کے سامنے غلاموں کی سی تھی۔[1]

نبی کریم کی آمد سے قبل وہ بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اپنے انبیاء کی پیشن گوئیوں کی وجہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ وہ اس نبی اکرم کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ جس کی پیشن گوئیوں سے تورات کے صفحے بھرے تھے اور انہیں سے سن کر یثرب کے اوس اور خزرج ایک نبی کی آمد کی پیشن گوئیوں سے باخبر تھے۔[2]

میثاق مدینہ[3]

آپ ﷺ کے ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ اور مسلمانوں کا بلاواسطہ یہود کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کے تین قبیلے مدینہ میں آباد تھے۔ وہ بہت اہم، طاقتور اور بااثر تھے۔ مدینہ کے معاشی شعبہ پر ان کا مضبوط قبضہ تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لے جاتے ہی فورا مدینہ کے دوسرے قبائل اور یہود کے تینوں قبائل سے معاہدہ کر لیا۔ یہودیوں سے معاہدے میں یہ طے پایا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ ان کے تمام شہری حقوق محفوظ ہوں گے اور کبھی مدینہ پر کسی طرف سے حملہ ہوا تو وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے یا غیر جانبدار رہیں گے۔ وہ اس معاہدے میں ایسے بندھ گے کہ کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آسکے۔ نبی کریم ﷺ کے یہود کے ساتھ اس معاہدے کے اقدام کو آپ ﷺ کی دور اندیشی اور فراست کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔ یہ معاہدہ مدینہ میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے کیا گیا تاکہ مدینہ منورہ کی فضا میں مسلمان جو کہ تیرہ سال سے مشرکین مکہ سے اذیتیں برداشت کرکے آئے تھے وہ سکون کی سانس لیں سکیں۔ آپ کے اس اقدام نے اسلامی تاریخ میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

[1] نعمانی، شبلی، سیرۃ النبی ﷺ، (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2012ء):4/ 173

[2] ایضا،4/ 175

[3] 622ء میں حضرت محمد ﷺ نے مدینہ ہجرت کے بعد مدینہ کی آبادی خصوصا یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں۔

بنو قینقاع[1] کی جلاوطنی

یہود سودی کاروبار کی وجہ سے مدینہ میں استحکام حاصل کر چکے تھے اور ان کی سیادت کو خطرہ لاحق ہو گیا اور وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر غزوہ بدر کے بعد ہی سے مشرکین مکہ کی در پردہ مدد کرنے لگے اور انہوں نے فتح بدر پر غصے اور حسد کا اظہار کیا اور علی الاعلان دشمنی پر اتر آئے اور نبی کریم ﷺ نے فتح بدر کے بعد ارادہ فرمایا کہ ان کو جمع کریں اور نصیحت کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں بنو قینقاع کے بازار میں جمع کیا اور فرمایا کہ اے گروہ یہود صلح کی طرف آؤ اس سے پہلے کہ تم پر وہی وقت آئے جو قریش پر آچکا۔

انہوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) آپ (ﷺ) اس دھوکے میں نہ رہیے کہ آپ ﷺ نے قریش کے کچھ افراد کو قتل کر دیا جو ناتجربی کار تھے اور لڑائی سے نابلد تھے۔ اگر ہمارے ساتھ آپ ﷺ کی جنگ ہوئی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کیسے لوگ ہیں اور ہم جیسوں سے آپ کا واسطہ نہیں پڑا۔ اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان کے جواب میں کیا دھمکی تھی باوجود اس کے انہوں نے معاہدہ کی رو آنحضور ﷺ کی حاکمیت کو تسلیم کر رکھا تھا۔[2] جبکہ ایک روایت کے مطابق ایک مسلمان عورت یہودیوں کے بازار میں گئی تو انہوں نے اسے سر بازار برہنہ کر دیا ۔عورت کی چیخ و پکار سن کر ایک مسلمان نے اس فتنہ انگیز یہودی کو قتل کر دیا اس پر سب یہودی جمع ہو گئے۔ اس مسلمان کو بھی مار ڈالا اور بلوہ بھی کیا۔ نبی کریم ﷺ نے بدر سے واپس آکر یہودیوں کو اس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لیے بلایا۔ انھوں نے معاہدے کا کاغذ بھیج دیا اور خود جنگ پر آمادہ ہو گئے۔[3]

بہر حال ان کی جلاوطنی کا سبب ان کا اسلام میں داخل ہونے سے انکار نہیں بلکہ اس کا حقیقی سبب امن میں خلل اندازی اور ان کی علی الاعلان جارحیت تھی۔ جس سے نبی کریم ﷺ کو یقین ہو گیا کہ ان کا امن و سلامتی کے ساتھ رہنا ناممکن ہے۔

---

[1] بنو قینقاع مدینہ میں یہودیوں کا مضبوط اور طاقتور قبیلہ تھا۔قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں اور قاع اس نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں جس میں کھیتی کی جا سکے۔ سب سے پہلے اس قبیلے نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی اور جلاوطن ہوئے اور شام کے علاقے کی طرف چلے گے۔

[2] ہشام، ابو محمد عبد الملک، **السیرۃ النبویۃ** (بیروت: دار الکتاب العربی، 1990ء):3/11-9

[3] منصور پوری، قاضی سلیمان، **رحمۃ للعالمین** (فیصل آباد: مرکز الحرمین الاسلامی، 2007ء):1/145

بنو نظیر[1] کی جلاوطنی

بنو قینقاع کے یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد مدینہ کے باقی یہود خوفزدہ ہو کر خاموشی اور سکون کے ساتھ بیٹھ گے لیکن غزوہ احد کے بعد ان کی تخریبی ذہنیت دوبارہ پلٹ آئی اور وہ بدعہدی کے مرتکب ہوئے انہوں نے واقعہ رجیع اور بئر معونہ کے بعد آپ کو نعوذ باللہ شہید کرنے کی جسارت کی۔ وادی نخلہ میں قبیلہ بنو عام کے دو اشخاص قتل ہوئے تھے۔ اور ان کے خون بہا کا ایک حصہ بنو نظیر پر واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبے کے لیے نبی کریم ﷺ بنو نظیر تشریف لے گئے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بات تھوڑی ردو قدح کے بعد قبول کر لی اور آپ ﷺ کو دیوار کے نیچے بٹھایا اور سکیم سوچی کہ آپ پر ایک بھاری پتھر گرا کر آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ آپ کو وحی الہی کے ذریعے اطلاع ملی اور آپ واپس چلے آئے اور بنی نظیر سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ نے حضرت ام مکتوم ؓ کو مدینہ میں نائب مقرر کر کے آپ ﷺ روانہ ہو گے۔ بنی نظیر قلعہ بند ہو گئے۔ بنی نظیر دو مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جہاں انہوں نے اجناس، پانی اور اسلحہ کا وافر ذخیرہ کر رکھا تھا اور بنو قریظہ اور منافقین در پردہ ان کے ساتھ شامل تھے اور انہوں نے ان کو ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا اور اطاعت نہ کرنے کا کہا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کیا اور محاصرہ کافی دن جاری رہا۔ آخر کار بنی نظیر محاصرہ سے تنگ آ کر انہوں نے جان بخشی کی اجازت مانگی اور ان کو سزا کے طور پر مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور یہ خیبر میں آباد ہو گئے۔[2]

بنو قریظہ[3] کی جلاوطنی

خیبر میں پہلے بھی یہودی موجود تھے اوپر سے بنو قینقاع اور بنو نظیر کے چلے جانے سے ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا انہوں نے وہاں آرام سے بیٹھنے کہ بجائے مسلمانوں کے خلاف قریش مکہ سے ساز باز کر کے شرارتیں شروع کر دیں۔ 5ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر انہوں نے بنو قریظہ کو ساتھ شامل کر کے مدینہ کے اندر خلل ڈالنا شروع کر دیا

---

[1] بنو نظیر مدینہ میں قباء کے قریب مشرق کی جانب آباد تھا اور یہ قبیلہ طے کا حریف تھا۔ 4ھ میں مدینہ بدر ہوا اور خیبر کے علاقے میں جا کر آباد ہوا۔

[2] ہشام، **السیرۃ النبویۃ**: 3/145-143

قدیم یہودی قبیلہ جس کا تعلق شام سے تھا۔ مدینہ کے مشرق میں وادی مہروز کے قریب آباد تھا۔ سقوط عہد کی وجہ سے 5ھ میں جلاوطن کر دیا گیا ار یہ خیبر آباد ہوئے۔ [3]میں

اور مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کا خطرہ ڈال دیا۔ جنگ خندق کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے مسلمانوں نے محاصرہ کیا جو کہ 25 دن جاری رہا آخر کار تنگ آ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق ان کے مردوں کو قتل کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو مملوک بنائے جائیں اور مال تقسیم کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعدؓ کے فیصلے کو سن کر فرمایا کہ اے سعد تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔[1] لیکن آپ کی صلہ رحمی کی بدولت بعض کو اس فیصلے سے مستثنیٰ فرما کر ان کی جان بخشی کر دی گئی۔[2]

بنو قریظہ اگر رسول اکرم ﷺ کو حکم تسلیم کرتے اور اپنا معاملہ حضور ﷺ کے سپرد کر دیتے تو یقینا آپ ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی وجہ سے وہی فیصلہ صادر فرماتے جو بنو قینقاع اور بنو نظیر کے حق میں فرمایا تھا۔ لیکن مشیت ایزدی کے سبب یہ اس حال کو پہنچے۔

فتح خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کے یہودی مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن منافقین مدینہ کے یہود کو خبر دار کر دیا کہ اب محمد ﷺ کا رخ تمھاری طرف ہے۔[3] جس کے نتیجے میں یہودیوں نے بنو غطفان سے مدد طلب کی لیکن وہ ان کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ خیبر کے آٹھ قلعے تھے جن میں سے پانچ کو فتح کر لیا گیا۔ اب یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ تباہ ہو جائیں گے لہذا انہوں نے صلح کی کوشش کی لہذا اس شرط پر ان کی جان بخشی کر دی گئی کہ ان کے بچے ان کے پاس رہیں گے اور وہ بچوں کو لے کر خیبر کی زمین سے نکل جائیں اور اپنے اموال، باغات، زمینیں، سونے چاندی گھوڑے، زرہیں رسول اللہ سے حوالے کر دیں اور

---

[1] ہشام، **السیرۃ النبویۃ**: 3/189

[2] منصور پوری، سلیمان، **رحمۃ للعالمین**: 149

[3] مبارکپوری، صفی الرحمن، **الرحیق المختوم** (لاہور: المکتبہ السلفیہ، 2002ء): 499

صرف اتنا کپڑا لے جائیں جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکے۔ جبکہ ایک روایت کہ مطابق جتنا مال لاد سکیں لیں جائیں انہوں نے یہ شرط منظور کرلی اور مصالحت ہوگئی۔[1]

اس کے بعد انہوں نے باقی تین قلعے بھی مسلمانوں کے حوالے کر دیئے اور مصالحت ہوگئی۔ آپ نے ان کو جلاوطن کرنا چاہا لیکن اس شرط پر معاہدہ ہوگیا کہ خیبر کی زمین کی آدھی پیداوار یہود رکھیں گے اور آدھی مسلمانوں کو دیں گے۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو نبی کریم ﷺ کسی صحابی کو بھیجتے جو آکر غلہ دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے اور یہود کو پہلے حق دیتے کہ جو حصہ چاہیں لے لیں۔ خیبر کی فتح کے ساتھ یہ اسلامی حکومت کا پہلا اقدام تھا جس سے غیر مسلموں کو رعایا بنایا گیا۔

خیبر سے یہودیوں کا اخراج

خیبر کی پیداواری زمین کا معاملہ حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ کر جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ فتنہ ارتداد، مانعین زکوۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت سے نمٹنے میں مصروف رہے اور یہودیوں کے معاملے کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ ملا۔ خیبر کی پیداوار کا سلسلہ عہد صدیقی میں ایسے ہی چلتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس معاہدہ کو برقرار رکھنے کی پابندی کی گئی پھر جب یہود کی شرارتیں بڑھ گئی اور وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آئے۔ جو سراسر معاہدہ کے خلاف تھیں۔ تو حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کے اس فرمان کو نافذ کر دیا کہ

((لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا))[2]

ترجمہ: (اگر اہل کتاب خلاف اسلام سرگرمیوں میں اسی طرح ملوث رہے تو) میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ یہاں تک کہ اس میں مسلمانوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہنے دوں گا۔

---

[1] مبارکپوری، صفی الرحمن، **الرحیق المختوم**:508

[2] القشیری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**،، کتاب الجھاد والسیر، باب، اخراج الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب، ح:4594

حضرت عمرؓ نے ایک قلیل عرصہ میں تمام یہودیوں کو جزیرہ نمائے عرب سے جلاوطن کر دیا اور ان کے ساتھ کوئی ناانصافی کا معاملہ نہیں فرمایا۔ ان کو مکمل آزادی دی گئی کہ وہ اپنا سازو سامان لے جاسکتے ہیں۔ اس طرح عرب سے یہودیوں کا مکمل صفایا کر دیا گیا۔

معلوم ہوا کی یہود عرب سے جلاوطنی نقص معاہدہ کی وجہ سے عمل میں آئی جیسے آج کی دنیا میں ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں مجرموں کو ملک بدر کر دیا جاتا ہے۔

فصل دوم:

مطالعہ یہودیت کی ضرورت واہمیت

تاریخی اعتبار سے یہودیت الہامی مذاہب میں سے ہے۔ یہ تقریباچار ہزار سال پرانا مذہب ہے۔ جس کی ابتدا بقول یہودیوں کے حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی۔ لیکن قرآن نے تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

"﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا﴾"[1]

ترجمہ: ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ خدا کے فرمانبردار اور حنیف تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کی نسل مبارک میں سے بنی اسرائیل بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ بنی اسرائیل سے نبوت کے سلسلے کا آغاز حضرت اسحاقؑ سے ہوا۔ آپ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ نبی تھے۔ بعد میں حضرت موسیٰؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک مسلسل نبوت بنی اسرائیل میں رہی۔ اب رہا سوال کے حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے تو یہ سوال قرین قیاس نہیں۔ بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود حضرت یعقوبؑ کے چوتھے یا پہلے بیٹے یہودا کی طرف نسبت سے بہت بعد میں وجود میں آئی اور یہ حضرت موسیٰؑ کے پیروکار اور خاص نسلی گروہ بن گے۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ تو مسلمان تھے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ:

"﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾"[2]

ترجمہ: "اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔"

---

[1] آل عمران:67

[2] سورہ الانعام:163

بنی اسرائیل۔

اسرائیل غیر عربی نام ہے اور اس کا ترجمہ عربی میں عبداللہ کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ کے ہیں۔ یہ حضرت یعقوبؑ ابن اسحاق کا لقب تھا۔[1] جبکہ معارف القرآن میں ہے۔

"اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام بتایا گیا ہے بعض علماء نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کا نام متعدد نہیں صرف حضرت یعقوبؑ کے دو نام ہیں"۔[2]

مفتی احمد یار خان نعیمی لفظ "اسرائیل "رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھتے ہیں۔"حضرت یعقوبؑ اپنے والد حضرت اسحاقؑ کے بہت خدمت گزار فرزند تھے۔ایک دفعہ حضرت اسحاقؑ عبادت کے لیے گوشہ نشین ہوئے اور حضرت یعقوبؑ کو دروازے پر بٹھا دیا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا۔اچانک ایک مقرب فرشتہ انسانی شکل میں آیا اور حضرت اسحاقؑ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔حضرت یعقوبؑ منع کیا لیکن وہ نہ مانا۔تو انہیں نے اسے جبرا روکا۔حضرت اسحاقؑ دروازے پر شور سن کر باہر آئے اور دیکھا کہ حضرت یعقوبؑ فرشتہ سے جھگڑ رہے ہیں تو آپؑ نے فرمایا: برخوددار یہ فرشتہ مقرب ہے اور فرشتہ سے معذرت فرمائی کہ انہوں نے آپ کو پہچانا نہیں۔فرشتہ نے حضرت یعقوبؑ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ اسی طرح حق خدمت ادا کرنا چاہیے اور کہا کہ ہماری طرف سے اس کا نام "اسرائیل "رکھو۔[3]

بائبل میں حضرت یعقوبؑ کا نام رکھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔کہ

> "حضرت یعقوبؑ اکیلے رات بھر خدا سے کشتی لڑتے رہے اور خدا پر غالب رہے تب اس (خدا) نے کہا۔تیرا نام کیا ہے اس نے جواب دیا، یعقوب۔اس نے کہا کہ آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔تو نے خدا اور اس کے آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب رہا۔"[4]

---

[1] آلوسی البغدادی، سید محمود، **روح المعانی** (لاہور: مکتبہ رشیدیہ، 1390ھ): 1 / 241

[2] محمد شفیع، مفتی، **معارف القرآن** (کراچی: ادارہ المعارف، 2008ء): 1 / 146

[4] نعیمی، احمد یار خان، **تفسیر نعیمی** (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 1992ء): 1 / 277

[4] **کتاب مقدس** (جیولنکس ریسورس کنسلٹینٹس) اردو ترجمہ (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 2015ء) کتاب پیدائش: 24:32-28

آپؑ کی نسل بنی اسرائیل کہلائی۔

یہودیت کا معنی و مفہوم

اہل لغت نے یہود کی لغوی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

"الھود،التوبۃ،ھاد،ھودا و تھودا،تاب ورجع الی الحق فھو ھاد"[1]

ترجمہ: ھود کے معنی توبہ کے ہیں۔ جو ھاد و تھود سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اس نے توبہ کی اور حق کی طرف لوٹا۔

حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر چلے جانے بعد بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور جب حضرت موسیٰؑ واپس تشریف لے کر آئے تو ان کو ملامت کیا تب انہوں نے رجوع الی اللہ کیا۔ جس کی وجہ سے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ یا دوسری ان کا یہ نام حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے یہودا کی نسبت کی وجہ سے پڑا ہے۔

"قیل انھم بااسم یھودا احد ابناء یعقوبؑ"[2]

ترجمہ: کہا گیا کہ یہ نام یعقوبؑ کے بیٹے یہودا کے نام سے رکھا گیا۔

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

یہودا حضرت یعقوبؑ کے ان بارہ بیٹوں میں سے چوتھے بیٹے تھے۔ جن سے اسرائیل کے بارہ خاندانوں کا ظہور ہوا۔ یسوع کے زمانے میں مفتوحہ علاقہ انہی لوگوں کے درمیان تقسیم ہوا اور اس تقسیم میں یروشلم سے لے کر اس کے جنوب کا تمام علاقہ بنی یہودا کے قبضہ میں آیا۔ حضرت داؤدؑ اسی خاندان میں سے تھے۔ ان کے زمانہ میں تمام بنی اسرائیل ان کے حصے میں آئی۔ ان کے وارث حضرت سلیمانؑ تھے۔ جنہوں نے اپنے دارالسلطنت میں ہیکل کی تعمیر کی۔ اس سے اس خاندان کی عظمت میں اور اضافہ ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل میں اختلاف رونما ہوئے تو یہ دو حصوں میں بٹ گے۔ ایک حصہ یہودا اور دوسرا بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوا اور بقیہ خاندانوں

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب** (بیروت: دار الفکر، 1410ھ) 3/439

[2] کبار علماء مصر، **معجم الوسیط** (بیروت: دار الحیاء التراث، 1997ء) 1/998

کے نام غیر معروف ہو کر رہ گے ۔ چنانچہ بعد کی تاریخ میں یہودا اور بنی اسرائیل کے نام ہی ملتے ہیں۔ جب یہ لوگ کلدانیوں کی اسیری میں مبتلا ہوئے تو بنی اسرائیل کے لیے یہود کا لفظ مشترک نام کی حیثیت سے استعمال ہونے لگا۔[1]

اردو دارہ معارف اسلامیہ میں ہے کہ یہودی کی اصطلاح یا تو قدیم سلطنت یہودا کے باشندوں، یا یہودا بن یعقوبؑ کی اولاد یا مذہب یہود پر عامل شخص کے لیے مخصوص ہوتی ہے اور بنی اسرائیل (اولاد یعقوبؑ) کا لفظ وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور حضرت اسرائیل یعنی یعقوبؑ کے تمام بیٹوں کی اولاد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تاہم عام طور پر اس سے مراد حضرت موسیٰؑ کی شریعت کو ماننے والے لوگ ہیں۔ مگر چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات فقط اولاد یعقوبؑ تک محدود رہی ہیں، اس لیے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔[2]

مؤرخین اسلام اور مفسرین نے یہودا کے بارے بیان ہے کہ وہ پہلے یا چوتھے بیٹے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں میں ایک کا نام یہودا تھا۔ یوشع بن نون کے زمانے میں بہت فتوحات ہوئیں اور یہ یعقوبؑ کی بارہ بیٹوں کی نسبت سے بارہ قبیلوں میں تقسیم ہو گئیں۔ بارہ حکومتوں میں بہت سی حکومتیں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں صرف دو باقی رہ گئیں جن میں ایک کا نام اسرائیل اور ایک کا نام یہودا تھا۔

یہودیت کی مختصر تاریخ

یہودی مذہب آسمانی مذاہب اسلام اور عیسائیت کا پیش رو ہے۔ اس کی تاریخ حضرت ابراہیمؑ تک بتائی جاتی ہے یہ درست نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی اولاد حضرت یعقوبؑ کے دوسرے نام کی نسبت سے یہ ایک زمانے تک بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں ایک کا نام یہودا تھا۔ ایک خاص عرصہ بعد کے کچھ قبائل یہودا کی نسبت سے یہودیت میں ڈھل گئے اور یہودی کہلانے لگے۔ بعد کے زمانے میں پورے بنی اسرائیل پر یہودیت کا اطلاق ہونے لگا۔

---

[1] اصلاحی، امین احسن، **تدبر القرآن** (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، 1972ء): 1/183

[2] **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ط: اول، 1383ھ): 23/355

دور یعقوبؑ سے مصر سے خروج تک

حضرت یعقوبؑ کنعان سے حضرت یوسفؑ کے پاس مصر میں اپنی آل یعنی بنی اسرائیل کے 67 افراد کو لے کر منتقل ہوئے۔[1]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ اس وقت مصر میں چرواہے بادشاہ (Hyksos Kings) حکومت کرتے تھے یہ عربی النسل تھے اور فلسطین و شام سے مصر جا کر 2 ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں سلطنت مصر پر قابض ہوئے ۔ عرب مورخین نے ان کے لیے عمالیق کا نام استعمال کیا۔ مصر میں خانگی نزاعات کے سبب بادشاہی کرنے کا موقع ملا یہی سبب ہوا کہ ان کی حکومت میں حضرت یوسفؑ کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل ہاتھوں ہاتھ لیے گے ملک کے بہترین زرخیز علاقے میں آباد کئے گے اور ان کو وہاں بڑا اثر ورسوخ حاصل ہوا۔[2]

بنی اسرائیل مصر میں پھولے پھلے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد جب ملک میں بادشاہت قبطیوں کے پاس چلی گی تو مصر میں بنی اسرائیل کا دور غلامی شروع ہوا۔

مولانا مودودیؒ کے مطابق قبطیوں کے ہاتھ جب دوبارہ اقتدار آیا تو قوم پرست حکومت نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں صرف اتنے ہی پر اکتفانہ کیا گیا کہ اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کیا جاتا اور انہیں ادنی درجہ کی خدمات کے لیے مخصوص کر لیا جاتا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹائی جائے ان کے لڑکوں کو قتل کر کے ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تا کہ رفتہ رفتہ ان کی عورتیں قبطیوں کے تصرف میں آتی جائیں ان سے اسرائیلی کی بجائے قبطی نسل پیدا ہو۔[3]

---

[1] **کتاب پیدائش** 22:46-27

[2] مودودی، ابوالاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ، ط: چہارم، 2000ء): 24

[3] ایضا: 29

بعثت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا خروج

بنی اسرائیل کی صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھوں انتہائی ذلت کی زندگی گزارتے رہے۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا اور بہ سبب ان کے ان کو غلامی سے نجات دلائی۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ دور جو حضرت موسیٰؑ سے پہلے گزرا قریب قریب بالکل تاریکی میں ہے۔ بائبل اور تلمود بھی اس پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتیں اور نہ مصر کی قدیم تاریخ اور اثریات سے اس معاملے میں کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔[1]

حضرت موسیٰؑ فرعون مصر کے پاس دعوت اسلام لے کر گے تو اس نے سرکشی اور تکبر سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں بحر احمر کو پار کر کے مصر سے نکل گئے اور بہ سبب سرکشی اور نافرمانی کہ اللہ نے فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا۔

فلسطین میں داخلہ

فرعون کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کوہ طور پر بلا کر تورات عطا فرمائی تو پیچھے سے بنی اسرائیل نے شرک کیا اور گئوسالہ پرستی شروع کی۔ صحرائے سینا میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش کر دی انہیں پانی کے بارہ چشمے، من وسلوی اور بادلوں کا سایہ کیا۔ اس کے بعد انہیں حکم ہوا کہ ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہو جاؤ اور وہاں پر آباد قوم کے ساتھ جہاد کر کے انہیں وہاں سے نکال کر آباد ہو جاؤ۔ تو پوری قوم نے جواب دیا۔

"﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾"[2]

ترجمہ: تم اور تمہارا رب جا کر قتال کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **تفہیمات** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 2001ء): 2/26

[2] سورہ المائدہ: 24

ان کے جواب پر اللہ تعالی نے ان پر سزا مسلط کردی اور یہ چالیس سال صحرا میں بھٹکتے رہے ان سالوں میں حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کا انتقال ہو گیا۔ چالیس سال کے بعد حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے قتال کیا اور فلسطین کو فتح کرکے اس میں داخل ہوئے۔

دور قضاۃ[1]

یہ وہ زمانہ ہے جس میں بنی اسرائیل کا انتظام و انصرام ان کے قضاۃ کے ذریعے سے ہوا۔ جب کو قاضی شریعت موسوی کی پابندی کرتا تو نصرت خداوندی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور پڑوس کی حکومتیں ان کے تابع رہتی تھیں جبکہ اگر کوئی قاضی شریعت موسوی کو فراموش کرنے والا ہوا تو وہ ذلیل وخوار ہوا اور آس پاس کی قومیں اس پر غالب آ گئیں۔ موسیٰؑ کے جانشین یشوع کی وفات سے بنی اسرائیل میں بادشاہت کے قیام تک تقریبا دو سو برس 1200ق م تا 1020ق م، بنی اسرائیل پر قاضی حکومت کرتے رہے۔[2]

دور سلاطین

بنی اسرائیل کے آخری قاضی سموئیل نبی تھے ان سے بنی اسرائیل نے درخواست کی کہ ان کے کے لیے کوئی بادشاہ مقرر کردیں قرآن کریم میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے

"﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾"[3]

ترجمہ: "کیا آپ نے موسی کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا۔ جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنادیجیے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔"

---

[1] حضرت یوشع بن نون کی وفات سے لے کر حضرت طالوت کی بادشاہت تک بنی اسرائیل میں قاضی شریعت نافذ کرتے رہے۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔

[2] **انسائیکلوپیڈیا برٹینکا**، 978:6

[3] البقرہ: 246

انہوں نے ساؤل (طالوت) کو بادشاہ مقرر کر دیا۔اس دور میں حضرت طالوت، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ شامل ہیں۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤدؑ بنی اسرائیل کے باشاہ بنے اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ جانشین ہوئے۔ان کا عہد بڑے پر سکون اور امن کا دور تھا انھوں نے ایک عبادت گاہ ہیکل سلیمانی تعمیر کروائی۔

منقسم سلطنت بنی اسرائیل

حضرت سلیمانؑ کے بعد سلطنت بنی اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہو گی۔

(الف)۔اسرائیل: جو دس قبائل پر مشتمل تھی۔

(ب)۔یہودا: جو بنی اسرائیل کے دو قبائل بنو یہودا اور بنیامین پر مشتمل تھی۔[1]

حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجعام جب تخت نشین ہوا تو بنی اسرائیل کے دس قبائل نے الگ ہو کر افرائمی قبیلہ کے یروبعام (922-901ق م) کی ماتحتی میں شمال میں اسرائیلی حکومت کی بنیاد ڈالی[2] اور جنوب کے چھوٹے علاقہ میں رجعام بن سلیمان کی بادشاہت میں یہودا اور بنیامین کے دو قبائل نے یہودا کی سلطنت قائم کی۔اس کا دارالحکومت یروشلم میں رہا جبکہ شمال کی سلطنت کا مذہب دین سامری یعنی بچھڑے کی پرستش کرنے کا مذہب ہونے سے انہوں نے سامریہ شہر کو بنا کر اسے اپنا دارالحکومت قرار دیا۔[3]

دور جلاوطنی اور اہل فارس کے زیر اقتدار

سلطنت اسرائیل 586ق م تک قائم رہی اس دور میں بنی اسرائیل کے دس قبائل شمالی حکومت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیئے گے اور آج تک ان کا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وادی میں کھو گئے یا زمین کے کس حصے نے ان کو نگل لیا۔یہی دس قبائل بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ (Lost Sheep of Bani Israel) کہلاتے ہیں۔اسی دور

[1] بنی اسرائیل کے بقیہ دس قبائل بنی ربئون، بنی شمعون، بنی لاوی، بنی دان، بنی نفتالی، بنی جاد، بنی آشیر، بنی یساکار، بنی زبولون، بنی یوسف تھے۔

[2] حسن، محمد خلیفہ، **تاریخ الادیان** (القاہرہ: دار لثقافتہ العربیہ، 2002):190

[3] رانا، احسان الحق، **یہودیت و مسیحیت** (لاہور: مسلم اکادمی، س:ن):135

میں 606ق م سے 536ق م میں یہودا نامی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں یہود کو بابل سے جلا وطن کر دیا گیا اور ہیکل سلیمانی کو بخت نصر نے گرا دیا۔[1] بعد میں جب اہل فارس نے بابلی حکومت کا کاتمہ کر کے بنی اسرائیل کو دوبارہ بیت المقدس میں آباد کر دیا اور ہیکل سلیمانی کو از سر نو شاہان فارس نے بنانے کی اجازت دے دی۔

یہود یونانیوں کے زیر اقتدار اور آزادی

ایرانی سلطنت کے زوال، سکندر اعظم کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج نے یہودیوں کو پھر غلام بنا دیا۔یونانی بادشاہ یہودیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے انہوں نے یہودیوں کو اسیر کیا اور ان پر سختی شروع کر دی تا کہ وہ اپنی روایات اور رسم ورواج کو چھوڑ کر یونانی تہذیب مکمل طور قبول کر لیں۔یہودیوں نے اس صورتحال کو قبول نہ کیا اور 160ق م انہوں نے حشمونی یا مکابی خاندان کے یہوداہ کی سرکردگی میں بغاوت کر کے کامیابی حاصل کر لی اور بے حرمت شدہ ہیکل کو پاک کر کے یہودی مذہب کی نا صرف حفاظت کی بلکہ 142ق م میں یہوداہ مکابی کے بھائی سائمن کی سرکردگی میں یہودی مکمل طور پر آزاد ہو گے۔444 سال پیشتر بابلیوں کے ہاتھوں اسیر ہو جانے بعد یوں یہودیوں کو پہلی بار آزادی نصیب ہوئی۔[2]

یونانیوں کے زیر تسلط یہودی قوم نے نہ صرف یونانی تہذیب اختیار کی بلکہ ان میں بہت سے فرقے وجود میں آئے۔اس زمانے میں عبرانی بائبل کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔مکابی سلطنت کے طفیل ان کو آزادی نصیب ہوئی۔

رومیوں کے زیر اقتدار

63ءق م روم کے شہنشاہ پمپی کے عہد میں حشمونی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو کر فلسطین روم کے زیر تسلط آ گیا اور کی صدیوں تک یہ سلطنت روم کا حصہ رہا۔[3]

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**:130

[2] رانا، احسان الحق، **یہودیت و مسیحیت**:185

[3] ایضا: 18

اس دور میں یہودی نہ صرف بد حال ہو چکے تھے بلکہ فسق وفجور میں مبتلا ہو کر وہ گمراہی کی زندگی بسر کر رہے تھے انکی اصلاح کے لیے حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رومی گورنروں کے خلاف کچھ یہودیوں نے بغاوت کی۔ بغاوت کو کچلنے کے لیے روم کے شہنشاہ کے گورنر ٹائیٹس نامی سپہ سالار نے یہودیوں کو مکمل طور پر کچل کر ملک میں رومی تسلط میں کر دیا اور 70ء یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو مکمل تباہ کر دیا۔ یہودی اسیروں کو یا تو قتل کر دیا یا غلاموں کے طور پر فروخت کر دیا۔ بچ رہنے والے یہودیوں کو عبادت کے لیے جمع ہونے سے روک دیا گیا۔ ختنہ کرانا ممنوع قرار دیا گیا اور یروشلم میں ان داخلہ بند کر دیا گیا۔[1]

دور انتشار

70ء کے بعد یہودی مختلف گروہوں کی شکل میں مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے اور دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ بہت سے یہودی گروہ اسپین، جرمنی، فرانس اور مشرق یورپ چلے گئے اور کچھ گروہ مشرق وسطی اور جزیرہ نمائے عرب کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہاں تک کہ 1948ء میں قیام اسرائیل کے بعد یہ دوبارہ یروشلم کی طرف اکھٹے ہونے شروع ہو گئے۔ یہ دور 1948ء میں قیام اسرائیل کے ساتھ اختتام پزیر ہوتا ہے۔

[1] رانا، احسان الحق، **یہودیت ومسیحیت**:188

مطالعہ یہودیت کی ضرورت واہمیت

مکالمہ بین المذاہب کی رو سے

مکالمہ بین المذاہب سے مراد مختلف مذاہب کے درمیان بحث، بات چیت اور افکار و خیالات کا تبادلہ ہے ۔مکالمہ بین المذایب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی سنت ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کا ایک بڑا حصہ دوسرے مذاہب کے مکالمہ کے ساتھ صرف کیا ہے۔ سورہ بقرہ جو قرآن پاک کی پہلی بڑی سورت ہے اس کے بیشتر مضامین اسی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں اور سور آل عمران سمیت مدنی سورتیں اہل کتاب اور منافقین کے ساتھ جبکہ مکی سورتوں میں مشرکین اور کفار کے ساتھ زور دار مکالموں پر محیط ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے مشہور مذاہب اور معروف ادیان کی تعلیمات کا غیر متعصبانہ تقابل اور غیر جانبدرانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز تمام مذاہب کی خوبیوں بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔ مطالعہ مذاہب کے دوران اگر کسی دین کی خوبی سامنے آئے تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔ نیز اگر خامی ہے تو اسے دلیل اور برہان سے رد کیا جائے تاکہ حق تک رسائی ممکن ہو۔

اسلام نے دیگر اقوام و مذاہب سے تعلقات باہمی کے لیے مکالمہ بین المذاہب کا دروازہ صدر اول سے کھلا رکھا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہر دور میں انہوں نے دیگر اقوام و ملل کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری کا سلوک روا رکھا ہے یہاں تک کے جنگ کی حالت میں بھی مسلمانوں اس طرز عمل کو ترک نہیں کیا۔[1]

سیرت طیبہ کی روشنی میں بین المذاہب مکالمہ کی اہمیت۔

اسلام اصلا دین دعوت ہے اور اس کی دعوت کا دائرہ کار پوری عالم انسانیت پر محیط ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بے مثال نمونہ ہے۔ شاہان عالم کے نام رسول اللہ ﷺ کے دعوتی و تبلیغی خطوط معاصر مذاہب اور تہذیبوں سے آپ ﷺ کے مکالمہ کی ایک خوبصورت مثال ہیں۔

---

[1] خان، نور حیات، **بیسویں صدی کے مکالمات: بین المذاہب کا مختصر تاریخی و تنقیدی جائزہ** (الایضاح، 2013ء): 85

حضور اکرم ﷺ کے نزدیک مکالمہ بین المذاہب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ کرام کو دوسری قوموں کی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ دعوت و تبلیغ اور باہمی مکالمہ میں قوت اور تاثیر اسی وقت پیدا ہو گی جب پیغام اور مکالمہ کی زبان آسان، نرم اور قابل فہم ہو۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ یہود سے انہی کی زبان میں گفتگو کی جا سکے اور ان کے خطوط کا جواب دیا جا سکے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ:

> "پس میں نے ان کی زبان میں لکھنا سیکھ لیا۔ ابھی پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا۔ جب یہودی کوئی خط آپ ﷺ کی طرف لکھتے تو میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سنا دیتا اور آپ ﷺ کو جواب لکھنا ہوتا تو میں وہ لکھ دیتا۔"[1]

صحابہ کرامؓ نے بھی اسی غرض سے دوسری قوموں کی زبانیں سیکھیں تاکہ ان سے براہ راست تبادلہ خیال کر کے ان کے مسائل کو حل کیا جا سکے۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ ایک ایرانی عورت حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں استغاثہ لے کر آئی کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب مجھ سے میرا بیٹا بھی چھیننا چاہتا ہے۔ اس عورت نے یہ ساری گفتگو فارسی زبان میں کی اور ابو ہریرہؓ نے بھی اس سے اسی زبان میں گفتگو کی اور پھر آپؓ نے بچہ عورت کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔[2]

شاہان عالم کی طرف بھیجے جانے والے نبوی سفراء کا معجزانہ طور پر انہیں قوموں کی زبان میں گفتگو کرنے لگ جانا بھی دعوت و تبلیغ اور مکالمے میں زبان کی یکسانیت کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔[3]

الغرض سیرت طیبہ میں اس کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ایک طرف حضور ﷺ نے عرب کی مشرکانہ تہذیب کے نمائندہ افراد، سرداران قریش اور ان کے وفود سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکالمہ کیا اور دوسری طرف ورقہ بن نوفل سے لے کر نجران کے عیسائی علماء سے آپ ﷺ کا مکالمہ گویا

---

[1] احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ الشیبانی، **المسند** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1991ء) ح 1108، 6: 238

[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، **السنن**، کتاب الطلاق، باب من احق بالولد (الریاض: دار السلام للنشر التوزیع، 1999ء) ح 2277، 230

[3] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، **الطبقات الکبریٰ**، ذکر بعثۃ رسول اللہ ﷺ الرسل بکتبہ الی الملوک (بیروت: دار صادر، 1985ء) 1: 258

عیسائیت سے انفرادی اور اجتماعی سطح کا مکالمہ تھا۔اسی طرح مدنی دور میں بھی میثاق مدینہ جس کے بڑے فریق یہودی قبائل تھے،یہود سے مکالمہ ہی کی ایک صورت تھی۔

مطالعہ یہودیت کی رو سے

مذاہب عالم کے حوالے سے مذہب یہودیت کا مطالعہ بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ اور بھی ضروری ہے کہ قرآن پاک میں یہودیوں کے عقائد اور رویوں کے متعلق بہت سی معلومات دی گئی ہیں۔ بہت سی آیات و احادیث میں یہودیوں کا ذکر ہے ۔ان آیات و احادیث کی درست تفہیم کے لیے یہودیت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔اسی طرح بعض مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں اسرائیلی روایات ذکر کی ہیں۔ جن کا مآخذ کتاب مقدس ہے۔یہودیت کے مطالعہ کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیلے ہوئے غلط نظریات کی پہچان اور ان کے مضر اثرات سے بچاؤ ممکن ہے۔

بنی اسرائیل خود کو چہیتی،لاڈلی،اللہ رب العزت کی من چاہی و من پسند قوم اور اس کے بندے ظاہر کرتی ہے۔لہذا اس بات کا مطالعہ کیا جائے کہ یہ لوگ اصل میں ہیں کون؟ قرآن حکیم جیسے مکمل دستور العمل کا تقریبا ایک چوتھائی حصہ جس قوم کے حالات،واقعات،تاریخ،عادات وخصائل،ان کی اسلام دشمنی،اجتماعی ارتداد اور مفسدانہ ذہنیت وخیالات سے بھرا ہوا ہے آخر یہ کون لوگ ہیں؟ان کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟زندگی کے جملہ معاملات میں ان کا عمل اور برتاؤ کیا ہے ؟ان کا مذہبی رجحان کیا ہے ؟اور انہوں نے بنی اسرائیل سے یہودیت کا سفر کیسے طے کیا؟اور اب انہیں الذین هادوا(اے لوگ جو یہودی بن گئے)کے الفاظ سے کیوں پکارا جانے لگا؟وہ کیا وجوہات و اسباب تھے ؟جنھوں نے انہیں پسندیدہ سے ناپسندیدہ اور آل یعقوب و بنی اسرائیل سے یہود کے نام و تعارف تک پہنچا دیا۔ چنانچہ لازم ہے کہ ان کا بھرپور اور مکمل مطالعہ کیا جائے اور ان کی مکمل تاریخ کا جائزہ کیا جائے۔[1]

[1] عشرت جمیل،بنی اسرائیل،**یہود اور یہودیت،تعارف و تجزیہ**،القلم(2012ء):241

مطالعہ یہودیت کی مذہبی و معاشرتی اہمیت

عصر حاضر میں مسلمانوں کے لیے کسی بھی مذہب کا مطالعہ دو پہلوؤں سے اہمیت رکھتا ہے۔اول یہ کہ آج پوری دنیا ایک گاؤں کی صورت اختیار کر گئی ہے اور تمام ممالک کے ہر علاقے میں مذہب کے ماننے والے رہتے ہیں ۔معاملات زندگی میں ان کا ایک دوسرے سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔پر امن بقائے باہمی کے لیے ضروری ہے کہ انہیں ایک دوسرے کے مذہب،وعقائد،رسوم ورواج اور جذبات واحساسات کے بارے میں واقفیت ہو۔دوسرا یہ کہ مسلمان ایک داعی گروہ ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں اللہ کے بندوں کو دعوت اسلام پہنچائیں۔اس لیے ضروری ہے ان کے اطراف میں رہنے والے دوسرے مذاہب کے ماننے والے لوگوں کا انہیں مکمل اور تفصیلی علم ہو۔ تاکہ ان کی تہذیب وثقافت اور نفسیات سے کماحقہ واقفیت حاصل ہو اور وہ ان کی اقدار وتعلیمات کا تقابل کرتے ہوئے مشترکہ اقدار وامور اور اختلافی باتوں میں اسلام کا سچا مذہب ہونا ثابت کر سکیں۔لہذا ان دو پہلوؤں کا مطالعہ یہودیت میں اطلاق بھی ہو گا اور ان کے مذہبی عقائد ومعتقدات سے اسلامی عقائد کو جانچنے کا موقع ملے گا۔

اسلام کی معاشرتی اقدار مساوات،اخوت واتحاد،عدل وانصاف،جان ومال اور عزت کی حفاظت،حریت و آزادی،ملکیت میں دوسروں کا حق اور تکریم انسانیت ہیں۔عصر حاضر میں مطالعہ یہودیت میں ان کی معاشرت کی آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان کے معاشرتی اصولوں کو دیکھنا چاہیے کہ ان کے نزدیک مساوات اور اخوت واتحاد کا مطلب کیا ہے۔؟عدل وانصاف بارے ان کیا قوانین ہیں۔؟جان ومال اور عزت کے بارے ان کا مذہب کیا کہتا ہے۔؟حریت وآزادی اور تکریم انسانیت کے یہ کتنے پابند ہیں۔؟اس سے یہودیت کی معاشرت کے خدوخال واضح ہو جائیں گے۔

مطالعہ یہویت کی سیاسی ومعاشی اہمیت

معاشرت میں جب وسعت پیدا ہوتی ہے تو معاشرتی زندگی کی آخری حد سیاست ہے۔یعنی معاشرت سے سیاست کا وجود نکلا ہے۔مذاہب کے بانیوں نے اس ادارے کے قوانین مرتب کیے ہیں۔دور حاضر میں یہودیت کے پیروکاروں کی تعداد عیسائیت اور اسلام کے پیروکاروں سے کم ہے۔لیکن یہ تھوڑے سے یہودی دنیا کی سیاست اور

معاشیات پر حاوی نظر آتے ہیں۔سیاسی نوعیت سے اگر دیکھا جائے تو یہودی عالمی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔انہوں نے یہ سیاسی حیثیت کیسے حاصل کی؟۔کیاان کی سیاست دنیاکے لیے مفید ہے؟۔ان کے سیاسی نظریات کیاہیں اور یہ کیاسیاسی عزائم رکھتے ہیں؟۔اس نوعیت سے یہودیت کا مطالعہ خاص مفید ثابت ہو گا۔

جبکہ معاشی اعتبار سے مطالعہ یہودیت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔دور جدید میں بینکنگ کا نظام یہودیوں کے قبضہ میں ہے اور یہ سودی معیشت پر قائم ہے۔یہ ملٹی نیشنل کمپنیوں اور تمام بڑے برانڈز کے مالک ہیں اور دنیا کی بڑی اکانومی ان کی جیب میں جاتی ہے۔عصر حاضر میں یہودیوں کے اس معاشی غلبے کہ پیچھے ان کے عزائم کیا ہیں؟اور معاشی جنگوں کے پیچھے ان کیا مقاصد ہیں؟اور کیا یہ عزائم و مقاصد انسانیت کے لیے مفید ہیں؟ان سب کا مطالعہ ہمیں اصل حقائق کو سمجھنے میں کافی مددگار ثابت ہو گا۔

فصل سوم:

بر صغیر میں مطالعہ یہودیت کی روایت

بر صغیر میں مطالعہ مذاہب کی روایت کا آغاز

آٹھویں صدی عیسوی میں عرب فاتحین سندھ میں داخل ہوئے تو یہاں کی آبادی ہندومت اور بدھ مت وغیرہ کے پیروکاروں پر مشتمل تھی۔فاتحین کے حسن سلوک کی وجہ سے یہاں کی بڑی آبادی نے اسلام قبول کر لیا اور مسلم فاتحین میں جو لوگ بھی علم و دانش کے مرتبے پر فائز تھے انہوں نے مقامی آبادی کے مذاہب کے بارے کیا رویئے قائم کیے اس بارے معلومات نہ ہونے کے برابر ہے۔

دسویں، گیارہویں صدی عیسوی میں سلطان محمود غزنوی نے بر صغیر کا رخ کیا اور پنجاب اور اس سے ملحقہ علاقے سلطنت غزنی کا حصہ بن گئے۔سلطان محمود کے دربار میں ایک عالم ابو الریحان البیرونی (م1048ء) نے ہندو مذہب پر تفصیل سے لکھا۔اس نے پہلے ہندو اہل علم سے سنسکرت سیکھی اور ان کے علوم و فنون کو سمجھ کر ایک کتاب "تحقیق ما للھند" لکھی۔اس کتاب میں بر صغیر کے علوم ہیت، نجوم، جغرافیہ، حساب، حکایت و قصص ور مذہب و تہذیب بارے لکھا بلکہ انہوں نے ہندوؤں کے اعتقادات و معاملات کو یونانی فلاسفہ، یہود و نصاری، مانی کے پیروکاروں اور مسلمان صوفیاء کے افکار سے ان کا موازنہ بھی کیا۔

مطالعہ مذاہب کی روایت کا آغاز ہو جانے کے بعد ہمیں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے تراجم نظر آتے ہیں۔جس کا سلسلہ ہندوؤں کی ایک کتاب "امرت کنڈ" کو فارسی اور عربی میں منتقل کرنے سے ہوتا ہے۔[1] دور اکبری میں

[1] 1031ء میں ترجمہ ہوا۔عربی ترجمہ حوض الحیات اور فارسی ترجمہ بحر الحیات کے نام ہوا۔

"مہابھارت "کا فارسی ترجمہ ہوا اور اکبر نے اس کا نام "رزم نامہ "رکھا۔اسی طرح رامائن اور اتھروید کے تراجم ہوئے ۔اور توزک جہانگیری [1] میں ہندو مذہب کے حوالے سے چند تبصرے ملتے ہیں۔

دور جہانگیر کے بعد ایک نامور تاریخ سامنے آئی جس کا نام "گلشن ابراہیمی" ہے اور تاریخ فرشتہ [2] کے نام سے معروف ہے اور مصنف نے اس میں مہابھارت کا تجزیہ کیا ہے اور ہندو عقائد پر تفصیل سے لکھا ہے۔[3]

برصغیر میں مطالعہ یہودیت کا آغاز وارتقاء

برصغیر میں یہودیت پر پہلی بار ایک کتاب "دبستان مذاہب "میں چند صفحات ہمیں ملتے ہیں اور یہ کتاب فارسی میں تالیف ہوئی اور اس کے مصنف بارے اختلاف پایا جاتا ہے۔

برصغیر میں دوسری اہم کتاب علامہ عبد الکریم شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل "کا فارسی ترجمہ ہے جس کا نام تنقیح الادلة فی ترجمہ کتاب الملل والنحل کے نام سے خواجہ افضل الدین اصفہانی نے کیا۔اس کتاب میں ہمیں یہودیت پر مباحث ملتے ہیں۔اس کے بعد ہمیں یہودیت پر نمایاں کام ہمیں شاہ ولی کی کتاب الفوظ الکبیر میں ملتا ہے جس میں انہوں نے علوم پنجگانہ میں یہودیوں سے مخاصمہ سے عنوان قائم کرکے اس میں یہودیوں کے گمراہی کے اسباب بیان کیے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے بعد میں ہمیں یہودیت پر ایک بڑا کام سرسید کا نظر آتا ہے آپ نے "تبین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ اسلام "تفسیر لکھی۔جس میں سرسید احمد خان نے بائبل اور قرآن مجید کی اصولی وحدت کو ثابت کیا اور جہاں جہاں دونوں میں اختلافات نظر آئے ان میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

[1] اس کتاب کے مصنف مغل بادشاہ نورالدین جہانگیر (1627ء-1549ء)ہیں۔یہ کتاب فارسی زبان میں تالیف کی گئی۔اس میں مصنف نے اپنے خیالات وواقعات کو قلم بند کیا ہے۔

[2] اس تاریخ کے مصنف محمد قاسم فرشتہ ہیں۔یہ تاریخ قدیم ہندوستان سے لے کر1606ءتک لکھی گئی ہے۔یہ تاریخ بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے حکم پر لکھی گئی۔

[3] شوکت، جمیلہ، **ارمغان علاؤالدین صدیقی**(لاہور:شعبہ علوم اسلامیہ،جامعہ پنجاب،2012ء) :40-32

برصغیر میں مطالعہ مذاہب سے دلچسپی رکھنے والوں میں ایک نام حکیم محمد حسن امروہی[1] کا ہے۔ آپ تورات و انجیل اور ہندو مذہب کی کتابوں کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک تفسیر "ما لمعات الاسرار فی مکاشفات الابرار "کے نام سے لکھی جسے تفسیر حضرت شاہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے "تصدیق الھنود" اور "کشف الاسرار" نامی دو رسالے لکھے۔ جن میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت بارے تورات و انجیل اور ویدوں میں پیش گوئیاں موجود ہیں لکھی ہیں اور یہودیوں پر ایک کتاب "اقام حجت در شرح کتاب دانیال" تالیف کی۔

سید نواب علی جو کہ بڑودہ کالج[2] کے پروفیسر تھے۔ وہ عربی و فارسی کے علاوہ عبرانی زبان بھی جانتے تھے۔ ان کی تقابل ادیان پر دو کتابیں "معارج الدین" اور "صحف سماوی" اہم ہیں۔ معارج الدین قدیم و جدید فلسفے پر مشتمل ہے اور اس میں مصریوں، ہندوؤں، یونانیوں زرتشتیوں، یہودیوں مسیحیوں اور مسلمانوں کے افکار و عقائد کا تاریخی و تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ جبکہ صحف سماوی میں بقول مصنف

> "اس کتاب میں تورات و اناجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور حفاظت کا تاریخی موازنہ ہے اور تحریف لفظی و معنوی کو مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ آخر میں قرآن مجید پر زمانہ حال کے مستشرقین یورپ نے جو اعتراض کیے ہیں۔ ان کو دفع کیا ہے اور تورات کے قصہ یوسف اور قرآن مجید کے سورہ یوسف کا پورا موازنہ لکھ کر دکھایا ہے کہ کلام الٰہی اپنی اصلی حالت میں آیا مقدس بائبل میں محفوظ ہے یا قرآن مجید میں۔"[3]

بیسویں صدی کے مفسرین میں مولانا عبدالحق حقانی سے لے کر مولانا مودودیؒ تک سب مفسرین نے اپنی تفاسیر میں کتب سابقہ اور کتاب مقدس (عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید) کو پیش نظر رکھا۔ مولانا حمید الدین فراہی نے اصول تفسیر کے ضمن میں مآخذ تفسیر کے طور پر احادیث اور قوموں کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات کے ساتھ گذشتہ انبیاء کے صحائف کو بھی شامل کیا ہے۔ انھوں نے اسرائیلیت پر ان صحائف کو یوں ترجیح دی ہے۔

---

[1] حکیم حسن امروہی جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ جو فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کے شاگرد تھے۔ جبکہ ان کے ہم نام محمد احسن امروہی (م1926ء) مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتا تھا اور بعد میں قادیانی ہو گیا۔ بہت سے علماء کرام ان دونوں ناموں سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ (زیب، لانا محمد حسن امروہی: ایک تعارف: ایک تجزیہ (لاہور: کتاب محل، س:ن)

[2] 1903ء میں بڑودہ کالج قائم ہوا۔ مہاراجہ گائیکواڑ نے کالج میں مطالعہ تقابل ادیان کا شعبہ کھلوایا تھا اور رہنمائی کے لیے ایک انگریز وجری کو تعینات کیا گیا جو کہ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ نگار تھے۔

[3] علی، سید نواب، صحف سماوی، (لکھنؤ: منشی نول کشور، ط، اول، 1919ء):2-1

"اہل کتاب کی جو روایات ہمارے ہاں پھیلی ہوئی ہیں۔ان کے مقابل میں اہل کتاب کی تاریخ قابل ترجیح ہے ۔کیونکہ مفسرین نے بالعموم یہ روایتیں ایسے لوگوں سے نقل کی ہیں جو بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے۔پس بہتر یہ ہے کہ ان کے بے اصل افسانوں کی بجائے ان کی معتبر کتابوں کو ہم ماخذ بنائیں اور ان کی تائید کے طور پر پیش کریں اور جہاں کہیں وہ قرآن سے مختلف ہوں وہاں ان کو چھوڑ دیں کیونکہ یہ قطعی معلوم ہے کہ ان کتابوں میں حق کو چھپایا گیا ہے۔"[1]

مولانا حمید الدین فراہی نے اسی تفسیری اہمیت کے پیش نظر عبرانی زبان سیکھی اور امثال سلیمان کا فارسی ترجمہ "خرد نامہ" کے نام سے کیا۔ جبکہ ایک کتاب "الرای الصیح من ھو الذبیح" کے نام سے تالیف کی۔

مولانا امین احسن اصلاحی تقابل ادیان میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں انہوں نے قرآنی قصہ ذوالقرنین میں حضرت ذوالقرنین کو جنہوں نے یہودیوں کو آزادی دلوائی تھی دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ نبی تھے۔انہوں نے ایک کتاب "من ھو الذبیح "تالیف فرمائی جس کا اردو ترجمہ "ذبیح کون" کے عنوان سے انجمن خدام 1975ء میں شائع کیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب "تفسیر سورہ کہف میں یہودیوں پر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے۔ان کی دیگر کتب میں بھی تقابل ادیان کے مباحث ملتے ہیں۔

قرآن کریم اور کتب سابقہ (تورات و انجیل) میں انبیائے کرام اور ان کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں ۔حضرت یعقوبؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء مبعوث فرمائے۔ان انبیاء کرام کے واقعات و سوانح حیات پر برصغیر پاک وہند میں متعدد تصانیف سامنے آئیں اور ان کو لکھنے کے قرآن حکیم اور تورات و انجیل کو ماخذ بنایا گیا۔ان میں "قصص القرآن" مولانا حفظ الرحمن سیوہاری، انبیائے قرآن از ابو الکلام آزاد، تذکرہ انبیاء از امیر علی، تاریخ ارض القرآن از سید سلیمان ندوی اور حیات انبیاء از محمود احمد غضنفر قابل ذکر ہیں۔

---

[1] فراہی، حمید الدین، **تفسیر قرآن کے اصول**، مرتبہ ومترجم، خالد مسعود (لاہور: ادارہ تدبر القرآن، 1999ء):88

اسی طرح سیرت النبی ﷺ پر برصغیر میں بہت سی تصنیفات سامنے آئیں۔ان کتب میں یہودیت پر باقاعدہ ابواب قائم کیے گے اور خاص طور پر یہود عرب کو موضوع بحث بنایا گیا۔ان تصانیف میں سیرۃ النبی ﷺ از شبلی نعمانی، "رحمۃ للعالمین" قاضی سلیمان منصور پوری اہم ہیں۔

برصغیر میں مطالعہ یہودیت پر ذخیرہ کتب

مطالعہ ادیان آغاز اسلام ہی سے خاص موضوع رہا ہے۔متقدمین اور متاخرین میں بہت سی کتب اس موضوع پر لکھی گئیں۔جہاں پوری دنیائے اسلام میں اہل کتاب و دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر کتب لکھی گئیں۔وہاں مغرب اور برصغیر پاک و ہند میں بھی ایک خاص موضوع رہا۔برصغیر پاک و ہند میں ہندوؤں اور عیسائیوں پر بہت سی کتب تحریر گئیں۔یہودیت پر اس طرز سے کام نہ ہوا جس طرح عیسائیت وہندومت پر ہوا۔لیکن پھر بھی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ ہمیں یہودیت کے موضوع پر ملتا ہے۔

خاص طور پر بیسویں صدی کے شروع میں مطالعہ یہودیت پر بہت کچھ لکھا گیا جو تاحال جاری و ساری ہے۔اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو برصغیر پاک وہند میں یہودیت کے موضوع پر درج ذیل قسم کا کام ملتا ہے۔

- ❖ یہودت پر تعارفی وتقابلی کتب۔
- ❖ یہودیت پر کتب۔
- ❖ تحریک صیہونیت وفلسطین۔
- ❖ انگریزی وعربی تراجم۔

ان میں سے چند اہم کتب کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

❖ یہودت پر تعارفی وتقابلی کتب

یہودیت کے تعارفی وتقابلی ضمن میں جو کتب تحریر کی گئی ہیں۔ان کتب میں مصنفین نے دنیا کے بڑے مذاہب اور الہامی مذاہب کا تعارف اور اسلامی تعلیمات سے تقابل کیا ہے۔ان میں مطالعہ یہودیت کا تعارف ،عقائد اور ان کے بنیادی علمی مصادر نیز کچھ کتب میں جدید اسرائیل و تحریک صیہونیت بارے بھی قلم اٹھایا گیا

ہے۔ لیکن زیادہ تر کتب میں یہودیت کے عقائد، اور ان کا اسلام کے عقائد سے تقابل کیا گیا ہے اور اسلام کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے۔ چند کتب کا تعارف درج ذیل ہے۔

- **مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ**[1]

اس کتاب کے مصنف مولانا انیس احمد فلاحی ہیں اور کتاب مکتبہ قاسم العلوم نے طبع کی ہے۔ یہ کتاب 393 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب 7 ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں دنیا کے چھے بڑے مذاہب کے تاریخی پس منظر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کا اسلام کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے اور ان مذاہب کے بنیادی مصادر پر تفصیل سے روشنی ڈالی گی ہے۔

مطالعہ یہودیت کے ضمن میں یہودیت کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یہودیت کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالی گی ہے۔ مزید یہودیت کے بنیادی عقائد کا تعارف و تقابل کیا گیا ہے۔ نیز یہودیت کے مصادر توریت، تلمود، پروٹوکولز پر تبصرہ کرنے کے ساتھ یہودی فرقوں کا بیان بھی کیا گیا ہے اور ایک اہم نوٹ موسوی شریعت کے عائلی قوانین پر تحریر کیا گیا ہے۔

- **مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ**[2]

یہ کتاب پروفیسر غلام رسول چیمہ نے تصنیف کی ہے اور اس کے ناشر چوہدری غلام رسول اینڈ سنز اردو بازار لاہور ہیں۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور تقریبا نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے آٹھ ابواب ہیں۔ اس کتاب میں دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی تقسیم ہندی، چینی، ایرانی اور الہامی مذاہب میں کی گئی ہے۔ ہندی مذاہب میں ہندومت، جین مت اور بدھ مت کا بیان ہے۔ ایرانی مذاہب میں زرتشت اور مانوی مذہب جبکہ چینی مذاہب میں تاؤازم اور کنفیوشش ازم کو بیان کیا گیا ہے۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] فلاحی، انیس احمد، **مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ** (لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، س۔ن)

[2] چیمہ، غلام رسول، **مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ** (لاہور: چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، 2012ء)

یہودیت کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے ساتھ یہودیت کے مذہبی ادب پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ یہودی مجالس، معابد، یہودی فلسفہ، اور یہودی رسوم پر سیر حاصل گفتگو کی گی ہے۔ اور عصر حاضر میں یہودیوں کی اجتماعی حالت پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔

- **تقابل ادیان**[1]

تقابل ادیان کے مصنف پروفیسر محمد یوسف خان ہیں اور ناشر بیت العلوم لاہور ہے۔ اس کتاب کو مصنف نے تیرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ یہ کتاب تقابل ادیان کے موضوع پر نہایت جامع اور مختصر مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد موجودہ دور میں علماء و طلباء کو دیگر مذاہب کا تعارف ذہن نشین کروانا ہے۔ اس لیے مصنف نے بے جا تفصیل سے گریز اور نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔

مطالعہ یہودیت پر مصنف نے مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد یہودیت کے ماخذات پر تنقیدی نظر ڈالی ہے اور مختصرا یہودیت کے عقائد کا اسلام کی تعلیمات کے ساتھ تقابل بھی کیا ہے۔

❖ یہودیت پر کتب

مطالعہ یہودیت پر بطور خاص بات کریں تو اس پر دو قسم کا مواد پایا جاتا ہے۔ پہلی قسم کتب جس میں خاص یہودیت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ان کتب میں یہودیت کی تاریخ کو تفصیلا بیان کیا گیا ہے۔ ان کی حکومت و بادشاہت اور اسیری کے ادوار پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ان کے بنیادی مصادر بیان کرنے کے ساتھ ان پر تنقیدی نوٹ تحریر کیے گے ہیں اور عصر حاضر میں ان کی حالت کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ دوسری قسم کتب بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں یعنی یہود و نصاری پر مشتمل ہے۔ ان کتب میں دونوں گروہوں کی تاریخ کے ساتھ ان کی نافرمانی کے سبب، ان کی مغضوب اور گمراہ ہونے پر تبصرہ جات کیے گے ہیں۔ چند اہم کتب کا تعارف درج ذیل ہے۔

---

[1] محمد یوسف خان، **تقابل ادیان** (لاہور: بیت العلوم، س۔ن)

- **یہودیت قرآن کی روشنی میں**[1]

اس کتاب کے مصنف سید ابو الاعلی مودودی ہیں اور یہ کتاب ادارہ ترجمان القرآن لاہور نے شائع کی ہے۔اس کتاب کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا مودودی نے اس کتاب کو لکھنے کے لیے یہودیت کے قدیم ماخذ اور مصر کی قدیم تاریخ سے استفادہ کیا ہے۔کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں بنی اسرائیل کی تاریخ کو حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تفصیلا بیان کیا گیا ہے۔یہود کے بگاڑ اور اسکے نتائج پر روشنی ڈالنے کے ساتھ جنگ کے متعلق یہودیوں کے نظریات بیان کیے گے ہیں۔یہود کا اخلاقی تنزل اور انبیاء کرام کی مسلسل تنبیہات ،ان نفوس قدسیہ پر غلط بیانیوں اور تہمتوں کا ذکر ہے۔ایک باب ظہور اسلام اور یہود عرب پر قائم کیا گیا ہے۔ جبکہ موجودہ دور میں یہودی ریاست کا قیام اور اس کی مسلم دشمن کاروائیوں پر تفصیل دی گئی ہے۔

- **یہودیت و مسیحیت**[2]

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر احسان الحق راناہیں۔یہ کتاب مسلم اکادمی لاہور نے 1981ء میں طبع کی۔یہ کتاب سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں مصنف نے بائبل کی کتابوں اور ان کی تدوین کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔تاریخ بنی اسرائیل بیان کرنے کے ساتھ ،شاہان یہودا و شاہان بنی اسرائیل کے تخت نشینی اور تضادات بیان کرنے کے ساتھ ان کے نسب نامے بھی بیان کیے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی ان کے عقیدہ کے مطابق پیدائش و مصلوبیت بیان کرنے کے ساتھ عقیدہ تثلیث کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔نیز مصنف نے بائبل کے تضادات و تحریفات پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔کتاب شروع سے لے کر آخر تک بائبل اور مستند یہودی و مسیحی کتب کے اقتباسات سے پر ہے ۔کتاب تالیف سے زیادہ مجموعہ اقتباسات ہے۔

[1] مودودی، ابوالاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ط: چہارم، 2000ء)

[2] رانا، احسان الحق، **یہودیت و مسیحیت** (لاہور: مسلم اکادمی، 1981ء)

- **یہودیت**[1]

اس کتاب کے مصنف مولانا عبدالکریم پاریکھ ہیں۔اس کتاب کو اسلامک پبلیکیشنز لاہور نے طبع کیا ہے۔کتاب کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ پیش کیا گیا ہے۔تاریخ انسانی کو تقسیم نبوت کی بنیاد پر تقسیم کرنے کے ساتھ دور آدمؑ، دور نوحؑ اور دور ابراہیمؑ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔معراج النبی ﷺ اور مسجد اقصیٰ کی فضیلت بیان کرنے کے بعد حضرت یوسفؑ کے دور مبارک سے یہودیت کی تاریخ شروع کی گئی ہے۔بعد ازاں یہود کی نافرمانیاں اور علمائے یہود کی بے عملی بیان کرنے کے ساتھ یہودیوں کا عقیدہ آخرت کا بگاڑ، نزول قرآن کے وقت دعوت ایمان، قتل انبیاءؑ کے اقبالی مجرم، جنت کے جبری وارث، لعنت کا نشان بننے والے اور ان کی بدعہدی کو بیان کیا گیا ہے۔حضرت عیسیٰؑ کی مبعوثیت، یہود کی باغیانہ روش کا احاطہ کرنے کے ساتھ امت مسلمہ اور یہود پر نوٹ تحریر کیا گیا ہے۔نیز یہود کے عزائم بھی بیان کیے گے ہیں۔

❖ بیت المقدس و فلسطین

بیسویں صدی کے شروع میں تحریک صیہونیت کا آغاز ہوا۔جس کے تحت یہودیوں نے فلسطین میں آباد کاری شروع ہوئی۔فلسطینیوں کو مظالم اور ان کو جبراً سرزمین مقدس سے باہر نکالنا شروع کیا تو پوری دنیا میں خاص طور پر اسلامی دنیا میں یہودیوں، تحریک صیہونیت، فضائل بیت المقدس اور فلسطین پر کتب کا سلسلہ شروع ہوا۔اس ضمن میں برصغیر پاک و ہند میں بھی کتب لکھی گئی۔جس میں فضائل بیت المقدس و سرزمین شام، تحریک صیہونیت، فلسطینیوں پر مظالم کی داستان، قیام اسرائیل، عرب اسرائیل تنازعے اور مستقبل میں یہودیوں کے عزائم بارے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔بعض کتب کا تعارف درج ذیل ہے۔

[1] پاریکھ، عبدالکریم، **یہودیت** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، 1987ء)

- **بیت المقدس اور فلسطین**[1]

اس کتاب کے مصنف عنات اللہ وانی ندوی ہیں اور کتاب جی ایل پبلیشرز نئی دہلی نے طبع کی ہے۔ مصنف نے کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ فلسطین کا جغرافیہ بیان کرنے کے ساتھ فلسطین، القدس اور مسجد اقصی کی اسلامی حیثیت کا بیان ہے اور یہود و نصاری کے نزدیک القدس کا مقام کیا ہے اور اس بارے میں یہود کے دعوؤں کی حقیقت کو کھول کر بیان کیا ہے اور ان کو دلائل سے رد کیا ہے۔

فلسطین کی قبل اسلام حالت، عہد اسلامی اور فلسطین، صلیبی جنگوں، اور عہد عثمانی میں فلسطین کی حیثیت کو بیان کرنے کے ساتھ برطانوی انتداب کا دور بھی شامل بحث ہے۔ نیز 1948ء کی جنگ کے بعد فلسطین کی حالت زار، انتفاضہ اور اس مسئلے کے حل کے لیے مختلف منصوبے بیان کیے گے ہیں۔ نیز بیت المقدس کی موجودہ صورتحال اور مسئلہ فلسطین کے مستقبل کی پیشن گوئیوں کے تناظر میں بھی دیکھا گیا ہے۔

- **تاریخ بیت المقدس**[2]

تاریخ بیت المقدس کے مصنف ممتاز لیاقت ہیں۔ اور اسے سنگ میل پبلیکیشنز نے طبع کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو بارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ بیت المقدس کا محل وقوع، اس کے دروازے، مسجد اقصی اور اس کے متعلق یہودی و اسلامی روایات کا بیان کیا گیا ہے۔۔ قبتہ الصخرہ اور حرم شریف میں دوسری زیارتوں کے بارے بیان کرنے کے ساتھ آثار سلیمانؑ اور آثار نصاری بیان کیے گے ہیں۔ تحریک صیہونیت کے منصوبے بیان کرنے کے ساتھ نقشہ وجات و تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب فلسطین پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

[1] وانی، عنایت اللہ، **بیت المقدس اور فلسطین** (نئی دہلی: جی ایل انٹر نیشنل پبلشرز، 2016ء)

[2] ممتاز لیاقت، **تاریخ بیت المقدس** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1972ء)

- **بیت المقدس اور فلسطین وشام**[1]

کتاب کے مصنف حافظ محمد اسحٰق زاہد ہیں اور مکتبہ دارالسلام نے اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سرزمین شام اور فلسطین کی فضیلت بیان کی گی ہے۔ مسجد اقصی اور مختلف ادوار میں اس کی تعمیر پر گفتگو کرنے کے ساتھ فتح بیت المقدس کے ادوار بیان کیے گے ہیں۔یہود کے برے اوصاف اور ان پر اللہ کے عذاب کا تفصیلی بیان ہوا ہے۔ بیت المقدس اور یہود کے ضمن میں یہود کے اقتدار مصر سے قیام اسرائیل تک بحث کی گی ہے۔یہ کتاب یہود کے تاریخی پس منظر اور صیہونیت کے مظالم و مکروہ عزائم کی تفصیلات پر ایک چشم کشا تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔

❖ انگریزی وعربی تراجم

جدید دور میں مطالعہ پر اردو زبان میں انگریزی وعربی تراجم کی ایک قابل ذکر تعداد موجود ہے۔چند کتب کا تعارف درج ذیل ہے

- **یہود و نصاریٰ (تاریخ کے آئینے میں)**[2]

یہ کتاب علامہ ابن قیم کی تالیف ہے اور اس کتاب کے مترجم زبیر احمد سلفی ہیں۔یہ کتاب نعمانی کتب خانہ لاہور نے شائع کی ہے۔یہ کتاب مختلف فصول پر مشتمل ہے اور ان فصول میں یہود و نصاریٰ کے عقائد، حضور ﷺ کی آمد کی پیشن گوئیوں اور ان کی تحریفات کے ساتھ یہود کی انبیاء پر بہتان طرازی، حضرت مسیح کا انکار اور مخالفت اور یہود کی گمراہی کا بیان ہے۔ نیز یہود کی قابل ندامت غلطیوں، ان کے بدترین حیلے، حضرت مریم پر بہتان طرازی اور مغضوب وملعون امت کی برائیوں کا بیان ہے۔

---

[1] زاہد، محمد اسحق، **بیت المقدس اور فلسطین وشام** (لاہور: دارالسلام، 2002ء)

[2] ابن القیم، **یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینے میں**، مترجم، زبیر احمد سلفی (لاہور: نعمانی کتب خانہ، س۔ن)

- **یہودیت، عیسائیت اور اسلام**[1]

یہ کتاب بین الاقوامی سکالر شیخ احمد دیدات کی تصنیف ہے اور اس کے مترجم مصباح اکرم ہیں۔ اس کتاب میں تین مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام پر بحث کی گئی ہے۔ شروع میں تقابل ادیان کے مبادیات پر مفصل روشنی ڈالی گی ہے اور پھر بالترتیب پہلے حصے میں دین یہود، دوسرے میں عیسائیت اور تیسرے حصے میں دین اسلام کا مفصل تذکرہ ہے۔ چوتھے حصے میں ادیان ثلاثہ کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔

مطالعہ یہودیت کے حصے میں مذہب یہودیت کا ابتدائی تعارف بیان کرنے کے ساتھ ان کی تاریخ ان کے مشرکانہ عقائد پر گفتگو کی گئی ہے۔ تحریک صیہونیت بیان کرنے کے ساتھ، اسرائیل کا قیام، فلسطین پر قبضہ اور مستقبل میں ان کے عزائم بارے قلم اٹھایا گیا اور ساتھ یہود کے مذہبی لٹریچر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز امریکہ، نیو ورلڈ آرڈر اور اسرائیل کے ثلاثہ کا بیان بھی ہے۔

- **یہودیت (تاریخ، عقائد اور فلسفہ)**[2]

اس کتاب کے مصنف رابرٹ وین ڈی ویئر ہیں اور اس کا ترجمہ اشفاق ملک نے کیا ہے۔ بک ہوم لاہور نے طبع کیا ہے۔ اس کتاب میں یہودیت کے تعارف کے ضمن میں حضرت ابراہیمؑ بحث کو شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تفصیل سے حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے ادوار، موسیٰؑ کی مبعوثیت، اسرائیلیوں پر عذاب اور ان کے شرک کرنے کا بیان ہے۔ مزید بنی اسرائیل کے فلسطین میں داخلہ سے لے کر بخت نصر تک ترتیب زمانی کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے۔ نیز یہودیت کے عقائد، فلسفے عہد نامہ قدیم کی روشنی میں تفصیلا بیان کیے گے ہیں۔

---

[1] دیدات، شیخ احمد، **یہودیت عیسائیت اور اسلام**، مترجم، مصباح اکرم (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، 2010ء)

[2] رابرٹ وین ڈی ویئر، **یہودیت (تاریخ، عقائد، فلسفہ)**، مترجم، ملک اشفاق (لاہور: بک ہوم، 2009ء)

فصل چہارم:

برصغیر میں یہودیت کے نقوش ومراکز اور ان کے تہذیبی اثرات

587 ق م میں بخت نصر نے حملہ بیت المقدس کے وقت لاکھوں کی تعداد میں یہودیوں کو قتل کیا اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔ بیت المقدس حملے کے دوران کچھ یہودی گروہ جان بچا کر وہاں سے فرار ہو گئے اور دنیا کے مختلف حصوں کی طرف چلے گے۔ یہودیوں کی دوسری بڑی ہجرت 70ء میں ہوئی۔ جب ٹائٹس رومی نے یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلاوطن کر دیا۔ یہ یہودی گروہ دنیا کے تمام حصوں میں پھیل گئے۔ یہ جرمنی، روس، فرانس اور یورپ کے دیگر ممالک چلے گے۔ اسی طرح یہ ایران، مشرق وسطی اور جزیرہ نمائے عرب میں بھی قیام پذیر ہو گئے۔ زیادہ تر گروہوں نے وہاں کے رہنے والوں کے رسم ورواج اور تمدن کو اختیار کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی اپنی شناخت بھی برقرار رکھی۔

برصغیر پاک وہند میں بھی 70ء کے بعد یہودیوں کے چند گروہ آباد ہوئے۔ جہاں جہاں یہ گروہ بسے وہاں تجارت وصنعت میں نمایاں رہے۔ برصغیر میں کیرالا، مدراس، اترپردیش اور کراچی میں ان کے آثار ملتے ہیں۔ یہاں کے یہودیوں کو تجارت میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ان کی بڑی تعداد قیام اسرائیل کے بعد اسرائیل ہجرت کر گئی۔

کوچین(Cochain)یہودی

کوچین کو کوچی (Kochi) بھی کہتے ہیں۔ یہ بحیرہ عرب کے کنارے بھارت کی جنوب مغربی ریاست کیرالا کا ایک گنجان آباد ساحلی شہر ہے۔ یہ ساحلی بندرگاہ عرب، چین اور یورپی تاجر صدیوں سے استعمال کر رہے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ کوچین میں سب سے پہلے جو یہودی گروہ 562 قبل مسیح میں آیا اور کچھ یہودیوں کے گروہ 70ء میں ہیکل سلیمانی کی تباہی کے بعد ہجرت کر کے آئے۔[1]

[1] Schreiber, Mordecai *E*, ***The Jewish Encyclopedia***, Rockville, MD: Schreiber Publishing 2003:125

کوچین کے یہودی بزرگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے دور میں یہاں آئے۔جب کوچین کی لکڑی، مصالحے اور ہاتھی دانت تجارت کے لیے مشہور تھے۔لیکن اس کی وجہ نہیں بتائی گی کہ وہ یہاں کیوں آئے۔[1]

اگر پہلے خیال کو درست سمجھا جائے تو کوچین میں یہودی تجارت کی غرض سے آئے اور 70ء کے بعد جو یہودی اس سرزمین پر آئے وہ رومیوں سے جان بچا کر آئے۔

کوچین میں یہودیوں کا ایک گروہ 1492ء میں سپین[2] سے جلاوطن ہو کر آیا انھیں پردیسی یہودی (Paradesi jews) کہتے ہیں۔[3]

کوچین کے یہودی تجارت کرتے تھے اور حکمرانوں سے ان کے تعلقات اچھے تھے اور وہ ان سے مراعات حاصل کرتے رہتے تھے۔ملیبان (Maliban) ریاست کے چوتھے حکمران بھسکرا روی ورما (Bhaskara Ravi Verma) سے ایک یہودی تاجر جوزف ربی نے ایسی مراعات حاصل کی اور ان کو تانبے کی تختیوں پر لکھا گیا۔جس کے مطابق انجیوانم (Anjuvannam) گاؤں کا تعلق یہودیوں سے ہے اور وہ اس کے حق پرست مالک ہیں اور یہ حق جب تک دنیا اور چاند موجود ہیں ان کی اولاد تک پہنچنا چاہیے۔[4]

یہ تختیاں کوچین کی مرکزی عبادت گاہ میں موجود ہیں اور یہ واحد ثبوت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہودی یہاں رہتے تھے۔یہاں ان کی مارکیٹیں بھی تھیں۔یہاں کے زیادہ تر یہودی برصغیر میں پرتگالیوں کے آنے کے بعد ہجرت کر گئے۔

---

[1] Mayer, Raphael, ***Jews of India-The Cochin Jews***, The South Asian.com http://www.the-south-asian.com/March2001/Jews_%20of_India_Cochin_Jews1.htm

[2] 1492ء میں سپین کے فرڈیننڈ اور ازابیلا کے حکم دیا کہ تمام اسپینی عیسائی مذہب اختیار کر لیں ورنہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا اور ان کا قیمتی سازوزمان ضبط کر لیا جائے گا۔

[3] Pinsker, Alyssa, ***The last six Paradesi Jews of Cochain***, BBC com.Oct.22,2015. https://www.bbc.com/travel/article/20150914-the-last-six-jews-of-cochin

[4] Mayer, Raphael, ***Jews of India-The Cochain Jews.***

عبادت گاہیں

کیرالا میں یہودیوں کے 8 عبادت گاہیں (سیناگاگ) تھے۔جن میں اب صرف پردیسی سیناگاگ جو کہ میٹانچری کوچی میں موجود ہے جو کہ سیاحوں کے لیے کھولا گیا ہے۔جبکہ تین سیناگاگ نان آپریشنل ہیں اور چار سیناگاگ کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتی۔ایک سیناگاگ کے ساتھ یہودیوں کا ایک قبرستان بھی موجود ہے۔یہ درج ذیل ہیں۔

1۔ Paradesi Synagogue یہ سیناگاگ 1568ء میں تعمیر کیا گیا۔

2۔Mala Synagogue

3۔Chendamangalam Synagogue

4۔Paravur Synagogue

5-Kadavumbhagam Ernakulam Synagogue

6-Thekkumbhagam Ernakulam Synagogue

7-Kadavumbhagam Mettancherry Synagogue

8-Thekkumbhagam Mettancherry Synagogue[1]

مدراس کے یہودی

مدراس جنوبی ریاست تامل ناڈو کا دارالحکومت ہے اور 1996ء تک اس کا یہ نام برقرار رہا اب اسے چنائی کہا جاتا ہے۔یہ خلیج بنگال کے قریب جنوبی ہند کے سب سے بڑے ثقافتی، معاشی اور تعلیمی مراکز میں سے ایک ہے اور بھارت کا آبادی کے لحاظ سے چھٹا بڑا شہر اور پانچویں بڑی معیشت ہے۔یہ شہر سیاحوں کا ایک بڑا مرکز ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔
http/www.holidify.com/synagogue in india

سترہویں صدی عیسوی میں یہودیوں کے کچھ گروہ جن کا تعلق اسپین، برطانیہ اور پرتگال سے تھا جو کہ پردیسی یہودی تھے مدراس میں وارد ہوئے۔ یہ لوگ تاجر تھے۔ جیکس (Jacques de Paiva) جو کہ ایمسٹرڈیم کی سیفارک یہودی برادری سے تعلق رکھتا تھا اور مدراس میں یہودیوں کا رہنماء بھی تھا۔ اس نے یہاں اچھے تعلقات بنائے اور گولکنڈہ میں ہیرے کی کانیں خریدیں اور ان کی کوششوں کے ذریعے یہودیوں کو فورٹ سینٹ جارج کے اندر رہنے کی اجازت دی گی۔[1] جیکس کے گولکنڈہ حکمرانوں کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے۔ اس نے مدراس میں یہودیوں تاجروں کی ایک کالونی بنائی ۔ اور یہودیوں کا ایک کاروباری مرکز بنایا جس کا نام کورل مرچنٹ سٹریٹ (Coral Marchant Street) رکھا گیا۔ 1688ء میں مدراس کارپوریشن کے عمادین میں تین یہودی بھی شامل تھے۔[2]

عبادت گاہیں اور قبرستان

جیکس نے 1644ء میں مدراس میں سیناگاگ بنوایا جسے Esnoga یا Snoge کہا جاتا ہے۔ اب اس کی نسبت آرتھوڈوکس یہودیوں کی طرف کی جاتی ہے۔ مدراس میں ایک یہودی قبرستان ہے جو لارڈز لویڈز (Lords Lloyd's) روڑ چنائی پر واقع ہے۔ اس میں 30 کے قریب یہودی قبریں ہیں جن میں کچھ قبریں تین سو سال پرانی ہیں ۔ جبکہ ایک قبرستان کورل مرچٹ سٹریٹ جارج ٹاؤن میں ہے۔

بنی اسرائیل یہودی

بنی اسرائیل یہودیوں کے گروہ ممبئی، کلکتہ، پونے، احمد آباد اور علی بیگ (Alibag) میں پائے جاتے تھے ۔ یہ وہاں کیسے پہنچے اس کے بارے متضاد روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل کی وہاں موجودگی کا پتہ

---

[1] Muthiah,s ,***The Portuguee Jews of Madras***,The Hindu,Sep.3,2007.
https://www.thehindu.com/todays-paper/tp-features/tp-metroplus/the-portuguese-jews-of-madras/article2252700.ece/ Accessed Date: 15-4-22

[2] Parthasarathy,N.S ,***The Last Family of Paradesi Jews in Madras***,Madras Mushags,Ap30, 2018,
http://www.madrasmusings.com/vol-27-no-20/the-last-family-of-pardesi-jews-in-madras/

ایک ڈچ تاجر کے ذریعے معلوم ہوا کہ جب اس کے دوست Yachezkel Rahabi نے اس کو خط لکھا کہ وہ ممبئ سے جنوب میں 20 میل دور علی بیگ نامی گاؤں میں بڑے پیمانے پر موجود ہیں۔اور ان کا تعلق ان مہاجرین میں سے ہے جو سیاسی ہنگامہ آرائی اور جہاز کی تباہی سے بچتے بچاتے یہاں ساحل پر آئے تھے اور کوچین کے یہودیوں سے انہوں نے یہودی مذہب کے بنیادی اصول سیکھے۔ان کی یہودیت متنازعہ ہے اور ابتدائی طور پر اسے یہودی کابینہ نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔1964[1]ء کے بعد انہوں نے اسرائیل میں یہودی خاندانوں میں شادیاں کر لیں۔اب وہ ہر لحاظ سے اسرائیلی اور یہودی سمجھے جاتے ہیں۔[2]

ان کو دو ذیلی ذاتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ایسے بنی اسرائیل یہودی جن کا رنگ سانولا گندمی سا ہے ان کو "کارا" اور سفید رنگ والے بنی اسرائیل یہودیوں کو "گورا" کہا جاتا ہے۔یہ آپس میں شادیاں نہیں کرتے۔ان میں تقسیم ہند کے بعد کراچی کے بنی اسرائیل یہودی بھی شامل ہو گئے۔ممبئ میں 1950ء سے 1960ء کی دہائی تک بنی اسرائیل ایک ترقی پذیر جماعت تھی۔اس برادری کے بہت سے خاندان قیام اسرائیل کے بعد اسرائیل چلے گے۔جہاں انہیں "ہودیم" (ہندوستانی) کہا جاتا ہے۔اب یہ لوگ اسرائیل میں نمایاں مقام پر فائز ہیں۔

عبادت گاہیں

ممبئ میں 10 سیناگاگ ہیں۔جن میں سے 8 مہاشٹرا میں ہیں۔جبکہ ایک ممبئ اور ایک پونے میں ہے۔

1۔اوہل ڈیوڈ سیناگاگ۔(Ohel David Synagogue)

یہ اسرائیل کے سے باہر ایشیاء کا سب سے بڑا سیناگاگ ہے اور اسے Lall Devel اور Lall Deul بھی کہا جاتا ہے۔یہ 1867ء میں تعمیر ہوا اور ڈاکٹر بابا صاحب امبید کر روڑ پونے مہاشٹرا میں واقع ہے۔ڈیوڈ ساسون(David Sassoon)اس کے بانی ہیں۔

2۔Knesset Eliyahoo Synagogue

---

[1] Nathan,Katz,***Who are the Jews of India?***,California University Press 2000:91
[2] Hodes, Joseph, ***From India to Israel; Identit, immigration and the struggle for Religious Equality***, McGill-Queen’s Press,2014:98

Sharr Harahamim Synagogue-3

Share Rason Synagogue-4

Megan David Synagogue-5

Meagan Hasidim Synagogue-6

Tephereth Israel Synagogue-7

Sharr Hashamiam Synagogue -8

Beth El Synagogue-9

Megan Aboth Synagogue[1]-10

قبرستان

۱۔بنی اسرائیل قبرستان تھانے(Thane)مہاشٹرامیں ہے۔

۲۔بندرابنی اسرائیل یہودی قبرستان کادیشوری روڑپر ہے۔جبکہ دواور یہودی قبرستان این ایم جوشی برگ اورڈاکٹرای موسس روڈپرواقع ہے۔

بغدادی یہودی

یہودیوں کے ایسے گروہ جن کا تعلق مشرق وسطی یا بغداد سے تھاان کو بغدادی یاانڈوعراقی یہودی کہتے ہیں ۔یہ تاجر یہودی تھے۔لہذاانہوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں جوزف سیمہ (Joseph Seemah)نامی یہودی

1تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔
http/www.holidify.com/synagogue in india

1730ء میں ساحلی شہر سورت پہنچا۔انہوں نے بغدادی مرچنٹ کالونی بنائی اور ایک عبادت گاہ اور ایک قبرستان بھی تعمیر کروایا۔[1]

یہاں سے ایک گروہ کلکتہ میں قیام پذیر ہوا اور اسی طرح بغدادی یہودیوں کے گروہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیل گئے۔بغدادی یہودیوں نے ممبئی میں ساسون ڈاکس(Sassoon Docks)اور ڈیوڈ ساسون لائبریری(David Sassoon Library) قائم کی اور جو آج بھی موجود ہے۔

بغدادی یہودی ملکہ حسن(Miss World)

بھارت میں دو لڑکیوں نے بھارتی مقابلہ حسن میں کامیابی حاصل کی تھی۔جن میں ایک کا نام ایسترابراہام (Esther Abraham)اور دوسری کا نام فلوئیر ایزاخیل (Fluer Ezekiel)تھا۔پہلی والی خاتون 1947ء میں اور دوسری والی خاتون نے 1959ء میں بھارت کی ملکہ حسن بنی تھیں۔[2]

بغدادی یہودیوں کے بہت سے گروہ اسرائیل، برطانیہ اور آسٹریلیا چلے گے اور 1970ء تک تمام بغدادی یہودی ہجرت کر گئے۔برطانیہ میں ساسونز(Sasoons)اور ربنز(Reubens)بغدادی یہودیوں نے تجارت اور سیاست میں نمایاں مقام حاصل کیا۔[3]

بنی میناشے(Bnei Manashe)

بنی میناشے یہودی ہندوستانی شمال مشرقی ریاستوں منی پور اور میزروم میں موجود ہیں۔ان کی تعداد 1000 بتائی جاتی ہے۔بنی میناشے یہودیت پر عمل پیرا ہیں اور اپنے آپ کو بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل (Lost Tribes of

[1] Ehrlich, M.Avrum, ***Encyclopedia of the Jewish Diaspora: Origins, Experience and Culture,***v:1,ABC-CLIO,2009.p:1216

[2] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**(لاہور: شرکتہ الامتیاز، س:ن):232

[3] Aruna,D,Sooza,***The Rise and Fall of Calcutta Jews***,Forward.com,Oct. 25,2014. https://forward.com/news/207414/the-rise-and-fall-of-calcutta-jews/ Access Date: 15-3-2021

(Israel)میں سے بتاتے ہیں اور اب یہ جدید یہودیت اپنائے ہوئے ہیں۔[1] برصغیر میں عیسائی مشنریوں کی تبلیغ سے ان سے بہت سے یہودی عیسائی بن گئے۔ لیکن 1970ء کے بعد دوبارہ یہودیت کی طرف مائل ہوگے۔[2]

ان کی یہودیت متنازعہ ہے 2004ء-2003ء میں ان کے کی سو افراد کا DNA ٹیسٹ کیے گے اور مشرق وسطی کے نسب کا کوئی حتمی ثبوت فراہم نہیں ہوا۔ان میں سے 3000 کے قریب اسرائیل ہجرت کر گئے اور 700 کے قریب بھارت میں ہی رہائش پذیر ہیں۔

بنی افرائیم(Bene Eprahaim)

1991ء میں ضلع گنٹر آندھرا پردیش میں دو یہودی بھائیوں نے سینا گاگ تعمیر کرنے کے ساتھ دعوی کیا کہ گاؤں کے لوگ یہودی ہیں اور ان کا تعلق بنی اسرائیل کے گمشدہ قبال بنی افرائیم سے ہے۔انہوں نے جدید یہودیت کی پیروی 1981ء سے شروع کی۔ان کو تیلگو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔یہ یہودی مذہب کے تہوار بنی ینا شے کی طرح مناتے ہیں۔[3]

ان میں کچھ لوگ یہودیت کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ لوگ آرتھوڈوکس یہودیوں کی رسم ورواج کی پیروی کرتے ہیں۔ سبت کا تہوار بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ لیکن جو لوگ مزدور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لیے مشکل ہوتی ہے۔بچے کی پیدائش پر ان کا عبرانی یا تیلگو نام رکھتے ہیں۔[4]

---

[1] Weil,Shalva,***Lost Israelites from North-East India***,The Anthropolyish,2004:219-233.

[2] Pereltsvaig,Asya,***Controversies surrounding Bnei Manashe***,www.Language of the World.com,Jun 9,2010. https://www.languagesoftheworld.info/geolinguistics/controversies-surrounding-bnei-menashe.html

[3] Egorova,Yuliya/Perwez,Shahid,***The Bene Ephraim of Andhraradesh, India***,Kulanu.org,June18,2016.https://web.archive.org/web/20160618183455/http://kulanu.org/india/thebeneephraim.php

[4] Egorova,Yuliya/Perwez,Shahid,***Talugu Jews are the Dalits of Coastal Andhra going to cast-awry?***,The South Asianist,p:7-16,v:1,

موجودہ صوتحال

ہندوستان کی 1921ء کی مردم شماری کے میں یہودی کل تعداد 22000 تھی اور 1940ء تک ان کی تعداد 3000 کے قریب تھی۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستانی یہودیوں کی اکثریت اسرائیل منتقل ہوگئی۔ اب ہندوستان میں 3500 کے قریب یہودی موجود ہیں۔

پاکستان میں یہودیت کے نقوش و مراکز اور انکے تہذیبی اثرات

پاکستان میں یہودیوں کی آمد

قیام پاکستان سے پہلے یہودیوں کی ایک جماعت 1839ء میں ایران سے فرار[1] ہو کر راولپنڈی میں آباد ہوئی۔[2] قیام پاکستان سے قبل یہودیوں کے خاندان پاکستان کے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں آبسے تھے۔ کراچی کے یہودی خاندان زیادہ تر گوا کے علاقے، کوچین، ایران، افغانستان، اور عراق سے ہوتے ہوئے آئے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر تعلیم یافتہ، ہنر مند اور مستحکم معاشی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا زیادہ تر کاروبار، سرکاری عہدوں اور تعلیم کے شعبے سے منسلک رہے۔[3]

پاکستان میں یہودیوں کی تعداد

پاکستان میں یہودیوں کی تعداد بارے ہمیں کوئی ٹھوس اور واضح ثبوت نہیں ملتے۔ یہ تو پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں یہودیوں کا وجود پاکستان کے مختلف شہروں میں پایا جاتا تھا۔ لیکن ان کی تعداد بارے درست معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ پاکستان کے صوبہ سندھ میں یہودیوں کی تعداد بارے چند حوالے ملتے ہیں۔ شیما صدیقی بیان کرتی ہیں۔

انگریز سرکار نے سندھ میں پہلی مردم شماری 1881ء میں کروائی۔ اس مردم شماری کے مطابق سندھ میں 153 یہودی آباد تھے۔[4]

اختر بلوچ اپنے مضمون "یہودی مسجد" میں لکھتے ہیں۔

---

[1] 1839ء میں ایران کے شہر مشہد میں بم دھماکہ ہوا اور شک ہوا کہ اس کے پیچھے یہودی ہیں۔ لہذا یہودی وہاں سے افغانستان اور پاکستان ہجرت کر گئے۔

[2] Tahir,saif,***The Lost of Jewish History of Rawalpindi***,Express Tribune,Feb.23,2016
https://tribune.com.pk/article/32513/the-lost-jewish-history-of-rawalpindi

[3] صدیقی، شیما، **کراچی میں شناخت چھپائے ہوئے کتنے یہودی آباد ہیں**؟، انڈیپنڈینٹ اردو ڈاٹ کام، 8 اگست 2019
https://www.independenturdu.com/node/13166/

[4] ایضا

1901ء کی مردم شماری کے مطابق 482 یہودی سندھ میں مقیم تھے۔ جن میں سے زیادہ تر لوگ کراچی میں رہتے تھے۔[1]

1911ء کی مردم شماری میں ان کی آبادی کراچی کا 0.3٪ تھی اور قیام پاکستان کے تک 2500 یہودی ہو گے تھے۔[2]

راولپنڈی میں یہودی بابو محلہ جو کہ ریلوے اسٹیشن کے پاس ہی میں رہتے تھے۔ ان کی تعداد بارے معلوم نہیں ہو سکا۔ پشاور میں بھی یہودیوں رہائش پذیر تھے ان کے بارے میں بھی معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں ۔راولپنڈی کے یہودیوں بارے سیف طاہر لکھتے ہیں۔

"According to 1901 census and Rawalpindi Gazette ,Mashhadi Jews were a thriving tribe of Rawalpindi.However after partition ,many families migrated to Bombay and the rest left gradually in the last 60s.At present ,the word Jews is only limited to an old British administrative gazette in TMA building opposite Gorden College which is not open to the general public and academics".[3]

ترجمہ:

"1901ء کی مردم شماری اور راولپنڈی گزیٹر کے مطابق مشہدی یہودی ایک فروغ پذیر قبیلہ تھے۔ تاہم تقسیم کے بعد بہت سے خاندان ممبئی منتقل ہو گئے اور باقی 60 کی دہائی کے آخر میں آہستہ آہستہ چلے گے۔ اس وقت گورڈن کالج کے سامنے ٹی ایم اے کی عمارت میں یہودیوں کا لفظ صرف برطانوی انتظامی گزٹ تک ہی محدود ہے۔ جو عام لوگوں اور ماہرین تعلیم کے لیے کھلا نہیں ہے۔"

---

[1]Bloch,Akhtar,***Karachi's Yahoodi Masjid***,Dawn Newspaper,Dec.26,2016. https://www.dawn.com/news/1046956

[2] Peerzada,Salman,***Role of Jews in Karachi's uplift highlighted***,Dawn News,Nov.3 ,2013. https://www.dawn.com/news/1053650

[3]Tahir,saif، ***The Lost of Jewish History of Rawalpindi***.

پاکستان میں یہودی عمارتیں اور عبادت گاہیں

1۔ میگن شالوم سیناگاگ

اس کو عرف عام میں یہودی مسجد کہتے ہیں۔اس کا کل رقبہ 1109 مربع فٹ ہے۔یہ موجودہ جمیلہ سٹریٹ نشتر روڈ پر واقع ہے۔اس کو سولومون ڈیوڈ امر دیکر نے 1893ء میں تعمیر کروایا۔یہ عمارت زرد پتھر سے تعمیر کی گئی اور 1912ء میں اس کی توسیع کی گئی۔[1]

2۔یہودی عمارت نشتر اسٹریٹ راولپنڈی

یہ عمارت انیسویں صدی میں عراق اور ایران کے یہودیوں نے تعمیر کروائی تھی۔یہ عمارت راولپنڈی کے بابو محلہ میں بوہرا مسجد کے قریب واقع ہے۔اس کے دائیں طرف وکٹورین چرچ ہے اور پچھلی گلی میں ایک مندر ہے جو کہ بند ہے۔[2]

پاکستان کے یہودی قبرستان

میوہ شاہ قبرستان

یہ کراچی کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔اس میں مختلف برادریوں نے اپنے لیے وسیع احاطے مختص کیے ہوئے ہیں۔انجمن سوداگران پنجابی دہلی، سلیمانی بوہروں، داؤدی بوہروں، اسماعیلیوں اثنا عشریوں، کوکنیوں، جونا گڑیوں اور جنوبی ہندوالوں کے اپنے اپنے احاطے ہیں۔[3]

---

[1] شیما صدیقی، کراچی میں اپنی شناخت چھپائے ہوئے کتنے یہودی آباد ہیں؟

[2] Bloch,Akhtar,***Karachi's Yahoodi Masjid***

[3] اسلم، محمد، **خفتگان کراچی** (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، 1991ء):79

جاوید چودھری لکھتے ہیں۔

میوہ شاہ قبرستان کراچی کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ یہ قبرستان لیاری ندی کے دوسرے کنارے پر واقع ہے اور یہ انیسویں صدی میں بنایا گیا۔ میوہ شاہ قبرستان کے عین درمیان میں ایک احاطہ ہے۔ احاطے پر سبز رنگ کا گیٹ لگا ہے۔ گیٹ کے ستون پر درمیانے سائز کا "سٹار آف ڈیوڈ" کھدا ہوا ہے۔[1]

میمن کچھی قبرستان

اس قبرستان کے اندر ایک یہودی کونہ ہے۔ اس کونے میں یہودیوں کی درجن بھر متروک قبریں ہیں اور یہ اپنا وجود کھو چکی ہیں۔ چند ایک قبروں کے نشان اور کتبے باقی ہیں۔[2]

بنی اسرائیل قبرستان

محمد عثمان دموہی اپنی کتاب "کراچی تاریخ کے آئینے میں "صفحہ 652 پر لکھتے ہیں کہ کراچی میں یہودیوں کا صرف ایک قبرستان تھا جو کہ پرانا حاجی کیمپ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ یہ بنی اسرائیل قبرستان کہلاتا تھا۔[3]

قصہ ایک پاکستانی یہودی کا

فیشل بن خلد جس کا پہلے نام فیصل خالد تھا ۔اس نے 2013ء میں نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) میں درخواست جمع کروائی کہ وہ ایک یہودی ہیں اور مذہب کے خانے میں میرا مذہب اسلام کی بجائے یہودیت لکھا جائے۔ فیصل کے بقول ان کے والد محمد خالد پرویز مسلمان تھے اور والدہ نسیم اختر یہودی تھیں۔ فیشل بن

[1] چودھری، جاوید، **کراچی کا یہودی قبرستان**، ایکسپریس، لاہور: 14 جنوری، 2016ء
https://www.express.pk/story/431742/

[2] ایضا

[3] Bloch,Akhtar,***Karachi's Yahoodi Masjid***

خلد 1987ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ اس کی والدہ کا انتقال 1996ء میں ہوا جبکہ والد نے 1998ء میں وفات پائی۔ ان کا خاندان برصغیر میں ایران سے ہجرت کر کے کراچی میں آیا تھا۔[1]

2012ء میں فیشل جدہ سعودی عرب گیا تھا جہاں ان کے بڑے بھائی اقبال مقیم ہیں۔ جدہ دورے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ وہ یہودی ہیں۔ حالانکہ ان کے چار بھائی مسلمان ہیں اور انہوں نے اپنی والدہ کے یہودی نہ ہونے کا مشترکہ حلف نامہ دیا ہے اور ان کے بیان کے مطابق فیشل نے حج و عمرہ کر رکھا ہے۔[2]

فیشل کو مارچ 2017ء میں پاکستان کی وزارت داخلہ نے یہودی تسلیم کر لیا۔ 28 اکتوبر 2018ء کو فیشل نے پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل جانے کی اجازت مانگی اور 2 جنوری 2019ء کو اس کو یہ اجازت دے دی گئی۔ حالانکہ پاسپورٹ پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ پاسپورٹ سوائے اسرائیل کے دنیا کے تمام ممالک کے لیے کار آمد ہے۔

پاکستان میں یہودیوں کی موجودہ صورتحال

قیام پاکستان کے وقت کراچی میں 1300 یہودی مقیم تھے۔ جبکہ پاکستان کے دوسرے شہروں میں ان کی تعداد کے بارے معلوم نہیں ہے۔ 1948ء میں قیام اسرائیل کے بعد کراچی کے بہت سے یہودی اسرائیل چلے گئے ۔ جبکہ کچھ ممبئی ہجرت کر گئے۔ عرب اسرائیل جنگ کے بعد یہودیوں کی اکثریت نے کراچی چھوڑ دیا۔

2017ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں 831 یہودی آباد ہیں۔ جن میں سے 438 مرد اور 393 عورتیں ہیں۔ سندھ میں یہ تعداد 180 مرد اور 117 عورتیں پر مشتمل ہے۔ جبکہ 93 یہودی مرد اور 52 یہودی خواتین کراچی کے باسی ہیں۔[3]

آج پاکستان کے یہودیوں کی اکثریت اسرائیل، ہندوستان، کینڈا اور امریکہ میں موجود ہے۔ ایک چھوٹی پاکستانی کمیونٹی رملہ اسرائیل میں رہائش پزیر ہے۔

---

[1] ***The Express Tribune***,Mar.27,2017.

[2] **پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل جانے والے یہودی کا اصل چہرہ**، امت، نیوز۔27-4-2021

[3] شیما صدیقی، **کراچی میں اپنی شناخت چھپائے ہوئے کتنے یہودی آباد ہیں؟**

برصغیر پر یہودیت کے تہذیبی اثرات۔

تہذیب معاشرتی رویوں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ جامد شے نہیں ہے۔اس میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ۔تہذیب میں رسوم ورواج،افکاروخیالات،مذہبی اعتقادات،اور روزمرہ زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔کوی بھی قوم دن رات مختلف رویوں کے ذریعے اپنی تہذیب اعادہ و مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔لیکن یہ لاشعوری طور پر ہوتا ہے۔کیونکہ عادتیں مثلا،اٹھنا،بیٹھنا،کھانا،پینا اور انداز گفتگو گویا کسی قوم کی ہر حالت اس کے تہذیبی رویے کی عکاسی ہوتی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں یہود منظم طریقہ سے نہیں آآے بلکہ حالات نے انہیں مہاجرت پر مجبور کر دیا تھا۔لیکن انہوں نے یہاں آکر مقامی لوگوں کی تہذیب اختیار کرنے کے ساتھ اپنی تہذیبی شناخت برقرار رکھی ۔انہوں نے یہاں آکر تجارت کی اور مقامی آبادی کو اپنے زیر اثر کر لیا۔بعد ازاں انہوں نے حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات بنانے کے لیے ان تحاف دیے۔جن سے ان کو مراعات حاصل ہوتی تھیں۔

یہود مذہبی اعتقادات کے حامل لوگ تھے۔برصغیر میں موجود ان کی عبادت گاہیں بڑے پیمانے پر موجود تھیں اور ان کے مذہبی پیشوا ان کا انتظام بڑے احسن طریقہ سے چلاتے تھے۔یہودیت تبلیغی مذہب نہیں ہے لیکن ایسے شواہد بھی ملے ہیں کہ انہوں نے برصغیر میں نے نے آنے والے مہاجرین کو اپنے مذہب کے اصوم سیکھاے ۔یہاں ان کے مذہبی تہوار بھی منعقد کیے جاتے تھے۔

برصغیر میں یہود معاشی طور پر مضبوط تھے۔یہاں انہوں نے اپنی کالونیاں بھی قائم کیں۔جس میں انہیں ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل تھیں۔یہ عام طور پر پڑھے لکھے لوگ تھے اور یہاں پر لائبریریوں کا قیام انکے علمی ذوق کا پتہ دیتا تھا۔جبکہ ان کے قبرستان اور عمارتیں ان کی تہذیبی شناخت گواہی دے رہی ہیں۔

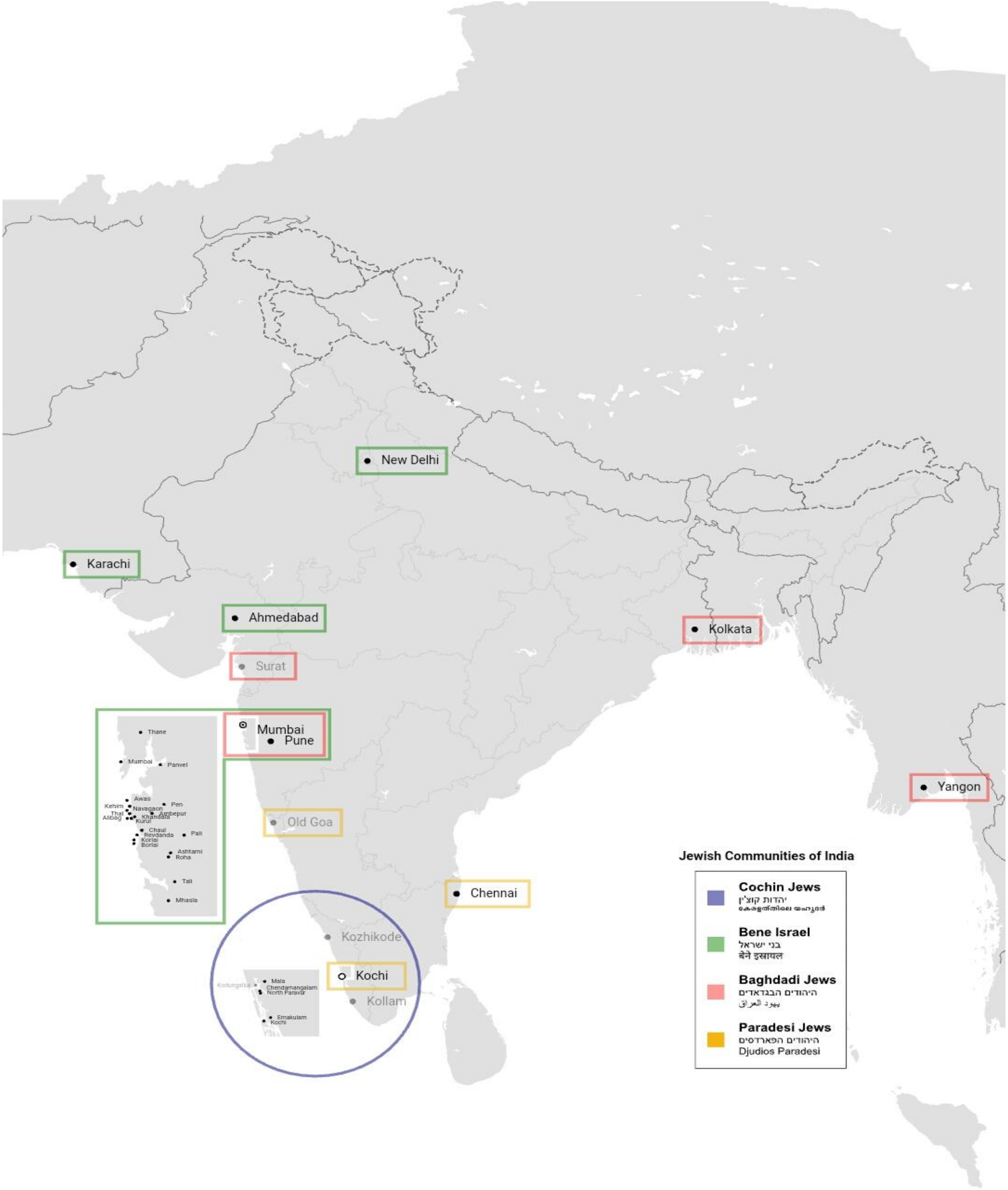

https://www.wikkipedia.org/Jewish Communities of Sub-Continent.

باب دوم

مطالعہ یہودیت: سید ابو الاعلی مودودیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے افکار و نظریات

فصل اول: سید ابو الاعلی مودودیؒ تعارف و خدمات

فصل دوم: مطالعہ یہودیت پر افکار

فصل سوم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ تعارف و خدمات

فصل چہارم: مطالعہ یہودیت پر افکار و نظریات

فصل اول:

سید ابو الاعلی مودودیؒ: تعارف و خدمات

تعارف:

پیدائش و ابتدائی حالات زندگی

سید ابو الاعلی مودودیؒ 3 رجب بمطابق 25 ستمبر 1903ء کو اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کے والد کا نام سید احمد حسن تھا اور آپ کے والد پڑھے لکھے اور علی گڑھ مدرسہ کے ابتدائی طالب علموں میں سے تھے ۔ مولانا مودودیؒ اپنے والد محترم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> "میرے والد مرحوم سید احمد حسن صاحب 1857ء کے ہنگامے سے دو سال پہلے دہلی میں پیدا ہوئے مدرسہ العلوم علی گڑھ کے بالکل ابتدائی دور کے طالب علموں میں سے تھے۔ سر سید احمد خان مرحوم نے جب مدرسہ قائم کیا تو اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں بھی بہت سے لڑکوں کو چن کر علی گڑھ لے گئے تھے چونکہ میری دادی صاحبہ مرحومہ سے ان کو قرابت تھی اس لیے میرے والد صاحب کا انتخاب بھی اسی سلسلے میں ہوا تھا۔"[2]

آپ کے والد پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔ ابتداء میں انگریزی بود و باش کے عادی تھے۔ لیکن سید مودودیؒ کی پیدائش سے تین سال قبل مذہب کی جانب مائل ہوئے اور زہد کا رنگ ان کے طرز زندگی پر چھا گیا۔ احمد حسن نے دو شادیاں کیں۔ ان کی دوسری بیگم رقیہ سے دو لڑکے سید ابو الخیر مودودیؒ اور سید ابو الاعلی مودودیؒ پیدا ہوئے۔ [3]

آپ کے آباؤ اجداد ہرات کے قریب چشت کے معروف مقام پر آباد ہوئے چشت کی مناسبت سے یہاں کے مشائخ چشتی کہلاتے ہیں۔ چشتیہ خاندان کے بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی جو کہ خواجہ معین الدین چشتی

---

[1] محمد یوسف، **مولانا مودودی اپنوں اور دوسروں کی نظر میں** (لاہور: مکتبہ الحبیب، س:ن):38

[2] ایضا:34

[3] احمد، افتخار، **سید ابو الاعلی مودودی** (فیصل آباد: المیزان پبلیشرز، 2001ء):21-19

اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے کی مناسبت سے سید صاحب کا خاندان مودودیؒ کہلایا۔اس خاندان کی جس شاخ میں سید مودودیؒ نے جنم لیاان کے جد امجد سید ابو الاعلی جعفر تھے ان کے نام پر سید صاحب کانام ابوالاعلی رکھا گیا۔[1]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ میری پیدائش سے قبل ہی کیونکہ میرے والد کا رجحان مذہب کی جانب زیادہ ہو گیا تھا۔لہذا میری پیدائش کے ساتھ ہی انہوں نے تہیہ کر لیا کہ مجھے مولوی بنائیں گے ۔ چنانچہ میری تعلیم بھی اسی ڈھنگ پر ہوئی اور فارسی کے علاوہ عربی زبان اور فقہ و حدیث کے درس پر زور دیا گیا۔انگریزی زبان ،علوم اور خیالات کی ہوا تک نہ لگنے دی گئی۔والد مرحوم کو تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاق و آداب کی تربیت کا بھی خیال تھا۔[2]

مولانا مودودیؒ کے بڑے بھائی ابو الخیر مودودیؒ جو والد کے بعد ان کا بڑا سہارااور معاشی جدوجہد میں ان کے معاون تھے۔اپنے بھائی کے بچپن کے بارے میں اہم واقعات کے ذکر میں بیان کرتے ہیں۔

"ابوالاعلی بڑا ذہین بچہ تھا مذہبی امور سے چار سال کی عمر سے ہی شغف تھا۔اتنی سی عمر میں والد صاحب کے ساتھ مسجد میں جاکر پانچوں وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید کی تقریبا ۳۰ آیات بامعنی یاد ہو چکی تھیں اور روزے کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی اس نے باقاعدگی سے روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے۔ایک دن وہ صبح اٹھا تو اس کا روزہ تھا۔گھر والوں کے اصرار کے باوجود اس نے روزہ نہ توڑااور اس طرح کسی خارجی دباؤ کے بغیر ہی اس نے عمر سے پہلے روزہ رکھ لیا۔"[3]

حصول تعلیم و علمی جستجو

سید ابوالاعلی مودودیؒ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور گیارہ سال کی عمر تک انہیں نے گھر پر ہی قرآن و حدیث ، عربی زبان و ادب اور اردو ادب کی تعلیم حاصل کی ۔انہیں بعد میں مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد میں جماعت رشدیہ[4] میں داخل کرا دیا گیا۔مدرسہ اورنگ آباد میں آپ عمر کے لحاظ سے سب سے زیادہ چھوٹے تھے لیکن آپ

---

[1] نعمانی،عاصم، **تصوف اور تعمیر سیرت**(لاہور:اسلامک پبلی کیشنز،1972ء):8

[2] گیلانی،اسعد،**سید مودودی، دعوت و تحریک**(لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،ط:دوم،1982ء):26

[3] عبد،عبد الرحمن، **مفکر اسلام سید ابوالاعلی مودودی**(لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،ط:سوم،1988ء):51

[4] ریاست حیدر آباد دکن کے مروجہ نظام تعلیم میں ڈل جماعت کو جماعت رشدیہ اور میٹرک کے امتحان کو مولوی کہتے تھے۔

مطالعہ کے لحاظ سے باقی طلباء پر فوقیت رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ پہلے ہی کر رکھا تھا۔ البتہ آپ ریاضی میں کمزور تھے۔ اس کمزوری کی وجہ سے درجہ دوم میں کامیاب ہوئے۔[1]

مدرسہ فوقانیہ میں مولانا مودودیؒ نے مولوی (میٹرک) کا امتحان 1914ء میں پاس کیا۔[2] مدرسہ فوقانیہ انٹر میڈیٹ تک تھا اور مولوی کے نصاب میں عربی نظم و نثر، فقہ، حدیث، منطق، ریاضی، طبعیات، کیمیا، تاریخ، عربی سے اردو ترجمہ اور انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مضامین کی تعلیم حاصل کرنے سے مولانا مودودیؒ کے خیالات وتصورات میں وسعت پیدا ہوئی۔

مولوی کے امتحان کے بعد آپ کے والد محترم کے معاشی حالات ناساز گار ہوگئے اور انہوں نے اورنگ آباد سے حیدرآباد میں سکونت اختیار کرلی۔ 1916ء میں مولانا مودودی کو دارالعلوم حیدر آباد دکن میں مولوی عالم کی جماعت میں داخل کرا دیا گیا۔[3] دارالعلوم کے صدر مدرس مشہور عالم دین اور مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی تھے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

> "والد محترم مجھے حیدر آباد مین چھوڑ کر بھوپال تشریف لے گئے اور میں یہاں پڑھتا رہا۔ مگر یہ تعلیم کا سلسلہ چھ ماہ سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ ایک روز بھوپال سے دفعتاً اطلاع آئی کہ والد پر فالج کا سخت حملہ ہوا ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی میں نہایت بے سروسامانی کی حالت میں والدہ ماجدہ کو ساتھ لے کر حیدرآباد سے روانہ ہوا اور بھوپال جا کر والد محترم کی خدمت میں منہمک ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان کے صحت یاب ہونے کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔"[4]

مولانا مودودیؒ کے والد علالت کے باعث 1920ء میں انتقال کر گئے اور وہ اپنے والد محترم کی شفقتوں سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ شدید معاشی مشکلات کا شکار ہو گے۔

---

[1] منصور، خالد سلیم، **وثائق مودودی** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1986ء): 11

[2] یوسف، محمد، **مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں**: 41

[3] عبد، عبد الرحمن، **مفکر اسلام سید ابو الاعلی مودودی**: 57

[4] یوسف، محمد، **مولانا مودودی اپنوں اور دوسروں کی نظر میں**: 42

والد محترم کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ مولانا مودودیؒ نے اپنی علمی جستجو کی حامل طبیعت کو بھی ساتھ ساتھ تسکین فراہم کرتے رہے۔ انہی سالوں میں مولانا مودودیؒ نے جبل پور کے مولوی فاضل سے 1918ء میں انگریزی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔[1]

صحافتی و تصنیفی سفر

والد صاحب کی وفات کے بعد سید صاحب کو معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور اسی سبب ان کی باضابطہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ معاشی مسائل سے نکلنے کے لیے سید صاحب نے اپنے بڑے بھائی ابوالخیر مودودیؒ کے ساتھ میدان صحافت میں قدم رکھا۔ 1918ء میں دونوں بھائیوں نے اخبار مدینہ بجنور میں ملازمت اختیار کرلی۔[2]

1919ء میں تحریک خلافت کے ساتھ ہی آپ نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور ترکی کے متعلق دو انگریزی کتابوں "ترکی میں عیسائیوں کی حالت" اور "سمرنا میں یونانیوں کے مظالم" کے اردو میں ترجمہ کرکے پڑھے لکھے طبقے کو متاثر کیا اور 1919ء میں ہی ہفت روزہ "تاج" جبل پور میں کام کرنے لگے۔ لیکن چند ماہ بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔ لیکن 1920ء میں "تاج" کا دوبارہ آغاز ہوا اور تاج الدین مولانا کو ساتھ لے گئے اور مولانا مودودیؒ تنہا اس کو چلاتے رہے۔ کچھ مدت تک یہ اخبار ہفتہ وار نکلتا رہا اور پھر روزانہ ہو گیا۔[3]

1921ء میں جمعیت علمائے ہند کے مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صاحب نے اخبار مسلم جاری کیا۔ تو سید مودودیؒ کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ اگرچہ اخبار کی پیشانی پر منشی عبدالحمید کا نام بطور مدیر درج تھا لیکن ادارتی کام اور کالم سید مودودیؒ کے ہی مرہون منت تھے۔ اخبار مسلم کی ادارت کے دوران دہلی میں جو اطمینان کا عرصہ نصیب ہوا اسے سید مودودیؒ نے مختلف اساتذہ سے عربی ادب و تفسیر، منطق اور فلسفے کی کتابیں پڑھنے میں صرف کیا۔ ان نامور اساتذہ میں دہلی کے معروف عالم دین مولانا عبدالسلام نیازی بھی تھے۔ جن سے سید صاحب نے عربی صرف و نحو

[1] نعمانی، عاصم، **مولانا مودودی پر جھوٹے الزامات اور ان کے مدلل جوابات** (لاہور: مجلس احباب، 1979ء): 31

[2] احمد، افتخار، **سید ابوالاعلی مودودی**: 24

[3] محمد یوسف، **مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں**: 45

،معقولات اور بلاغت و معنی کا سبق لیا۔اسی طرح سید صاحب نے مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی سے حدیث کا درس لیااور مولانا شریف اللہ سے تفسیر بیضاوی، ہدایہ، مطول ترمذی اور موطاامام مالک سبقاسبقا پڑھیں۔[1]

1923ء میں مسلم اخبار بند ہو گیااور سید صاحب بھوپال تشریف لے گئے۔1924ء میں جمعیت علمائے ہند نے "الجمعیتہ" کے نام سے اخبار جاری کیا۔مولانا مودودیؒ اس سے منسلک ہو گئے اور بعد ازاں اس کے ایڈیٹر بن گئے ۔1928ء تک تنہا اپنی ذمہ داری پر اس اخبار کو چلایا۔[2]

الجہاد فی الاسلام کی علمی حلقوں میں پزیرائی

مولانا مودودیؒ کی صحافتی زندگی کے آغاز سے 1928ء میں الجمعیتہ کی ادارت تک انہوں نے بے شمار تحاریر و مضامین لکھے اور انگریزی و عربی سے تراجم کیے۔ان کی یہ تحریریں ادبی، سیاسی، تحقیقی و دینی موضوعات پر تھیں۔

الجہاد فی الاسلام ان کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے۔اس کا 1927ء میں اس کا پہلا ایڈیشن دارالمصنفین اعظم گڑھ کی طرف سے سید سلیمان ندوی نے شائع کیااور اس کتاب نے انھیں ملک گیر شہرت عطا کی۔

ترجمان القرآن

1928ء سے 1932ء ترجمان القرآن سے منسلک ہونے تک مولانا نے تاریخ آل سلجوق تالیف کی اور اس کے علاوہ تاریخ دکن تالیف کرنے کے ساتھ تاریخ ابن خلکان کے مختلف حصوں کا ترجمہ کیا۔[3]

ترجمان القرآن مجلس تحریک قرآن مجید ممالک محروسہ سرکار عالی کا پرچہ تھا۔اس کے بانی ابو محمد مصلح تھے ۔1932ء میں مولانا نے ترجمان القرآن کے لیے کام شروع کیا اور 1933ء میں اس کے ایڈیٹر بن گئے ۔مولانا مودودی نے یہ رسالہ ابو مصلح سے لے کر جماعت اسلامی کے لیے وقف کر دیا۔[4]

---

[1] نعمانی، عاصم، مولانا پر جھوٹے الزامات اور ان کے مدلل جوابات:37

[2] محمد یوسف، مولانا مودودی اپنوں اور دوسروں کی نظر میں:48

[3] ایضا:49

[4] احمد، افتخار، سید ابوالاعلی مودودی:32

ترجمان القرآن کے ذریعے سے مولانا مودودیؒ نے اپنے افکار و نظریات کی تشہیر کی اور لوگوں کے اندر شعور پیدا کیا ۔ یہ اس وقت امید کی کرن ثابت ہوا جب مسلمان فکری و سیاسی کشمکش کا شکار تھے۔

"ٹھیک اس وقت کہ جنوبی ایشیاء میں فکری و نظریاتی و سیاسی بحران پورے عروج پر تھا اور پر فتن دور کے تاریک پردے دبیز تر ہوتے جارہے تھے۔ محرم 1352ھ (مارچ 1933) میں حیدر آباد دکن سے ترجمان القرآن کی صورت میں روشنی کی کرن نمودار ہوئی۔ سید مودودیؒ اس کے ایڈیٹر تھے۔ وہ اہل وطن اور امت کی سلامتی اور کامرانی کے اس راستے کی طرف بلا رہے تھے۔ جس پر چل کر ظلمت شب میں بھٹکنے والے قافلے صبح کے اجالے سے ہمکنار ہوتے ہیں۔"[1]

شادی

1937ء میں مولانا مودودیؒ کی شادی دہلی کے بخاری سید گھرانے کی ایک خاتون محمودہ بیگم سے ہوئی۔ محترمہ جدید تعلیم یافتہ تھیں اور بعد ازاں انہوں نے سید صاحب سے دینی علوم کی تحصیل کی۔[2]

مولانا مودودیؒ دارالسلام میں

سید مودودیؒ نے 12 اکتوبر 1938ء کو پٹھانکوٹ میں دارالسلام کی بنیاد رکھی۔ جو کہ نیاز احمد کی وقف کی گئی زمین تھی۔ نیاز احمد علامہ اقبال کے دوست تھے اور مولانا مودودیؒ علامہ اقبال کی فرمائش پر دارالسلام تشریف لے جانے کے لیے راضی ہوئے۔ ابھی وہاں جا کر انھوں نے تھوڑے دن ہی گزارے تھے کہ علامہ اقبال وفات پا گئے۔ سید صاحب کو دلی دکھ ہوا انہوں نے جو دکھ بھرے الفاظ کہے وہ یہ ہیں۔ "مجھے جو چیز پنجاب کھینچ کر لائی تھی وہ دراصل اقبال کی ہی ذات تھی۔ میں اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ ان سے قریب رہ کر ہدایت حاصل کروں گا اور ان کی رہنمائی میں مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا اسلام اور مسلمانوں کے لیے کروں گا۔ اب ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ اس طوفانی سمندر میں بلکل تنہا رہ گیا ہوں۔ دل شکستگی اپنی آخری حد کو پہنچ چکی ہے۔ صرف اس خیال سے دل کو ڈھارس

[1] شاہ پوری، آباد، **تاریخ جماعت اسلامی** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ط: اول، 1989ء): 1/ 212

[2] پراچہ، فرید احمد، "**سید مودودی اور ان کے سیاسی افکار**" (لاہور: مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی، 2000ء): 13-12

دے رہا ہوں کہ اقبال مر گئے تو کیا ہوا خدا تو موجود ہے۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے پسماندگان کو خط لکھوں مگر پھر خیال آیا کہ ان کے پسماندگان تو ہم سب ہیں اور ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں۔"[1]

تاسیس جماعت اسلامی

سید ابو الاعلی مودودی نے 3 شعبان 1360ھ بمطابق 26 اگست 1941ء کو 75 ساتھیوں کے تعاون سے لاہور میں جماعت اسلامی کے نام سے ایک جماعت قائم ہوئی۔[2]

جماعت اسلامی کی وجہ تسمیہ

مولانا ابو الاعلی مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے دوسری تحریکوں کے ساتھ اصولی فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد دنیوی نہیں بلکہ یہ جماعت مکمل اور پورے اسلام کے نفاذ کے لیے ہے اور اس نظام جماعت رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ نظم جماعت پر رکھا گیا ہے۔ جماعت میں ایک خاص مفروضہ کے تحت لوگوں کو بار امانت دیا گیا ہے۔ وہ مفروضہ کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم اور تقضیات کو جان کر ایمان لانے کا اقرار کرنا ہے اور جماعت میں آنے کے بعد اس کے جماعت میں رہنے کے لیے اس بات کو شرط لازم قرار دیا گیا کہ اسلام میں جو کم از کم مقتضیات ایمان ہیں ان کو پورا کرے۔ جماعت اسلامی کی تحریک چونکہ خود اسلام ہی کی تحریک ہے اور اسلام کی دعوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے۔ لہذا ہماری نظر کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کے وقتی مسائل میں الجھی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ پوری نوع انسانی اور سارے کرہ زمین پر وسیع ہے۔ تمام انسانوں کے مسائل زندگی ہمارے مسائل زندگی ہیں اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہم ان مسائل زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں جس میں سب کی فلاح اور سب کے لیے سعادت ہے۔

انہی خصوصیات کی بنا پر ہم اپنی اس جماعت کو "اسلامی جماعت" اور اس تحریک کو "اسلامی تحریک" کہتے ہیں کیونکہ جب اس کا عقیدہ، نصب العین، نظام جماعت اور طریق کار بلا کسی کمی بیشی کے وہی ہے جو جو اسلام کا ہمیشہ

---

[1] منصور، خالد سلیم، **وثائق مودودی**:96

[2] شاہ پوری، آباد، **تاریخ جماعت اسلامی**:21

رہا ہے۔ تو اس کے لیے اسلامی جماعت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا اور جب یہ عین اسلام کے نصب العین کی طرف اسلامی طریق پر ہی حرکت کرتی ہے تو اس کی تحریک اسلامی تحریک کے سوا کچھ نہیں ہے۔[1]

اس جماعت کو تشکیل دینے سے پہلے مختلف مراحل اور رکاوٹوں کو ہموار کرنا پڑا۔ جس میں دین و سیاست الگ الگ جیسے خیالات کی اصلاح کرنا سر فہرست شامل ہے۔ اس تصور کارد کر کے سید مودودیؒ نے واضح کیا کہ دین و سیاست جدا جدا نہیں بلکہ دین اسلام ایک ایسا دین ہے جو سیاست کہ متعلق ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور ہمیں اس کے متعلق بنیادی اصول و قواعد بھی فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے جماعتی اور منظم زندگی کی اہمیت کو بھی واضح کیا اور ہر خاص و عام کو مطلع کیا۔

اس جماعت کو تشکیل دینے کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ اس کے قائم ہونے سے قبل دین اسلام سے وابستہ متاثرین میں اضطرابی کیفیت تھی اور وہ دین اسلام کے لیے اپنی خدمات سرانجام دینے پر دل و جان سے آمادہ تھے اور اس انقلابی مشن کے لیے اسلوب کی تلاش میں تھے۔ سید مودودیؒ نے اس مقصد کی خاطر ایک مقالہ بھی لکھا جس کو ایک صالح جماعت کی ضرورت کا عنوان دیا۔ مقالہ ہذا میں مولانا مودودیؒ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اس جماعت کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اعلی سیرت، قربانی و سرفروشی کے لیے ہمہ وقت حاضر ہوں اور صادق الامین ہوں۔[2]

تحریک پاکستان اور سید مودودیؒ

23 مارچ 1940ء میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی۔ جس کے بعد علیحدہ وطن پاکستان کا مطالبہ نے زور پکڑا اور علامہ اقبال کا خواب، قائد اعظم کی مخلص قیادت سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔ مسلم لیگ کے نوجوانوں

---

[1] شعبہ تنظیم، **روداد جماعت اسلامی** (لاہور: شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی، س:ن) 1:/13-11

[2] صدیقی، نعیم، **المودودی** (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، س:ن): 266

کے ساتھ جماعت اسلامی کے نوجوانان بھی پیش پیش رہے۔ مولانا نے اپنی تحاریر میں تحریک پاکستان کی پرزور حمایت کی اور تحریک کے نظریاتی تشخص کو واضح کیا۔ مولانا مودودیؒ قیام پاکستان کے حامی رہے۔[1]

14 اگست 1947ء کو تقسیم کے اعلان میں گورداسپور کے مسلم اکثریتی ضلع کو پاکستان میں ہی شامل کیا گیا تھا۔ چونکہ دارالسلام اسی ضلع میں تھا اس لیے سید مودودیؒ اور ان کے رفقاء کو اپنے پاکستان میں شمولیت کا ہی یقین و اطمینان تھا۔ لیکن بھارت کو کشمیر کی گزر گاہ دینے کے لیے ریڈ کلف نے 17 اگست کو اچانک یہ اعلان کر دیا کہ ضلع گورداسپور بھارت میں شامل ہو گا۔ اس اچانک اعلان کے ساتھ ہی سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمان بستیوں پر منظم حملے شروع کر دیئے۔ چنانچہ اردگرد کی آبادیوں کے ایک ہزار سے زاد مسلمانوں نے دارالسلام کی بستی میں پناہ لی۔ یہاں سید مودودیؒ کی بے پناہ جرات ایمانی سامنے آئی اور جماعت اسلامی کی تعداد میں بے شک قلیل لیکن انتہائی منظم اور جذبہ جہاد سے متصف اراکین نے محض تاید ایزدی کے بھروسے پر ان بے سروسامان مسلمانوں کی حفاظت کی اور جب تک فوج کی طرف سے کیمپ کا چارج نہیں لیا گیا انہوں نے متعدد پیش کشوں کے باوجود ان پناہ گزینوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر خود پاکستان منتقل ہونے سے انکار کر دیا۔

مولانا مودودیؒ پاکستان میں

29 اگست 1947ء کو سید مودودیؒ اپنے رفقاء کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ دارالسلام کے ادارے کے متبادل سوہن لال کالج کی عمارت الاٹ ہوئی۔ انہی دنوں مدرسۃ البنات جالندھر کے مولانا عبدالحق مرحوم اور ان کے کچھ افراد آئے اور مشکل حالات میں تھوڑا سا تعاون چاہا یعنی جب تک مدرسہ کے لیے کوئی جگہ الاٹ ہوتی ہے ان کو وہاں ٹھہرنے کی گنجائش دی جائے۔ مولانا نے بڑی خوشی سے دروازے کھول دیئے۔ مگر کچھ ہی دنوں میں یہی کالج مدرسۃ البنات کو الاٹ کر دیا گیا اور ہمیں یہ آرڈر دیا گیا کہ 48 گھنٹے میں عمارت خالی کر دی جائے۔ اس پر مولانا نے احتجاجاً یہ فیصلہ کیا کہ 48 کی بجائے 24 گھنٹوں میں اسے خالی کر دیا جائے اور آئندہ کبھی الاٹمنٹ نہ کرائی جائے۔[2]

---

[1] عبد، عبدالرحمن، **مفکر اسلام سید ابوالاعلی مودودی**:20

[2] صدیقی، نعیم، **المودودی**:343

اس کے بعد مولانا کرائے کے خیمے لے کر اپنے رفقاء کے ہمراہ قیام پذیر ہوئے۔اور مولانا نے اس حالت میں بھی اپنے ارکان جماعت کے ساتھ مل کر مہاجرین کی بھرپور مدد کی اور پاکستان بننے کے بعد اب پاکستان کو عملا پاکستان بنانے کی جدوجہد شروع کی۔

مولانا مودودی کی سیاسی خدمات

مولانا مودودیؒ نے برصغیر کے مسلمانان کو جداگانہ مسلم تشخص کا احساس دلایا۔انہوں نے ترجمان القرآن میں متعدد مقالات میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلم قومیت کی تشریح واضح اور مفصل انداز میں کی۔مولانا مودودیؒ قیام پاکستان کی تحریک میں عملی جدوجہد کے ساتھ شامل رہے اور قیام پاکستان کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔جنوری 1948ء سے جولائی 1948ء تک ریڈیو پاکستان پر ان کی تقاریر نشر کی گئیں۔[1]

مطالبہ نظام اسلامی ودستور اسلامی

قیام پاکستان کے ساتھ ہی جماعت اسلامی عملی سیاست میں اتری۔ تقسیم ہند کے ساتھ جماعت اسلامی بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔جماعت اسلامی پاکستان کے پہلے امیر بالاتفاق سید مودودیؒ نامزد ہوئے۔مولانا مودودیؒ نے پاکستان میں نظام اسلامی کے نفاذ کے لیے اجتماعات کا سلسلہ شروع کیا۔اس مقصد کے لیے انہوں نے ملک گیر دورے کیے اور اپنا چار نکاتی مطالبہ پیش کیا۔جس کی رو سے مطالبہ نظام اسلامی،حاکمیت اللہ تعالی کی، قانون شریعت کا نفاذ اور شریعت کی حدود میں اختیارات، کا مطالبہ کیا گیا۔[2]

[1] عبد، عبد الرحمن، **مفکر اسلام سید ابو الاعلی مودودی**:220

[2] مودودی، ابو الاعلی، **چراغ راہ**، نظریہ پاکستان نمبر (کراچی: دفتر چراغ راہ، س۔ن):490

مولانا مودودی کی گرفتاری

چار نکاتی مطالبہ اسلامی پیش کرنے کے بعد مولانا مودودی اوران کے رفقاء حکومت کے زیر عتاب آ گئے۔14 اکتوبر 1948ء کو سید مودودیؒ اور میاں طفیل احمد کو گرفتار کر لیا گیا۔22 اکتوبر 1948ء کو مولانا امین احسن اصلاحی بھی گرفتار کر لیے گئے اور ان کو ملتان سنٹرل جیل میں قید کیا گیا۔28 مئی 1950ء کو ان کو رہا کیا گیا۔[1]

مولانا مودودیؒ نے زنداں میں یہ عرصہ تحریر و تصنیف میں گزارا۔اس زمانہ میں مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن کی جلد اول مکمل کی اور اپنی کتاب سود کا دوسرا حصہ مکمل کیا اور چند دوسری کتابوں پر نظر ثانی کی۔

مولانا مودودیؒ کے مطالبہ نظام اسلامی کے حق میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر علمائے کرام نے بھرپور مہم چلائی اور ملکی قیادت نے ملک کے دستور کی بنیاد کے طور پر 12 مارچ 1949ء کو قرارداد مقاصد منظور کر لی۔[2]

ملکی دستور ساز اسمبلی نے ستمبر 1950ء میں آئین پاکستان کے لیے بنیادی اصولوں کی سفارشات پیش کیں تو مولانا مودودیؒ نے ان سفارشات کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ سفارشات غیر جمہوری اور لادینیت پر مشتمل تھیں۔اس پر وزیر اعظم لیاقت علی خان نے علمائے کرام کو اسلامی دفعات کے لیے ٹھوس اور واضح سفارشات لانے کا بیان جاری کیا

21 جنوری 1951ء کو کراچی میں تمام مکاتب فکر کے علماء اکٹھے ہوئے ان میں مولانا مودودیؒ بھی شامل تھے اور اسلامی دستور کے لیے تمام علمائے کرام 22 نکات پر اتفاق کیا کہ مملکت اسلامی کے بنیادی اصول ہیں۔

مسئلہ قادیانیت اور مولانا مودودی

1953ء میں قادیانیوں کو جداگانہ اقلیت اور قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں کو برطرف کرنے کا مطالبہ نے زور پکڑا۔مولانا مودودیؒ نے "قادیانی مسئلہ" لکھ کر نہ صرف اس مطالبے کی تائید کی بلکہ قادیانیت کی اصلیت کو دلائل سے واضح کیا۔

---

[1] محمد یوسف، **مولانا مودودی اپنوں اور دوسروں کی نظر میں**:413-383

[2] شعبہ، تنظیم، **روداد جماعت اسلامی**:6/347

سید مودودیؒ لکھتے ہیں۔

"قادیانیوں کی تکفیر کا معاملہ دوسرے گروپوں کی باہمی تکفیر بازی سے بلکل مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ قادیانی ایک نئی نبوت لے کر اٹھے ہیں اور ان تمام لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں، جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہ لائیں ۔ قادیانی مسلمانوں کے اندر مسلمان بن کر گھستے ہیں۔ اسلام کے نام سے اپنے مسلک کی اشاعت کرتے ہیں ،مناظرہ بازی اور جارحانہ تبلیغ کرتے ہیں اور مسلم معاشرے کے اجزاء کو توڑ توڑ کر اپنے جداگانہ معاشرے میں شامل کرنے کی مسلسل کوشش کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ ایک مطالبہ جس ضرورت کی بناء پر کیا جارہا ہے وہ بجائے خود معقول ہے کہ نہیں۔ یہاں اختلاط کا نقصان اکثریت کو پہنچ رہا ہے نہ کہ اقلیت کو۔ اس لیے اکثریت یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہے کہ اس اقلیت کو آئینی طور پر الگ کر دیا جائے، خواہ ایک طرف عملا الگ ہو کر علیحدگی کا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے اور دوسری طرف اکثریت کا جز بن کر اختلاط کے فوائد بھی سمیٹتی چلی جاتی ہے ۔ایک طرف وہ مسلمانوں سے مذہبی و معاشرتی تعلقات منقطع کر کے اپنی الگ جتھہ بندی کرتی ہے اور منظم طریقے سے ان کے خلاف ہر میدان میں کشمکش کرتی ہے۔ دوسری طرف مسلمان بن کر مسلمانوں میں گھستی ہے ۔ اپنی تبلیغ سے اپنی تعداد بڑھاتی ہے۔ مسلم معاشرے میں تفریق کا فتنہ برپا کرتی ہے اور زندگی کے ہر میدان میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے متناسب حصے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ حصہ حاصل کرتی ہے ۔اس صورتحال کا سراسر نقصان اکثریت کو پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ اقلیت نہیں بلکہ اکثریت اسے جداگانہ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتی ہے۔"[1]

اس پر حکومت نے نہ صرف جماعت اسلامی پر پابندی لگادی بلکہ سید مودودیؒ اور دیگر علماء کرام کو حوالہ زندان کر دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ پر بغاوت کے الزام کے تحت کاروائی ہوئی اور انہیں موت کی سزا سنادی گئی ۔بعد میں شدید رد عمل پر مولانا کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا یہاں تک کہ ایک عدالتی فیصلے کے تحت مولانا کی قید کو خلاف قانون قرار دے کر 1955ء میں رہا کر دیا گیا۔

[1] مودودی، ابو الاعلی، **قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی پہلو** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ط: نہم، 2009ء): 41-40

سید مودودی کی دینی خدمات

- مولانا مودودیؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں سے خطرات کو آگاہ کرنے کی قلمی جدوجہد کرتے ہوئے اسلامی تحریکوں خصوصا تحریک خلافت اور تحریک آزادی ہند میں حصہ لیا۔
- آپ نے اسلام کے خلاف اٹھنے والی اندرونی سازشوں سے امت مسلمہ کو زور قلم سے آگاہ کیا۔
- سید مودودیؒ نے دارالسلام پٹھانکوٹ میں اشاعت اسلام کے لیے پلیٹ فارم قائم کیا۔[1]
- اسلام کے عملی نفاذ کے لیے ایک ایک خالص اسلامی جماعت "جماعت اسلامی کے نام سے 1941 میں بنائی ۔اس جماعت نے دینی، سیاسی اور سماجی خدمات سرانجام دیں۔
- مولانا مودودی نے 1941ء میں ترجمان القرآن میں قرآن کی تفسیر لکھنا شروع کی جو 1972ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔
- آپ نے فتنہ قادیانیت اور فتنہ انکار حدیث کے رد میں بھرپور علمی و عملی جدوجہد کی۔[2]
- "رسائل و مسائل" کے نام سے ترجمان القرآن میں قارئین کے مختلف دینی و فقہی مسائل پر سوالات کے جوابات دیئے۔
- مجلس مؤتمر اسلامی کے بانی ارکان منتخب ہوئے۔[3]
- اسکے علاوہ آپ نے مختلف تقاریر اور خطبات جمعہ میں دینی خدمات سرانجام دیں۔
- آپ کی دینی و علمی خدمات کی بدولت آپ کو 28 فروری 1979ء کو مملکت سعودیہ نے شاہ فیصل ایوارڈ دیا۔[4]

---

[1] علی، نقی، **سید مودودی کا عہد** (لاہور: البدر پبلی کیشنز، 1980ء):35

[2] احمد، افتخار، **سید ابوالاعلی مودودی**:64

[3] صولت، ثروت، **مولانا مودودی کی تقاریر** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1972ء):1/55

[4] نعمانی، عاصم، **گفتار وافکار** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1988):313

وفات

سید ابوالاعلی مودودیؒ 22 ستمبر 1979ء کو ہسپتال میں دوران علاج دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے اور آپ کو لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔[1]

تصانیف

مولانا مودودیؒ کی چند اہم تصانیف کا تعارف درج ذیل ہیں۔

تفہیم القرآن[2]

تفہیم القرآن سید ابوالاعلی مودودی کی علمی و تحقیقی تفسیر قرآن ہے۔یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔مولانا مودودی نے اس تفسیر کو فروری 1942ء میں لکھنا شروع کیا اور پانچ سال سے کچھ زائد مدت تک سورہ یوسف تک کی تفہیم و ترجمانی مکمل کی۔تحریک پاکستان و ہجرت پاکستان کی وجہ سے یہ تفسیر طوالت کا شکار ہو گئی۔بعد ازاں مولانا کو پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا۔جہاں مولانا مودودی نے تفسیر پر دوبارہ کام شروع کیا۔تفہیم القرآن 1972ء کو پایہ تکمیل تک پہنچی اوراب دنیا کی بے شمار زبانوں میں اس تفسیر کے تراجم ہو چکے ہیں۔

تفہیم القرآن کے دیباچہ میں سید مودودی نے تفسیر کے واضح اہداف و مقاصد بیان کیے تھے۔کہ:

"اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔اس

---

[1] صدیقی، نعیم، **المودودی**:400

[2] مودودی، ابوالاعلی، ***تفہیم القرآن***(لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، س۔ن)

وجہ سے بہت سے ان تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں۔"

بلاشبہ یہ تفسیر متوسط درجے کے پڑھے لکھے افراد کے علمی و ذہنی معیار کو پیش نظر رکھ کر لکھی گی ہے۔اسی وجہ سے علوم قرآن کی فنی اصطلاحوں پر زور آزمائی نہیں کی گئی۔ مولانا مودودی نے اپنے اسلوب تحریر کو زیادہ سے زیادہ حد تک عام فہم رکھنے کی کوشش کی ہے اس لیے یہ تفسیر معاصر تفسیروں میں منفرد اہمیت کی حامل ہے۔

سیرت سرور عالم[1]

اردو زبان سیرت النبی ﷺ کتب پر وسیع ذخیرہ رکھتی ہے۔ان میں سید ابوالاعلی مودودی کی کتاب "سیرت سرور عالم" اپنے قدیم و جدید اور بنیادی مآخذ، سیرت کے مواد پر تفصیلی مباحث اور جدید و معاصر تحقیقات سے استفادہ کی بنیاد پر نمایاں مقام رکھتی ہے۔ یہ کتاب سید مودودی کی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن اور ان کی بے شمار تحریروں میں بکھرے ہوئے مواد سیرت پر مشتمل ہے۔ نعیم صدیقی اور مولانا عبدالوکیل علوی نے سید مودودی کے وسیع علمی ذخیرے سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔

کتاب کے ایک حصے میں اصولی مباحث ہیں جبکہ دوسرا حصہ سیرت نبوی ﷺ پر مشتمل ہے۔اصولی مباحث فن سیرت نگاری کے زمرے میں نہیں آتے کیونکہ وہ فلسفہ اسلامی کی بحثیں ہیں۔بلاشبہ ان مباحث سے فہم و فقہ سیرت پیدا ہوتی ہے اور کتاب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے مگر بہر حال یہ مباحث سیرت کے دائرے سے باہر ہیں۔سیرت سرور عالم کی جلد دوم میں بھی بہت سے اصولی مباحث ہیں جن کا تعلق فکر اسلامی سے ہے لیکن فن سیرت سے ہر گز نہیں۔اس حصے میں زیادہ تر ابواب تو اصل سیرت سے متعلق ہیں جیسے (14-4،7-2) لیکن اس حصے میں بقیہ ابواب کا تعلق سیرت نبوی کے موضوع سے نہیں ہے۔سیرت سرور عالم حصہ دوم کے دو ابواب (5،6) دعوت حق کی ہدایات الٰہی اور دعوت اسلامی کی حقیقی نوعیت پر مشتمل ہیں۔اصل کتاب یعنی سیرت نبوی ﷺ کے ابواب صرف نصف حصے پر مشتمل ہیں۔

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **سیرت سرور عالم** (لاہور: اداری ترجمان القرآن، ط: پنجم، 1989ء)

قادیانی مسئلہ [1]

برصغیر پاک و ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کی نئی توجیہات کے ذریعے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس کو انگریزوں نے مزید ہوا دی۔ اس سے سادہ لوح اور ناخواندہ مسلمانوں میں اپنے ایمان کے بارے تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ برصغیر کے بہت سے علماء نے اس فتنہ کے متعلق علمی و قلمی جہاد کیا۔ ان علمائے کرام میں سید ابو الاعلیٰ مودودی بھی شامل ہیں۔ انہوں نے قادیانیت کے رد میں ایک کتابچہ "قادیانی مسئلہ" لکھا۔

مولانا مودودی نے اس کتابچہ کے ذریعے قادیانیت کی اصل مسخ شدہ روح کو عوام اور حکومت تک پہنچایا ۔ آپ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو اقلیت تسلیم کیا جائے تاکہ یہ اسلام کو مزید نقصان نہ پہنچا سکیں ۔ کتاب کے دیباچہ میں مولانا مودودی حکومت وقت کو مخاطب کرتے ہیں کہ:

> "جمہوری نظام کا یہ مسلم قاعدہ ہے کہ یا تو دلیل سے بات مانو یا دلیل سے منواؤ۔ محض طاقت کے بل پر ایک معقول و مدلل بات کو رد کر دینا جمہوریت نہیں ہے۔ اس لیے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک کے آئین ساز حضرات یا تو دلیل سے ہماری بات مانیں یا تو سامنے آکر اپنے وہ دلائل پیش کریں جن کی بناء پر وہ ہماری اس بات کو نہیں مانتے۔ محض اس بھروسے پر کہ مجلس آئین ساز میں انہیں اکثریت حاصل ہے اگر وہ ایک معقول عوامی مطالبے کو بلا دلیل رد کریں گے تو یہ ان کے اپنے ہی حق میں نقصان دہ ہو گا۔ عوامی مطالبہ آخر کار پورا ہو کر ہی رہے گا۔"

کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد آپ کو قید کیا گیا اور سزائے موت سنا دی گئی۔ لیکن آپ اپنے مؤقف سے دستبردار نہ ہوئے۔ عوامی دباؤ کے پیش نظر آپ کو رہا کر دیا گیا۔ سید مودودی اور علماء کی کاوشوں سے 1973ء کے دستور پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

---

[1] مودودی، ابو الاعلیٰ، **قادیانی مسئلہ** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ط: پنجم، 1992ء)

الجہاد فی الاسلام[1]

"الجہاد فی الاسلام "سید مودودی کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے۔اس کتاب کا موضوع جہاد ہے۔سید مودودی نے اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔باب اول میں اسلامی جہاد کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ جس میں مولانا نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ اسلام کے نزدیک انسانی جان کی کیا حرمت ہے۔ بعد ازاں قتل بالحق اور بغیر حق میں فرق، اجتماعی فتنہ جنگ اور جہاد فی سبیل اللہ پر مفصل بحث فرمائی ہے۔باب دوم میں مدافعانہ جنگ اور اس کی صورتوں کا بیان ہے۔ دفاع کی غرض وغایت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔باب سوم میں مصلحانہ جنگ جبکہ باب چہارم میں اشاعت اسلام اور تلوار جیسے اہم موضوع پر قلم آرائی فرمائی ہے۔

اسلامی قوانین صلح جنگ کا تفصیل سے بیان باب پنجم میں کیا ہے۔ جس میں زمانہ جاہلیت میں عرب کا طریقہ جنگ ،روم و ایران کا طریقہ جنگ اور جنگ کے مہذب قوانین کا تقابل کرتے ہوئے جنگ میں اسلامی اصلاحات کو بیان کیا ہے۔ آخری دو ابواب میں دنیا کے بڑے مذاہب کے جنگی نظریات کا اسلامی قوانین جنگ سے موازنہ کیا ہے ۔ نیز جدید تہذیب میں جنگ کو بیان کرتے ہوئے آخر میں علمی تبصرہ کیا ہے۔

سنت کی آئینی حیثیت[2]

سنت کی آئینی حیثیت کتاب دراصل مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین پہلے ترجمان القرآن لاہور کے خاص نمبر منصب رسالت ستمبر 1961ء میں شائع ہوئے تھے۔ بعد میں ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کو کتابی صورت میں یکجا کر کے "سنت کی آئینی حیثیت کے نام سے منظر عام پر لایا گیا۔

تاریخ اسلام میں انکار سنت کا فتنہ دوسری صدی ہجری میں اٹھا تھا۔اس فتنے کا مقصد سنت میں تشکیک پیدا کر کے اس کو قرآنی تعلیمات سے علیحدہ کرنا تھا اور بعد میں اس کی من مانی تاویلات کرنا تھیں۔ علمائے حق نے اس کا

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **الجہاد فی الاسلام** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ط: پندرھویں، 1996ء)

[2] مودودی، ابوالاعلی، **سنت کی آئینی حیثیت** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، س۔ن)

سد باب کیا۔ بر صغیر پاک وہند میں جب اس فتنے نے سر اٹھایا لیکن بہت سے علمائے کرام نے اس کا رد کر کے ذہنوں کی تشفی کی۔ اس فتنہ کے رد میں سید مودودی نے بھی حصہ ڈالا۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں مولانا مودودی کی ڈاکٹر عبد الودود سے مراسلت ہے۔ جو کہ ان کے سنت کے انکار کے سوالات کے سید مودودی نے جوابات دیئے ہیں۔ جبکہ دوسرے حصے میں جسٹس محمد شفیع کا ایک فیصلہ درج ہے جو کہ انہوں نے 21 جولائی 1960ء کو مقدمہ رشیدہ بیگم بنام شہاب دین صادر فرمایا تھا۔ مولانا مودودی نے اس پر مفصل تنقید کی ہے۔ مولانا مودودی بیان کرتے ہیں۔ کہ:

"ان دونوں حصوں میں ناظرین ایک طرف منکرین سنت کے تمام مسائل اور دلائل ان کی اپنی زبان میں ملاحظہ فرمالیں گے اور دوسری طرف انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ دین کے نظام میں سنت کی اصل حیثیت کیا ہے۔ اس کے بعد یہ رائے قائم کرنا ہر شخص کا اپنا کام ہے کہ وہ کس مسلک کو قبول کرتا ہے۔"[1]

مولانا مودودی نے دین اسلام میں سنت کی اصل حیثیت بیان کرنے کے ساتھ منکرین سنت کے ابہام کو دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔ ساتھ ہی قارئین کو رائے کا اختیار بھی دے دیا ہے کہ وہ جو رائے رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔

[1] مودودی، ابوالاعلی، **سنت کی آئینی حیثیت**:24-23

فصل دوم:

سید ابو الاعلی مودودی کے مطالعہ یہودیت پر افکار

سید ابو الاعلی مودودی کی مطالعہ یہودیت پر کتاب کا عنوان یہودیت قرآن کی روشنی میں رکھا گیا ہے۔ اور یہ کتاب مولانا مودودی کی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے۔ کیونکہ سید مودودی نے اس کو بطور کتاب نہیں لکھا۔ یہ کتاب ان کی تفسیر تفہیم القرآن اور ان کی دوسری تحریروں میں بکھرے ہوئے مواد مطالعہ یہودیت پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مرتبین نعیم صدیقی(2002ء-1916ء)اور عبد الوکیل علوی ہیں۔ جنہوں نے مولانا مودودی کی مختلف تحریروں سے کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کے ناشر لکھتے ہیں:

"زیر نظر کتاب یہودیت قرآن کی روشنی میں پہلے یہودیت و نصرانیت کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ جس میں یہودیت قرآن کی روشنی میں اور نصرانیت قرآن کی روشنی میں دونوں کتب ایک جلد میں یکجا تھیں۔ اب ہم نے اس کتاب کو مولانا مودودی مرحوم و مغفور کی نظر ثانی کے بعد دو الگ الگ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مولانا مغفور کی حواشی کی روشنی میں کتابت کی اغلاط کی بھی اصلاح کر دی گئی ہے اور معیار طباعت و کتابت پہلے سے بہتر بنا دیا گیا ہے۔ واضح رہے یہ کتاب مولانا مغفور کی مختلف تحریروں کو ان کے وسیع لٹریچر میں سے یکجا کر کے ترتیب دی گئی ہے تاہم اپنے موضوع پر جامع معلومات کی بنا پر ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔"[1]

یہود کا دعوی فلسطین: تاریخی حقائق

پوری دنیائے یہود کا یہ دعوی ہے کہ فلسطین ان کا ہے۔ لہذا وہ اس سرزمین کے وارث اور حقدار ہیں۔ لیکن تاریخی حقائق کچھ اور ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہ اور حضرت لوطؑ کے ساتھ 75 سال کی عمر میں حران (عراق) سے کنعان آئے۔[2] توریت کے مطابق اللہ تعالی نے ابراہیمؑ سے وعدہ کیا۔

---

[1] مودودی، ابو الاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ط، چہارم 2000ء):7

[2] **کتاب پیدائش**:5:12

"تو اس وقت ملک کنعان میں پردیسی ہے، لیکن میں اس پورے ملک کو تجھے اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ یہ ہمیشہ تک ان کا ہی رہے گا اور میں ان کا خدا ہوں گا۔"[1]

یاد رہے اس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے صرف حضرت اسماعیلؑ تھے لہذا اس آیت سے اس ملک کے زیادہ حقدار بنی اسماعیلؑ ہوئے۔

حضرت اسحاقؑ کی پیدائش ،حضرت سارہؑ کی وفات اور حضرت ابراہیمؑ کی وفات بھی کنعان میں ہوئی۔ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا مسکن بھی کنعان رہا اور حضرت یوسفؑ کے زمانہ بادشاہت میں حضرت یعقوبؑ اپنی ساری اولاد کے ساتھ کنعان سے مصر منتقل ہو گئے۔ حضرت یوسف کی اولاد یعنی بنی اسرائیل مصر میں خوب پھلے پھولے۔ حضرت یوسف کی وفات کے بعد بادشاہت قبطیوں کے ہاتھوں چلی گئی اور بنی اسرائیل کو انہوں نے اپنا غلام بنا لیا۔

حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں ان کو مصر کی طویل غلامی سے نجات ملی اور انہوں نے بحیرہ قلزم کو پار کر کے صحرائے سینا میں قدم رکھا۔ یہاں ان کو اللہ تعالی نے عظیم انعامات سے نوازا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو حکم خداوندی سے بیت المقدس میں داخلے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ کی رحلت کے بعد بنی اسرائیل فلسطین میں حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں داخل ہوئے۔ مولانا مودودی یہود کے دعوی فلسطین کو تاریخی اعتبار سے ثابت کرتے ہیں کہ فلسطین یہود کا اصل وطن ہی نہیں ہے اور نہ ہی یہ فلسطین کے باشندے ہیں۔ یہ تیرہ سو قبل مسیح فلسطین میں آباد ہوئے۔ انہوں نے فلسطین کے اصل باشندوں کا قتل عام کیا اور سر زمین فلسطین پر قابض ہو گئے۔ جس طرح انگریزوں نے سرخ ہندیوں کو قتل کر کے امریکہ پر قبضہ کیا تھا۔ فلسطین کے اصل باشندوں کی تفصیل تو بائبل میں بھی موجود ہے۔ آٹھویں صدی قبل مسیح میں اسیریا والوں نے شمالی فلسطین پر قبضہ کر کے ان کو نکال دیا۔ اسی طرح بخت نصر اور ٹائٹس رومی نے ان کو اس سر زمین سے جلاوطن کیا۔ آمد اسلام تک قانونا ان یہودیوں کا داخلہ فلسطین میں ممنوع رہا اور اس وقت تک یہودی

---

[1] کتاب پیدائش:8:17

آبادی فلسطین میں نہ ہونے کے برابر تھی۔اسی طرح تاریخی کسوٹی سے مولانا مودودی درج ذیل نکات واضح کرتے ہیں:

ا۔یہودی ابتدانسل کشی(Genocide)کے مرتکب ہوکر فلسطین پر زبردستی قابض ہوئے تھے۔

۲۔شمالی فلسطین میں صرف چارپانچ سوبرس تک وہ آباد رہے۔

۳۔جنوبی فلسطین میں ان کے قیام کی مدت زیادہ سے زیادہ آٹھ سوبرس رہی اور

۴۔عرب شمالی فلسطین میں ڈھائی ہزار سال سے اور جنوبی فلسطین میں تقریباًدوہزار سال سے آباد چلے آرہے ہیں۔[1]

بائبل کی تصریحات اور مولانا مودودی کی تاریخی طور پر ثابت حقائق کو اگر دیکھا جائے تو فلسطین پر زیادہ حق تو عربوں کا بنتا ہے اور یہودی کا یہ دعوی کہ فلسطین کی سرزمین ہمارے آباؤاجداد کی میراث ہے جو خدا کی طرف سے انہیں عطا کی گئی تھی بے معنی اور بے بنیاد ہو جاتا ہے۔اب یہی صوتحال بچتی ہے کہ تاریخ کو دہرایا جائے اور یہود یہاں کے باشندوں کا قتل عام کرکے اس سرزمین پر قابض ہو جائیں جس طرح وہ تیرہ سو قبل مسیح میں قابض ہوئے تھے۔

منصوبہ: ہیکل سلیمانی کی تعمیر

تورات کے مطابق ہیکل سلیمانی حضرت سلیمانؑ نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بنوانا شروع کیا اس وقت بنی اسرائیل کو مصر سے نکلے 480 سال گذر چکے تھے اور یہ ہیکل سات سال میں مکمل ہوا۔[2]

ہیکل دراصل ایک مسجد یا عبادت گاہ تھی جس کی طرف منہ کرکے یہودی عبادت کرتے تھے۔اس سے پہلے یہودیوں کے ہاں باقاعدہ ہیکل کا نہ کوئی وجود اور نہ ہی اس کا کوئی تصور تھا۔586ء ق م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کرکے ہیکل کو تباہ کر دیا۔بائبل کے مطابق "بنوکد نضر نے اللہ کے گھر تمام چیزیں چھین لیں، خواہ وہ

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم** (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی 2014ء):8-6

[2] **کتاب سلاطین**:38:7

بڑی تھیں یا چھوٹی۔ وہ رب کے گھر، بادشاہ اور اس کے اعلی افسروں سے تمام خزانے بھی بابل لے گیا۔ فوجیوں نے رب کے گھر اور تمام محلوں کو جلا کر یروشلم کی فصیل کو گرا دیا۔ جتنی بھی قیمتی چیزیں رہ گئی تھیں وہ تباہ ہوئیں۔"[1]

529ق م میں ایرانی بادشاہ سائرس نے بابل پر فتح حاصل کر کے یہودیوں کو ہیکل دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی اور یہ تعمیر 516ق م میں مکمل ہوئی۔[2]

70ء میں رومی جرنل ٹائٹس نے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ گرا دیا اور یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے یروشلم سے نکال دیا۔ اب یہودیوں اس ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ۔

> "دو ہزار برس سے یہودی دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ یہ دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کریں۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کا پورا ڈرامہ کھیلا جاتا رہاہے کہ ہم مصر سے کس طرح نکلے اور فلسطین میں کس طرح آباد ہوئے اور کیسے بابل والے ہم کو لے گئے اور ہم کس طرح فلسطین سے نکالے گئے اور تتر بتر ہوئے۔ اس طرح یہودیوں کے بچے بچے کے دماغ میں یہ بات بیس صدیوں سے بٹھائی جارہی ہے کہ فلسطین تمہارا ہے اور تمہیں واپس ملنا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کرو۔ صدیوں سے یہودی قوم کا نصب العین یہی رہاہے کہ وہ مسجد اقصی کی جگہ ہیکل سلیمانی کو تعمیر کرے اور اب بیت القدس پر ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے نصب العین کو پورا کرنے سے باز رہ جائیں۔"[3]

سید مودودی قدیم و جدید پر گہری نظر اور بنیادی مصادر تک رسائی سے اور موجودہ حالات کے تناظر میں یہود کے اس ڈھونگ کو پوری طرح واضح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ یہود کا مقصد ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہے اور اس کے لیے انہوں نے تمام وسائل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے قبضہ بیت المقدس میں ہیکل تعمیر کرنا اس کے لیے آسان ہدف ہو گیا ہے۔

---

[1] **کتاب تواریخ** 36:19-18

[2] محمود، سید قاسم، **شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا** (کراچی: شاہکار بک فاؤنڈیشن، س:ن): 410

[3] مودودی، ابوالاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**: 291-290

دیوار گریہ: منظر عام پر لانے والے مسلمان

دیوار گریہ کو مغربی دیوار بھی کہا جاتا ہے۔ دیوار گریہ حرم شریف کی مغربی دیوار میں ایک ٹکڑا جو پچاس فٹ لمبا ہے دیوار گریہ کہلاتا ہے۔ یہودیوں کا اس کے بارے میں یہ دعوی ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کی باقیات میں سے ہے اور وہ یہاں آکر گریہ وزاری کرتے ہیں۔ مسلمان اسے البراق کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ معراج کی رات آپ ﷺ اس جگہ براق سے اترے اور یہیں براق باندھا تھا۔[1]

سید مودودی بیان کرتے ہیں کہ دیوار گریہ یا مغربی دیوار سولہویں صدی عیسوی تک کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی تھی اور کسی کو بھی اس کے نام ونشان کے بارے بھی معلوم نہ تھا۔ عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اول کو دیوار کی موجودگی کا اتفاقاً علم ہوا تو انہوں نے پہلے اس جگہ کو صاف کرایا اور یہودیوں کو اس کی زیارت کی اجازت دی۔ اب یہودیوں کو چاہیے تو ایسے تھا کہ مسلمانوں نے ان کے مذہبی شعار کو ڈھونڈ کر نہ صرف اس کی درستگی کی بلکہ انہیں دیکھنے کی اجازت بھی دی۔ لیکن یہ ایک ایسی احسان فراموش قوم ہے کہ مسلمانوں کی شرافت، فیاضی اور حسن سلوک کو نظر انداز کرکے اس کا بدلہ آج اس شکل میں ان کو دے رہی ہے۔[2]

ترکی عرب تصادم: یہودی پالیسی

جنگ عظیم اول میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا عرب خلافت عثمانیہ کے زیر سایہ تھا۔ تو انہوں نے بغاوت کر دی۔

جنگ عظیم اول میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ عرب بھی چونکہ خلافت عثمانیہ کے ماتحت تھے تو انگریزوں نے سازش کے ذریعہ عربوں سے بغاوت کروادی۔ انگریزوں سے بغداد کے محاذ پر جب ترک فوجوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو 10 جون 1916ء شریف حسین والئ مکہ نے ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ 14 جون کو مکہ مکرمہ اور یکم جولائی کو جدہ پر قبضہ کر لیا۔ لارنس آف عریبیہ کی خفیہ کوششیں بار آور ہوئیں اور حکومت برطانیہ نے عربوں کی سرپرستی کرتے ہوئے ان کو خلافت عثمانیہ سے آزادی حاصل کرنے پر پوری امداد دی۔ اکتوبر 1916ء میں

[1]، محمود، سید قاسم، **شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا**: 411

[2] مودودی، ابوالاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**،: 292-291

شریف حسین نے حجاز مقدس پر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور 16 دسمبر 1916ء کو حکومت برطانیہ نے اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔شامی محاذ پر شریف حسین کا بیٹا امیر فیصل لارنس آف عریبیہ اور دوسرے انگریز افسروں کے ہمراہ روانہ ہوا۔عربوں کی بغاوت کے ساتھ اور ان کے ساتھ انگریزوں کے ملنے کی وجہ سے ترکی کو شامی محاذ پر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔[1]

مولانا مودودی ترکی اور عرب کشمکش کو قوم پرستی کا تصادم قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

اسی زمانے میں دوسری سازش بھی زور وشور سے چل رہی تھی۔جس کا مقصد ترکی کی عثمانی سلطنت کے ٹکڑے اڑانا تھا۔اس سازش میں بھی مغربی سیاست کاروں کے ساتھ ساتھ یہودی دماغ ابتدا سے کار فرما رہا ۔ایک ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی گئی کہ وہ سلطنت کے بنا اسلامی اخوت کہ بجائے ترک قوم پرستی پر رکھیں ۔حالانکہ ترکی سلطنت میں صرف ترک ہی آباد نہیں تھے بلکہ عرب اور کرد دوسری نسلوں کہ مسلمان بھی تھے۔ایسی سلطنت کو صرف ترک قوم کی سلطنت قرار دینے کہ صاف معنی یہ تھے کہ تمام غیر ترک مسلمانوں کی ہمدردیاں اس کہ ساتھ ختم ہو جائیں۔دوسری طرف عربوں کو عرب قومیت کا سبق پڑھایا گیااور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی جدوجہد کریں۔عربوں میں اس عرب قوم پرستی کا فتنہ اٹھانے والے عیسائی عرب تھے۔بیروت اس کا مرکز تھا اور بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کو فروغ دینے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔اس طرح ترکوں اور عربوں میں بیک وقت دو متضاد قسم کی قوم پرستیاں ابھاری گئیں اور ان کو یہاں تک بھڑکایا گیا کہ 1914ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو ترک اور عرب ایک دوسرے کے رفیق ہونے کہ بجائے، دشمن اور خون کے پیاسے بن کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔"[2]

یہ بیسویں صدی کے آغاز کا واقعہ ہے۔بعد ازاں اہل مغرب نے قوم پرستی کا یہ ہتھیار تمام اہل اسلام پر شدت کے ساتھ نافذ کر دیا۔پہلے انہوں نے ہر ملک کو قومیت پر ابھارا۔پھر ان ممالک میں اندرونی طور پر تقسیم در تقسیم قومیت کا نعرہ لگوایا۔جس طرح آج پاکستان میں بھی کبھی کبھار سندھی، پنجابی اور بلوچی قومیت کا نعرہ سننے کو ملتا

---

[1] محمد عزیز، **تاریخ دولت عثمانیہ** (یو-پی، انڈیا: دار المصنفین، 2009ء):290

[2] مودودی، ابو الاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**:294

ہے۔ مولانا کی دورس سوچ اس بات کا ادراک کر چکی تھی کہ اس کا مقصد اسلام کی سیاسی قوت کو بکھیرنا تھا اور اس کے پیچھے یہودی سیاست کار فرما ہے۔

فلسطین پر قبضہ اور قیام اسرائیل کے یہودی منصوبے

یہودیوں نے باقاعدہ تنظیم سازی کے ذریعہ بڑے منظم انداز کے ساتھ ارض فلسطین پر قبضہ کیا۔ سید مودودی نے فلسطین پر یہودیوں کے قبضہ اور قیام اسرائیل کے چار منصوبے بیان کیے ہیں۔

پہلا یہودی منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح فلسطین میں اپنی آبادکاری کی جائے اور ابھرتی عالمی طاقتوں کو اپنا ہم نوا بنالیا جائے۔ تاکہ ہم اقلیت سے اکثریت میں بدلیں۔ فلسطین کی مہاجرت 1880ء میں شروع ہوئی اور فلسطین پر انگریزی انتداب اور اعلان بالفور تک یہ منصوبہ مکمل ہو گیا۔ یہ منصوبہ 1880ء سے شروع ہو کر 1917ء تک اس مرحلے کی تکمیل میں 37 سال صرف ہوئے۔[1]

دوسرا مرحلہ جو کہ 30 سال پر محیط ہے اور جس کا دورانیہ 1917ء سے 1947ء تک بنتا ہے۔ اس مرحلے میں مجلس اقوام (Leage of Nations) اور اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں فرانس اور برطانیہ نے صیہونی ایجنٹ کے طور پر کام کیا۔ 1922ء میں مجلس اقوام نے فلسطین کو برطانوی انتداب کے ماتحت کرنے کا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی یہ ہدایات دیں کہ:

1۔ برطانیہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لیے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے گا۔

2۔ برطانیہ نہ صرف صیہونی تنظیم کو تسلیم کرے گا بلکہ اسے نظم ونسق میں شریک کرتے ہوئے اس کے مشورے اور تعاون سے یہودیوں کے قومی وطن کی تجویز کو عملی جامہ پہنائے گا۔

مجلس اقوام نے فلسطینیوں کے متعلق برطانیہ کو درج ذیل ہدایات دیں۔

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم: 13

1۔ فلسطینیوں کے مذہبی اور مدنی(Civil) حقوق کا تحفظ کیا جائے سیاسی حقوق کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس وقت فلسطین میں مسلمان عربوں کی تعداد 6،60،641 عیسائی عرب 71،464 اور یہودی جو کہ دھڑا دھڑ فلسطین میں آباد ہوئے تھے وہ صرف 82،790 تھے۔ اگر ان کا تناسب کیا جائے تو مسلمان عرب 81 فیصد، عیسائی عرب 9 فیصد جبکہ یہودی صرف 10 فیصد بنتے ہیں۔[1]

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہودیوں نے مجلس اقوام اور بڑی طاقتوں پر اپنا اتنا اثرورسوخ قائم کر لیا تھا کہ انہوں نے ان کے قومی وطن کے قیام کے لیے ہر طرح کوششیں کیں جبکہ اصل باشندوں کو ان کے سیاسی حقوق بھی نہ دیئے۔

یہودی منصوبے کے تیسرے مرحلے کے متعلق سید مودودی فرماتے ہیں۔ تیسرا مرحلہ جو 19 سال کے اندر جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں بیت المقدس اور باقی ماندہ فلسطین اور پورے جزیرہ نمائے سینا اور سرحد شام کی بالائی پہاڑیوں (جولان) پر اسرائیل کے قبضے سے تکمیل کو پہنچا۔ نومبر 1948ء میں اسرائیلی ریاست کا رقبہ نو ہزار نو سو سینتیس مربع میل تھا۔ جون 1967ء کی جنگ میں اس کے اندر ستائیس ہزار مربع میل کا اضافہ ہو گیا۔ چودہ ، پندرہ لاکھ عرب یہودیوں کے غلام بن گئے۔ اس مرحلے میں اسرائیل کے منصوبے کی کامیابی کا اصل وجہ یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر امریکہ اس کا حامی و مددگار اور پشت پناہ بنا رہا۔ برطانیہ اور فرانس اور دوسرے مغربی ممالک بھی اپنی اپنی حد تک اس کی تائید و حمایت کا پورا حق ادا کرتے رہے۔[2]

مولانا مودودی آخری اور چوتھے منصوبہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسجد اقصی اور قبۃ اصخرہ کو ڈھا کر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کرنا ہے اور میراث کا ملک کا قیام ہے۔ تا کہ پوری دنیا پر ان کی حکومت قائم ہو۔[3]

مولانا مودودی نے تاریخی غور و فکر کے ذریعے یہودیوں کے ان منصوبوں پر تجزیہ کیا ہے ۔ یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری سے لے کر ان کی بادشاہت کے خواب تک اور ان کی حمایت میں بڑی طاقتوں اور مجلس اقوام کی

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم: 14-13

[2] ایضا: 18

[3] ایضا: 22-21

خیانت کو بھی بیان کیا ہے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ، فرانس اور دوسرے مغربی ممالک کی حمایت اسرائیل مسلم دنیا پر اثرورسوخ قائم کرنے اور ان کے وسائل کو زیر استعمال لانے کی طرف اقدامات ہیں جبکہ یہودیوں کو اپنے مقصد ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور بادشاہت کے قیام کے اقدامات ہیں۔

فلسطین پر انگریزی انتداب کے کارنامے

فلسطین میں برطانوی انتداب کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ جب برطانیہ کو انتداب حاصل ہوا تو انہوں نے فلسطین میں یہودیوں کو لا کر بسانے کا سلسلہ شروع کیا۔برطانیہ کا پہلا ہائی کمشنر ایک یہودی کو بنایا گیا۔ صیہونی تنظیم کو عملاً اس حکومت کے نظم ونسق میں شامل کیا گیا اور اس کے حوالے زراعت، تعلیم اور محکمہ خارجہ و داخلہ کے معاملات سپرد کیے گئے۔ نیز ایسے قوانین بنائے گئے جن کے ذریعے بیرون ممالک سے آنے والے یہودیوں کو یہاں نہ صرف زمین حاصل کرنے کے لیے سہولتیں تھیں بلکہ ان زمینوں کو کاشت کرنے کے لیے ان کو قرضوں سے نوازا گیا۔اس کے برعکس فلسطینی عربوں پر پر بھاری ٹیکس لگائے گے اور ٹیکسوں کے بقایا پر ہر جانے کی صورت میں ان کی زمینیں ضبط کر لئی گئی۔یہ ضبط شدہ زمینیں یہودیوں کے ہاتھ مفت یا برائے نام قیمت لے کر فروخت کر دی گئی یا ان کو مزارعت کے لیے دے دی گئی۔ بعض مقامات پر پورے عرب گاؤں صاف کر کے یہودی بستیاں بسادی گئی یا کچھ جگھوں پر عربوں کو حکما بے دخل کر دیا گیا۔[1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں نے فلسطین میں صرف یہودیوں کی مدد کی ہے۔ان کے ضمیر نے ان کو ایک دن بھی یہ احساس نہ دلایا کہ کسی بھی ملکی حکومت پر اس ملک کے رہنے والے اصل باشندوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔جن کی حفاظت کرنا حکومت کی اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جنگ عظیم دوم میں ہٹلر کے مظالم سے بھاگنے والے یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشہ فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ صیہونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ملک کے اندر گھسان شروع کیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کر کے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو ان کی جگہ بسانے

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**:297

میں سفاکی کی حد کر دی۔ انگریزی انتداب کی ناک کے نیچے یہودیوں کو ہر طرح کے ہتھیار پہنچ رہے تھے اور وہ عربوں پر چھاپے مار رہے تھے۔ مگر قانون صرف عربوں کے لیے تھا۔ جو انہیں ہتھیار رکھنے اور ظلم کے جواب میں مدافعت کرنے سے روک رہا تھا۔ البتہ برطانوی حکومت جان بچا کر بھاگنے والے عربوں کو نقل مکانی کی سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی فراخ دل تھی۔

مسئلہ فلسطین اور اقوام متحدہ(UNO)کا کردار

اقوام متحدہ 24 اکتوبر 1945ء کو معرض وجود میں آئی۔ اس کے رکن ممالک کی تعداد 193 ہے۔ اس کی تمہید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان کی ذاتی حرمت اور عزت اور انسانوں کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے۔ رکن ممالک سے عہد کر لیا ہے کہ کہ وہ اقوام متحدہ کے اشتراک عمل سے ساری دنیا میں اصولا اور عملا انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور کرائیں گے۔ لیکن فلسطین میں اقوام متحدہ نہ صرف فلسطینیوں کو حقوق دلوا سکی بلکہ اس کا اس معاملے میں کردار بڑا افسوس ناک ہے۔[1] سید مودودی لکھتے ہیں۔

> "نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ یہ فیصلہ کس طرح ہوا؟ اس کے حق میں 33 ووٹ اور اس کے خلاف 13 ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ یہ کم سے کم اکثریت تھی جس سے جنرل اسمبلی میں کوئی ریزولیشن پاس ہو سکتا تھا۔ چند روز پہلے تک اس تجویز کے حق میں اتنی اکثریت بھی نہ تھی۔ صرف 30 ملک اس کے حق میں تھے۔ آخر کار امریکہ نے غیر معمولی دباؤ ڈال کر ہیٹی، فلپائن اور لائبیریا کو مجبور کر کے اس کی تائید کرائی گئی۔ یہ بات خود امریکی کانگریس کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ یہ تین ووٹ زبردستی حاصل کیے گئے تھے۔ تقسیم کی جو تجویز ان ہتھکنڈوں سے پاس کرائی گئی، اس کی رو سے فلسطین کا 55 فیصدی رقبہ 33 فیصدی یہودی آبادی کو، اور

---

[1] ابو عمار، زاہد الراشدی، **اسلام اور انسانی حقوق** (گوجرانوالہ: الشریعہ اکیڈمی، 2009ء):112-111

45 فیصدی رقبہ 67 فیصدی کو دیا گیا، حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف 6 فیصدی حصہ یہودیوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف!"[1]

اقوام متحدہ جس کو پوری دنیا میں امن قام کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا تھا۔ مولانا مودودی کے بیان کردہ حقائق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنرل اسمبلی نے تقسیم فلسطین کی قرارداد پاس کروانے میں زمینی حقائق کو نہیں دیکھا بلکہ آنکھیں بند کر کے یہود نوازی کی پالیسی اختیار کی اور اس میں امریکہ اقوام متحدہ کے شانہ بشانہ کھڑا تھا۔

صلیبی جنگوں کا منصوبہ

سید مودودی انگریزوں کی اسرائیل نوازی کے پیچھے بڑا اہم نکتہ بیان کرتے ہیں کہ کیوں انگریز اسرائیل یا یہودیوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

"جنگ (عرب اسرائیل جنگ 1967ء) کے بعد سنڈے ٹائمز لندن نے ایک کتاب شائع کی تھی، جس کا نام تھا (The Holy War-June 1967) اس کا جو باب بیت المقدس پر یہودی قبضہ کے بیان میں ہے، اس کا عنوان رکھا گیا ہے (Back After 896 Years) یعنی "896 برس بعد واپسی"۔ اب یہ ظاہر ہے کہ 896 سال پہلے بیت المقدس پر سے صلیبی عیسائیوں کا قبضہ اٹھا تھا، نہ کہ یہودیوں کا۔ اس کے صاف معنی ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ انگریزوں کی ہمدردی میں صلیبی جذبہ کام کر رہا تھا اور اس لڑائی کو وہ صلیبی جنگوں کا ہی ایک حصہ سمجھتے تھے۔"[2]

صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین لڑی گئیں۔ ان کا دورانیہ 1097ء سے لے کر 1248ء بنتا ہے۔ اس عرصے میں آٹھ صلیبی جنگین ہوئیں اور آخری صلیبی جنگ میں مسلمانون نے عیسائیوں سے فلسطین حاصل کر کے اس کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اب ظاہری بات ہے کہ مسلمانوں نے عیسائیوں سے فلسطین حاصل کیا تھا اور یہ کتاب "896 برس بعد واپسی" ظاہر کرتی ہے کہ یہودیوں کے ساتھ عیسائی تعاون و ہمدردی کے پیچھے صلیبی جذبہ کار فرما ہے۔

[1] مودودی، ابو الاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**، :299

[2] مودودی، ابو الاعلی، **القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم**:20

میراث کا ملک

مولانا مودودی کے نزدیک صرف اسرائیل ہی ایسا ملک ہے جس نے اعلانیہ دوسری قوموں کے ممالک پر قبضہ کرنے کا ارادہ اپنی پارلیمنٹ کی عمارت پر کندہ کیا ہوا ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک نے کبھی بھی اس طرح کی کھلم کھلا جارحیت کے ارادوں کا اظہار نہیں کیا۔ "میراث کے ملک" کے منصوبے کے مطابق جو نقشہ صیہونی تحریک نے شائع کیا ہے۔ اس میں اسرائیل جن علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ان میں دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، لبنان اور شام و عراق کا بڑا حصہ جنوبی ترکی کا علاقہ اور حجاز مقدس کا پورا علاقہ جس میں مدینہ منورہ بھی شامل ہے۔[1]

مولانا مودودی کے مطابق اسرائیل کے میراث کے ملک سے مراد عظیم اسرائیل کا قیام یا عالمی یہودی حکومت کا قیام ہے۔ جس کی سرحدیں دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک ہیں۔

مسئلہ فلسطین کا حل

مسئلہ فلسطین امت مسلمہ کا اجتماعی مسئلہ ہے اور اس کے حل کے ساتھ ہی مسلمانوں کے قلوب کو سکون مہیا ہو سکتا ہے۔ سید مودودی کے نزدیک مسئلہ فلسطین کا حل یہ ہے کہ:

اسلامی شعائر کو مستقل طور پر محفوظ بنانے اور صیہونی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کی طاقت اکٹھی کی جائے۔ دنیائے اسلام نے اب تک مسئلہ فلسطین کو عرب مسئلہ بنائے رکھا ہے۔ لیکن یہ عرب مسئلہ نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ مسجد اقصی کے آتشزدگی کے واقعہ سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور ان کو یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ بین الاقوامی صیہونی و یہودی سازش کا مقابلہ کرنا جبکہ ان کو دنیا کی بڑی طاقتوں کی تائید و حمایت بھی حاصل ہے۔ تنہا عرب ممالک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر ایک کروڑ ساٹھ لاکھ یہودی ایک طاقت ہیں تو ستر پچھتر کروڑ مسلمان بھی تو ایک طاقت ہیں۔ ان کی حکومتیں انڈونیشیا سے مراکش اور مغربی افریقہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر مسلم حکومتوں کے سربراہان ایک میز پر بیٹھیں اور تمام مسلمان ان کی پشت پر جان کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو جائیں تو ان شاء اللہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

---

[1] مودودی، ابو الاعلی، **یہودیت قرآن کی روشنی میں**: 305-304

سید مودودی مزید گزاشات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس سلسلے میں مسلمانوں کی جو بھی بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہو۔اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ اصل مسئلہ فلسطین یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرانے کا ہے۔کیونکہ یہودیوں کے تسلط میں نہ صرف مسجد اقصیٰ غیر محفوظ ہے بلکہ بلکہ بیت المقدس بھی محفوظ نہیں ہے۔مسلہ فلسطین کا صاف حل یہ ہے کہ اعلان بالفور 1917ء سے پہلے جو یہودی فلسطین میں آباد تھے صرف ان کو فلسطین میں رہنے کا حق ہے اور باقی جتنے بھی یہودی یہاں اب تک بیرون سے آئے ہیں یا لائے گئے ہیں انہیں واپس جانا چاہیے۔کیونکہ انہی یہودیوں کی بدولت فلسطین الاصل باشندوں کے وطن کو نہ صرف اپنا قومی وطن بنانے اور پھر اسے قومی ریاست میں تبدیل کیا جو کہ جرم ہے اور بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ بھی ہے۔دنیائے اسلام کے لیے یہ بڑا خطرہ اس لیے ہے کہ ان کے عزائم کا ہدف مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ہیں۔لہذا اب اس ریاست کا وجود ختم ہونا چاہیے تاکہ فلسطین کے اصل باشندوں کو ان کا وطن اور شہری حقوق حاصل ہوں۔اس کے علاوہ مسئلہ فلسطین کا کوئی اور حل نہیں ہے۔[1]

مسئلہ فلسطین پر جماعت اسلامی کا رویہ

جماعت اسلامی ان تحریکات میں سے ہے جن کا مقصد اسلامی ریاست کا قیام اور اس اسلامی ریاست میں اسلام کا نفاذ کرنا ہے۔مسئلہ فلسطین عالم اسلام کا مسئلہ ہے لہذا جماعت اسلامی اس پر اپنا ایک خاص مؤقف رکھتی ہے مولانا مودودی اس مؤقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اہل فلسطین سے ہمدردی کرنا ہر انسان کا اخلاقی فرض ہے۔اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ فرض کئی گنا زیادہ سخت ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کریں۔پھر فلسطین کا مسئلہ اس لیے بھی اہم ہے کہ اگر خدانخواستہ وہاں یہودی ریاست بن گئی تو اس سے مرکز اسلام (حجاز) کو بھی متعدد قسم کے خطرات لاحق ہو جائیں گے۔اس معاملہ میں دنیا کے مسلمان مدافعت کے لیے جو کچھ بھی کریں ہم ان کے ساتھ ہیں۔لیکن ہمارے لیے اصل مسئلہ فلسطین یا ہندوستان یا ایران یا ترکی کا نہیں ہے۔بلکہ اصل مسئلہ کفرو

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم**:24-23

اسلام کی کشمکش کا ہے اور ہم اپنا سارا وقت، ساری قوت، اور ساری توجہ اس مسئلہ پر صرف کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو گا دوسرے مسائل کے حل ہو جانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔"[1]

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا یہ موٗقف درست ہے کہ جب ہمارے پاس خدانخواستہ ہمارا مرکز ہی نہیں رہے گا تو ہماری مسلم حیثیت کا کیا وجود ہے۔ لہذا تمام امت مسلمہ اس مسئلہ پر ایک صفحہ پر ہونی چاہیے۔

امریکہ کی پشت پناہی

اسرائیل حکومت کے پیچھے آج کل کے نیو ورلڈ آرڈر کے حامل اور نام نہاد انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ کا ہاتھ ہے۔ اگر امریکہ اسرائیل کا ساتھ نہ دے تو اسرائیل میں اتنی جرات نہیں کہ وہ مسلمانوں پر بالعموم اور فلسطینیوں کے بالخصوص یہ رویہ اپنائے۔ سید مودودی فرماتے ہیں:

"امریکی حکومت اگر انصاف اور اخلاق کے تمام اصولوں کو نظر انداز کر کے یہودیوں کی بے جا حمایت اور امداد واعانت کرنے پر تلی ہوئی نہ ہوتی تو اسرائیل کبھی اتنا جری و بے باق نہ ہو سکتا تھا کہ پے درپے ایک سے ایک بڑھ کر ڈاکہ زنی اور غصب و ظلم کے جرائم کا ارتکاب کرتا چلا جاتا۔ اس لیے میں اصل مجرم امریکہ کی بے ضمیری کو قرار دیتا ہوں۔ جسے ساری دنیا کے سامنے اس جرائم پیشہ ریاست کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے ادنی سی شرم تک محسوس نہیں ہوتی۔"[2]

مولانا مودودی اہل اسلام کو متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہودی مسجد اقصی میں جو بھی اکھیڑ پچھاڑ کر رہے ہیں اور جو کچھ بھی انہوں نے الخلیل میں مسجد ابراہیمی کے ساتھ کیا ہے۔ اس کی روک تھام بیانات، قرار دادوں یا اقوام متحدہ کے فیصلوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ یہودی یہ سب کچھ طاقت کے بل بوتے پر کر رہے ہیں۔ یہ طاقت انہیں امریکہ کی طرف سے مل رہی ہے۔ جب تک ہم امریکہ پر دباؤ نہیں ڈالتے اور اس دباؤ کی طاقت یہودی دباؤ سے زائد ہو۔ اس وقت تک یہ معاملہ سلجھ نہیں سکتا اور نہ ہی یہودی اس سے باز آئیں گے۔[3]

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **رسائل و مسائل** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ط:33 لاہور:2000ء): 1/ 333

[2] ایضا، ط: دوم: 5/ 311

[3] ایضا: 5/ 312

مزید لکھتے ہیں۔

مسئلہ فلسطین پر سید مودودی امریکی و اسرائیلی اکٹھ کو بیان کرتے ہیں کہ امریکہ کی دلچسپی اسرائیل کے ساتھ اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ 1967ء کی جنگ میں، جنگ سے ایک ہفتہ پہلے امریکی فوج کے جوائنٹ چیفس آف سٹاف کے چیئرمین جنرل وہیلر نے صدر لنڈن بی جانسن کو یقین دلایا تھا کہ اسرائیل پہلے جارحانہ اقدام کرتے ہوئے حملہ کرتا ہے تو تین چار دن میں اسرائیل عربوں پر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔"[1]

ضربت علیہم الذلتہ والمسکنتہ اور یہودی ذلت کے کیا معنیٰ؟

مولانا مودودی سے ایک سوال ترجمان القرآن اپریل 1962ء میں پوچھا گیا کہ ضربت علیہم الذلتہ والمسکنتہ یہ آیت یہود کے بارے نازل ہوئی۔ اگر اس کا مطلب وہی لیا جائے جو معروف ہے تو فلسطین میں یہود کی سلطنت کے کیا معنیٰ؟ اگر اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ نزول قرآن کے زمانے میں یہود ایسے ہی تھے تو پھر مفسرین نے دائمی ذلت و مسکنت میں کیوں بحثیں فرمائی ہیں۔ بہر حال یہود کے موجودہ اقتدار و تسلط کو دیکھ کر ذلت و مسکنت کا واضح مفہوم سمجھ میں نہیں آیا۔[2]

ضربت علیہم الذلتہ والمسکنتہ کے بارے میں میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ یہ تا قیامت ہے۔ اس میں فلسطین کی موجودہ اسرائیلی حکومت بن جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اول تو آیت تمام یہودی ملت کے بارے میں بحیثیت مجموعی ایک حکم لگاتی ہے۔ اس کے ایک ایک فرد پر یا افراد کے چھوٹے چھوٹے مجموعوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ اس کیفیت کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد سے قیامت تک ان پر من حیث المجموع دنیا بھر میں طاری رہے گی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس طویل مدت کے دوران میں کبھی کسی مختصر مدت کے لیے بھی زمین کے کسی گوشے میں انہیں قوت و اقتدار نصیب نہ ہو۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنے مؤقف کی تائید میں قرآنی آیت کا

---

[1] مودودی، ابو الاعلی، **القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم**:20

[2] مودودی، ابو الاعلی، **رسائل و مسائل** (ط: پنجم، 1975ء):3/189

حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ضربت علیہم الذلتہ والمسکنت" والی آیت کو سمجھنے کے لیے یہودی قوم کی تاریخ کا جاننا بہت ضروری ہے۔

"پوری تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وقتاً فوقتاً دنیا کے کسی گوشے میں کوئی نہ کوئی طاقت ایسی اٹھتی رہی ہے جو یہودیوں کو خوب مارتی کھدیڑتی رہی۔ اور جہاں کہیں بھی وہ بخیریت رہے ہیں اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مواقع کی بنا پر کسی دوسرے ہی انسانی گروہ کی حمایت میں آجانے کی وجہ سے رہے ہیں۔ موجودہ یہودی ریاست بھی برطانیہ اور امریکہ کی حمایت ہی میں قائم ہوئی ہے اور باقی ہے۔ یہ حمایت جس وقت بھی ہٹے گی اس ریاست کا حشر دنیا دیکھ لے گی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالی اس قوم کو فنا نہیں کرنا چاہتا بلکہ نمونہ عبرت بنا کر رکھنا چاہتا ہے اگر اس پر مسلسل عذاب کا کوڑا ہی برستا رہا تو یہ کبھی کی فنا ہو چکی ہوتی۔ اللہ تعالی نے اپنی حکمت سے اس کے باقی رہنے کا یہ انتظام کر دیا ہے کہ کہیں وہ پٹتی جاتی ہے تو کہیں اسے پناہ بھی مل جاتی ہے۔ اس طرح یہ ڈھائی ہزار برس سے لا یموت فیھا و یحی کے مصداق اس دیا میں جیے جا رہی ہے۔"[1]

یہود: خلق خدا کی گمراہی کے موجب

ابتدائے آفرینش سے دنیا خیر و شر کے مابین معرکہ بنی ہوئی ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش تا قیامت جاری رہے گی۔ خدا کے بندے جب شر کی وجہ سے راہ راست سے بھٹک جائیں تو اللہ ان کے راہ راست پر آنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ مولانا مودودی تاریخی ثبوتوں کی دستیابی سے یہود کو خلق خدا کی گمراہی کا مؤجب گردانتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو تحریک بھی اٹھتی ہے۔ اکثر اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کام کرتا نظر آتا ہے اور راہ حق کی طرف بلانے کے لیے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے اکثر اس کے مقابلے میں یہودی ہی سب سے بڑھ کر مزاحم بنتے ہیں۔ درآنحالیکہ یہ کم بخت کتاب اللہ کے حامل اور انبیاء کے وارث ہیں۔ ان کا تازہ ترین جرم یہ اشتراکی تحریک ہے جسے یہودی دماغ نے اختراع کیا اور یہودی رہنمائی نے اسے پروان چڑھایا۔ ان نام نہاد اہل کتاب کے نصیب میں یہ جرم بھی مقدر تھا کہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جو نظام زندگی اور نظام حکومت خدا کے صریح انکار پر خدا نے اسے کھلم کھلا دشمنی پر خدا پرستی کو مٹا

[1] مودودی، ابوالاعلی، **رسائل و مسائل**: 191-190

دینے کے علی الاعلان عزم وارادہ پر تعمیر کیا گیا۔اس کے موجد و مخترع اور بانی و سربراہ کار موسیٰؑ کے نام لیوا ہیں ۔اشتراکیت کے بعد زمانہ جدید میں گمراہی کا دوسرا بڑا ستون فرائڈ کا فلسفہ اور لطف یہ ہے کہ وہ بھی بنی اسرائیل کا ایک فرد ہے۔"[1]

دنیا میں جو بھی بڑا سانحہ رونما ہوتا ہے جب بھی حقائق سامنے آتے ہیں تو پیچھے یہوی کھڑے ہوتے ہیں ۔اہل کتاب کے حامل لقب کی امت آج دنیا کو سب کچھ بنائے بیٹھی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بہتر ہو گا یہ امت خود خدائی دعوی کی دعویدار بنی ہوئی ہے۔

اعلان بالفور پر تبصرہ

بالفور ڈیکلیریشن1917ء تاریخ کا وہ سیاہ ترین اعلان ہے کہ جس سے دنیا کی حالت یکسر تبدیل ہو گئی۔سید ابو الاعلی مودودی اعلان بالفور پر پر مغز تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔کہ یہ انگریزوں کی بد یانتی کا شاہکار ہے کہ ایک طرف وہ عربوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ہم عربوں کی ایک خود مختار ریاست بنائیں گے اور اس مقصد کے لیے انہیں نے شریف حسین والی مکہ کو تحریری وعدہ دے دیا تھا اور اسی وعدہ کی بنیاد پر عربوں نے ترکوں سے بغاوت کر کے فلسطین اور عراق اور شام پر انگریزوں کا قبضہ کرا دیا تھا۔دوسری طرف وہی انگریز یہودیوں کو باقاعدہ یہ تحریر دے رہے تھے کہ ہم فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔یہ اتنی بڑی بے ایمانی تھی کہ جب تک انگریزی قوم دنیا میں موجود ہے۔وہ اپنی تاریخ پر سے کلنک کے اس ٹیکے کو نہ مٹا سکے گی۔[2]

مسلمانوں کا یہود کے ساتھ رویہ

مسلمانوں نے یہود کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔مسلمانوں کہ رویہ پر تذکرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں نے اپنے اخلاق کی جس بلندی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی گرد کو بھی وہ لوگ کبھی نہ پہنچ سکے۔جو تہذیب و شائستگی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔یورپ کی قوموں نے افریقہ،امریکہ،ایشیاء اور خود یورپ میں

---

[1] مودودی،ابو الاعلی،**یہودیت و نصرانیت**(دہلی:مرکزی مکتبہ اسلامی،ط:اول،1983ء):310

[2] مودودی،ابو الاعلی،**القدس،پس منظر اور صیہونی عزائم**:12

مغلوب قوموں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے جس نے مسلمانوں میں اتنی انسانیت پیدا کر دی ہے کہ وہ کبھی غلبہ پا کر اتنے ظالم نہ بن سکے جتنے غیر مسلم تاریخ کے ہر دور میں ظالم پائے گے اور آج تک پائے جارہے ہیں ۔کوئی آنکھیں رکھتا ہو تو خود دیکھ لے کہ اسپین میں جب مسلمان صدیوں حکمران رہے اس وقت عیسائیوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا اور جب عیسائی وہاں غالب آئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ۔ہندوستان میں آٹھ سو برس کے طویل زمانہ حکومت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اب ہندو غالب آجانے کے بعد ان سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔یہودیوں کے ساتھ پچھلے تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا رویہ کیا رہا اور اب فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ ہے۔"[1]

یہودی ہمیشہ سے ہی اسلام کے مخالف رہے ہیں۔ اسلام کے راز اول یعنی حضور ﷺ کے مبارک دور سے لے کر آج تک یہودیوں نے مسلم مخالفت میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں آنے دی۔ مسلم قیادت نے ہمیشہ اہل کتاب کے ساتھ بہت اچھا رویہ اپنایا۔ اسلامی تاریخ ایسی شاندار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

سید ابو الاعلی مودودی بیسویں صدی کے سب سے بڑے اسلامی اسکالر تھے۔ان کی بہت سی حیثیتیں ہیں ۔یعنی وہ مفسر قرآن، سیرت نگار، دینی و سیاسی تحریک جماعت اسلامی کے بانی و قائد،اسلامی تہذیب و تمدن اور سیاست و معیشت کے شارح اور ایک نامور مؤرخ تھے۔ان کے علمی ذخیرہ کا مطالعہ ایک بہت وسیع اور بڑا موضوع ہے۔ان کی فکر، تحریک اور افکار و نظریات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ان کی کتب کے تراجم ہو چکے ہیں اور مختلف جامعات میں ان پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔

مولانا مودودی کے ابتدائی زندگی کے دور میں بالفور ڈیکلیریشن سامنے آنے کے بعد ہی سے مسئلہ فلسطین پوری دنیا کے مفکرین کی توجہ و نگاہ کا مرکز بنا۔ خصوصا اسلامی مفکرین نے اس مسئلہ کے حل کے لیے بھرپور آواز اٹھائی۔ کیونکہ مسلمانوں کی نظر میں سرزمین فلسطین قبلہ اول اور مسجد اقصی کی وجہ بڑی محترم ہے اور دنیا کے تمام مسلمان اس کے ساتھ جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔

[1] مودودی، ابو الاعلی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، س:ن): 4/470

مطالعہ یہودیت پر مولانا مودودی کی زیادہ تر نگارشات تفہیم القرآن میں بیان کردہ قرآنی واقعات کے ضمن میں بیان ہوئیں ہیں۔ اس ذیل میں مولانا مودودی کا اسلوب و منہج منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے خیالات کو جامع و مفصل اور عام فہم انداز میں بیان کیا بلکہ ہر قسم کے اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیا ہے۔ تاریخی روایات اور مطالعہ یہودیت کے بارے میں سید مودودی کا تحقیقی و تجزیاتی انداز حقائق سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔

مسئلہ فلسطین کا آغاز بالفور ڈیکلیریشن کے منظر عام پر آنے سے ہوا اور سید مودودی نے اس ڈیکلیریشن کو انگریزوں کی بد دیانتی کا شاہکار قرار دیا ہے۔ جو کہ مغربی تہذیب کے سیاہ کارناموں میں سے ہے۔ نیز یہودی کے دعوی ارض موعود کو تاریخی حقائق سے رد کرتے ہوئے فلسطینیوں کو اصل باشندے قرار دیتے ہیں اور بابل کی تصریحات ان کی تائید کرتی ہیں۔

سید مودودی نے تاریخی حقائق بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کے یہود پر احسانات کا تذکرہ کے ساتھ یہود کی احسان فراموشی بیان کی ہے۔ نیز انہوں نے یہود کے فلسطین پر قبضہ کے چار منصوبے بیان کیے ہیں ان میں تین منصوبے بعینہ سچ ہوئے ہیں۔ جبکہ یہود آخری منصوبہ کی تکمیل کی جانب گامزن ہیں۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے یہود نواز کردار کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ نیز سید مودودی نے مسئلہ فلسطین کا حل بیان کیا ہے جو کہ قابل عمل ہے ، پریکٹیکل ہے۔ اگر مسلمان اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں واقعی ہی آپس میں مل کر اتحاد کے ذریعہ اس مسئلہ کا حل کر لینا چاہیے۔

حاصل کلام بات یہ ہے کہ مولانا مودودی اسلامی مفکرین میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسلامی سوچ اور فکر و تدبر پر ان کے نظریات کے اثرات یقینا جنوبی ایشیاء کی حدود سے کہیں آگے اور موجودہ صدی سے کہیں بعد تک نظر آتے رہیں گے۔

فصل سوم:

ڈاکٹر اسرار احمد: تعارف وخدمات

پیدائش و تعلیم تربیت

ڈاکٹر اسرار احمد 26 اپریل 1932ء کو مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ حصار میں پیدا ہوئے۔[1]

آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق یو پی ضلع مظفر نگر تھا۔ آپ کے پڑدادا حافظ نور اللہ قصبہ حسین پور مغربی ضلع مظفر نگر کے رئیس تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر ان کے پاس پناہ لینے کے لیے آئے۔ انہوں نے اسے پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسی سبب ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ چنانچہ وہ نقل مکانی کر کے مشرقی پنجاب کے ضلع حصار آ گئے۔[2]

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ آپ کو ابتدائی تعلیم کے حصول کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کو بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا اور آپ انتہائی حساس مزاج شخصیت کے حامل تھے۔ آپ بچپن میں علامہ اقبال کی نظموں کو بڑے انہماک اور شوق سے پڑھتے تھے۔ جس سے آپ میں جذبہ ملی کی آبیاری شروع ہوئی۔ لکھتے ہیں۔

> "میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا جب میرے بڑے بھائی صاحب نے مجھے بانگ درا لا کر دی۔ جسے میں گھنٹوں کچھ سمجھے اور کچھ بغیر سمجھے ترنم کے ساتھ پڑھتا رہتا تھا۔ بانگ درا کی نظموں میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ تھیں جن میں ملت اسلامیہ کے مستقبل بارے میں ایک امید افزا نقشہ کھینچا گیا تھا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور امت مرحومہ کی تجدید کی خوشخبری دی گئی تھی"[3]

---

[1] اسرار احمد، **ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی، ایک تعارف** (کراچی، انجمن خدام القرآن، ط: اول، 2012ء):17

[2] ڈاکٹر اسرار احمد ایک یادگار انٹرویو:5

[3] اسرار احمد، **عزم تنظیم** (لاہور: تنظیم اسلامی پاکستان، ط: دوم 1991ء):9-8

علامہ اقبال کی شاعری(بانگ درا،بال جبرایل،ضرب کلیم،ارمغان حجاز)،الطاف حسین حالی کی "مسدس"اور مولاناحفیظ احمد جالندھری کی "شاہنامہ اسلام"کا مطالعہ آپ نے بچپن میں ہی کر لیا تھا۔جس سے آپ میں مسلم قوم پرستی کا جذبہ رچ بس گیا۔

1947ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ساڑھے آٹھ سو میں سے سات سو اٹھارہ نمبر حاصل کیے اور یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔[1] میٹرک تک آپ سید ابوالاعلی مودودی اور مولانا ابوالکلام کی تحریروں سے متاثر ہو چکے تھے۔

پاکستان ہجرت

1947ء میں ڈاکٹر صاحب کا خاندان سلیمانکی ہیڈورکس سے 170 میل کا فاصلہ بیس دن میں طے کر کے پاکستان میں داخل ہوا اور ساہیوال میں قیام پذیر ہوا۔[2]

اعلی تعلیم کا حصول

ڈاکٹر اسرار احمد نے 1949ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کی اور کنگ ایڈورڈ کالج لاہور سے ایم بی بی ایس 1954ء میں پاس کیا۔[3] آپ کا تعلیمی کیریئر پرائمری سے لے کر ایم بی بی ایس تک نہایت شاندار رہا۔

اسلامی جمعیت طلباء

ڈاکٹر اسرار احمد نے 1950ء میں میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور اسی دوران انہوں نے اسلامی جمعیت طلباء کی رکنیت حاصل کر لی۔ڈاکٹر صاحب کا اس رکنیت کے ساتھ ہی تحریک اسلامی سے شعوری تعلق قائم ہوا۔جس

---

[1] اسرار احمد، **عزم تنظیم**:8

[2] اسرار احمد، **تنظیم اسلامی کی دعوت**(لاہور:مکتبہ خدام القرآن،س:ن):7

[3] اسرار احمد، **عزم تنظیم**:19

کی بنیاد شاہ نامہ اسلام، مسدس حالی، اقبال کے کلام اور مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے بنی تھی۔1954ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد آپ نے اسلامی جمعیت طلباء کی رکنیت سے استعفی دے دیا۔[1]

ملازمت

ایم بی بی ایس مکمل کرنے کے بعد آپ نے 1954ء سے لے کر 1957ء تک جماعت اسلامی کی ڈسپنسری ساہیوال میں ملازمت کی۔ اس کے بعد آپ نے ذاتی پریکٹس شروع کر دی۔[2]

جماعت اسلامی سے وابستگی و علیحدگی

ڈاکٹر اسرار احمد نے 1954ء میں اسلامی جمعیت طلباء کی رکنیت سے استعفی دیا اور 15 نومبر 1954ء کو جماعت اسلامی کی رکنیت کے لیے درخواست لکھی۔ تو جماعت کے بارے ان کا نقطہ نظر یہ بیان کرتے ہوے فرمایا کہ:

"میں یہ محسوس کرتا ہوں اور آج سے نہیں بلکہ آج سے چار سال قبل سے محسوس کر رہا ہوں کہ اقامت دین میرا فرض ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس دور میں پیدا ہوا جب کہ خالصتا اقامت دین کے کام کے لیے جماعت اسلامی قائم ہو چکی ہے اور میں آسانی کے ساتھ اس میں شریک ہو کر اپنے فرض سے عہدہ برا ہونے کے لیے سعی کر سکتا ہوں۔ اس لحاظ سے میں جماعت اسلامی کے وجود کو اپنے لیے ایک نعمت متصور کرتا ہوں اس لیے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو خود کام کرنا بہر حال بس میں نہ ہوتا اور اللہ کے ہاں باز پرس کڑی ہو جاتی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ پوری دنیا میں خالص تحریک اسلامی محض جماعت اسلامی ہے (پاکستان کی بھی اور ہندوستان کی بھی)۔ البتہ دینی مقاصد کے لیے اور اچھے کام کرنے اور ادارے بھی ہیں اور جماعتیں بھی ہیں۔ پاکستان میں بھی اور باقی دنیا میں بھی۔ ان اداروں یا جماعتوں میں مجھے اس حد تک متاثر کیا ہے لیکن جماعت اسلامی کہ سوا کسی اور ادارے یا جماعت کے مقصد اور طریقہ کار کو میں خالصتا اسلامی اور ٹھیٹھ دینی نہیں سمجھتا۔"[3]

---

[1] اسرار احمد، **عزم تنظیم**:19

[2] اسرار احمد، **حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: سوم، 2005ء):8

[3] اسرار احمد، **تاریخ اسلامی کا ایک گمشدہ باب** (لاہور: تنظیم اسلامی، س:ن):170-169

فروری 1955ء کو میں آپ کی درخواست رکنیت منظور ہو گئی۔[1]

جماعت کی رکنیت کے ڈیڑھ سال بعد ہی آپ کو جماعت کی موجودہ پالیسی سے اختلافات ہو گئے۔ اسی دوران جماعت کے اندر بھی اس پالیسی کے بارے میں بے اطمینانی بڑھنی شروع ہو گئی جس کے لیے ایک جائزہ کمیٹی بنائی گئی ۔ڈاکٹر صاحب نے بھی اواخر اکتوبر 1956ء کو اپنا ایک مفصل بیان قلم بند کر کے جائزہ کمیٹی کے سپرد کر دیا۔[2]

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ 1956ء پیش ہونے سے لے کر اجتماع ماچھی گوٹھ فروری 1957ء جو اس غرض سے بلایا گیا تھا کہ ارکان جماعت پالیسی اور طریقہ کار کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لے آئندہ کے لیے اپنا لائحہ عمل طے کریں گے۔ اجتماع کے اختتام تک جماعت اسلامی میں یہ اختلاف رائے انتہائی ہنگامہ خیز بن گیا اور ڈاکٹر اسرار احمد سمیت کم و بیش 80-70 ارکان جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔[3]

تقریباً جماعت میں شمولیت کے اڑھائی سال بعد اپریل 1957ء کو آپ نے جماعت کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

> "لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں نے زندگی کا وہ نصب العین بھی ترک کر دیا جس کے حصول کے لیے میں نے جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی اور احیائے اسلام و تجدید دین اور شہادت حق اور اقامت دین کی اس جدوجہد سے بھی لاتعلقی اختیار کر لی جسے میں نے پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا"[4]

شادی

26 فروری 1955ء کو آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کی اہلیہ کا نام طاہرہ بیگم تھا جو کہ بڑی دیندار خاتون تھی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کی اہلیہ کا خاندان گوداس پور بھارت سے ساہیوال میں قیام پذیر ہو گیا تھا۔ مدرسہ

---

[1] اسرار احمد، **تاریخ جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ** (لاہور: تنظیم اسلامی، 2008ء):45

[2] اسرار احمد، **تاریخ اسلامی کا ایک گمشدہ باب**:5

[3] اسرار احمد، **عزم تنظیم**:20

[4] ایضاً:21

بنات الاسلام سے آپ کی اہلیہ محترمہ نے مولوی عالم و مولوی فاضل کا کورس کیا۔ بچپن میں دینی رجحان کی وجہ سے ساہیوال آکر جماعت اسلامی کی رکن بنی اور ڈاکٹر صاحب کی والدہ سے محترمہ ناظمہ فردوسی بیگم سے قریب ہو گئیں۔ آپ کی دینداری اور سادگی ڈاکٹر صاحب سے شادی کا سبب بنی۔[1]

کاروبار

ڈاکٹر اسرار احمد 1962ء میں کراچی کاروبار کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کاروباری شراکت کی اور انہیں فارغ البالی بھی نصیب ہوئی۔ انہوں نے اسی قیام کے دوران کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کا امتحان دیا اور اول پوزیشن حاصل کی۔ 1965ء میں کاروبار ترک کر کے ساہیوال واپس تشریف لائے۔[2]

11 نومبر 1965ء کو ان کے والد انتقال فرما گئے۔ جس کے بعد وہ اواخر 65ء میں لاہور منتقل ہو گئے۔

سفر حجاز

ڈاکٹر اسرار احمد اواخر 1970ء میں حجاز تشریف لے گئے۔ رمضان المبارک 1390ھ پورا مہینہ مدینہ منورہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد ایک ماہ کے لیے لندن تشریف لے گئے۔ لندن سے واپس حجاز آئے اور مارچ 1971ء واپس تشریف لے آئے اور واپس آنے کے بعد مطب بند کر دیا اور پوری یکسوئی کے ساتھ دعوت الی اللہ میں مگن ہو گئے۔[3]

اسلامی اداروں کا قیام

ڈاکٹر صاحب نے اقامت دین اور قرآنی فکر کو عام کرنے لیے درج ذیل ادارے قائم کیے۔

---

[1] رافعتہ الجبین، **ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت اور دینی خدمات** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن): 33

[2] اسرار احمد، **حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی**: 9

[3] اسرار احمد، **عزم تنظیم**: 26-25

1۔انجمن خدام القرآن

آپ نے 1972 میں (Servants of Bible Society) کے طرز پر ایک ادارہ انجمن خدام القرآن قائم کیا۔[1] اس کے قیام کے مقاصد علوم قرآنی کی اشاعت اور مختلف تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے وسائل مہیا کرنا تھا۔

2۔ تنظیم اسلامی کا قیام

ڈاکٹر صاحب نے 1975ء میں دین اسلام کے غلبے اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے تنظیم اسلامی قائم کی۔ آپ نے جماعت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے لیے کنوینر کے طور پر کام شروع کیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے بزرگ جو1972ء میں تنظیم اسلامی کے قیام پر متفق ہوئے تھے۔انہیں میں سے کوئی بزرگ اس جماعت کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ڈھائی سال کے باوجود کوئی بزرگ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔[2]

آخر کار اگست 1977ء میں تنظیم اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری قبول کی اور طے کیا کہ اس جماعت کی اساس قرآن و سنت اور سلف صالحین کے آثار سے ماخوذ بیعت سمع وطاعت کے اصول پر ہو گئی۔[3]

جرائد کی اشاعت

ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلامی فکر اور جدید مسائل کے ادراک کے لیے درج ذیل جرائد کا اجراء کیا۔

---

[1] اسرار احمد، **ڈاکٹر اسرار اور تنظیم اسلامی ایک تعارف**:27

[2] اسرار احمد، **تعارف تنظیم اسلامی**:17-16

[3] ایضا:19

ماہنامہ میثاق کا اجراء

ماہنامہ میثاق مولانا امین احسن اصلاحی نے جون 1959ء میں جاری فرمایا۔ بعد میں یہ ماہنامہ کچھ عرصہ بند رہا ۔ڈاکٹر صاحب نے جولائی 1966ء میں اپنی زیر ادارت اس کا دوبارہ اجراء کیا۔[1]

سہ ماہی حکمت قرآن

ڈاکٹر اسرار صاحب نے ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے ساتھ مل کر ایک جریدے حکمت قرآن کا اجراء کیا۔ پہلے یہ رسالہ ہر ماہ جاری ہوتا تھا لیکن بعد میں یہ سہ ماہی ہو گیا۔

تبلیغی و دینی خدمات

- ڈاکٹر صاحب کی قرآنی و دینی خدمات میں اولیت حلقہ ہائے دروس قرآن کو حاصل ہے۔ آپ نے 1954ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ساہیوال میں سکونت اختیار کی۔ آپ نے ساہیوال اور گردو نواح میں حلقہ ہائے دروس قائم کیے۔ 1962ء میں کراچی کاروبار کے سلسلے میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی دروس قرآنی کا سلسلہ جاری رہا۔ 1965ء میں لاہور میں مسجد خضراء سمن آباد اور مسجد شہداء میں ہفتہ وار دروس قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور لاہور کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں ماہانہ دروس قرآن کا اہتمام فرمایا گیا۔ ان دروس قرآن کے سامعین میں بڑی تعداد اعلی تعلیم یافتہ طبقہ سے تھی۔
- قیام ساہیوال میں ایک قرآنی "دار المطالعہ " قائم کیا۔ جس میں کالج میں زیر تعلیم طلباء کو رہائش فراہم کر کے انہیں عربی زبان اور قرآن حکیم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ نوجوانوں کو قرآن حکیم کی طرف لانے کی اولین کوشش تھی۔
- مطالعہ قرآن حکیم کی سورتوں پر مشتمل ایک نصاب تیار کیا۔ جسے بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ جو کہ منتخب نصاب حصہ اول و دوم پر مشتمل ہے۔ منتخب نصاب کے حصہ اول میں تصور دین اور

---

[1] اسرار احمد، عزم تنظیم:30

ایک مومن کے دینی فرائض کی وضاحت کی گئی ہے۔ جبکہ حصہ دوم میں اسلامی تحریک کے رفقاء و امیروں کے باہمی تعلقات اور تحریک کے کام کے تقاضے اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

- 1966ء میں ایک اشاعتی ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کا مقصد قرآنی مطبوعات کی نشر واشاعت تھا۔[1]
- 1972ء میں قرآن اکیڈمی قائم کی جس کا مقصد قرآن کریم میں غور و فکر، بحث تحقیق اور اس قرآنی فکر کو عام کرنا تھا۔[2]
- 1987ء میں قرآن کالج قائم کیا۔[3] اس کا مقصد عصری علوم کے ساتھ دینی علوم خصوصا قرآن حکیم کی تفہیم کا اہتمام کرنا تھا۔ اب قرآن کالج کو "کلیۃ القرآن" میں بدل کر ایک جدید اسلامی مدرسہ کی شکل دی گئی ہے۔ جہاں درس نظامی کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔
- 1973ء سے مسلسل سات سال قرآن کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا یہ کانفرنسز لاہور اور کراچی میں منعقد ہوئیں۔ بعد میں ان کا نام بدل کر محاضرات قرآنی کی اصطلاح سے مجالس کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا گیا۔[4]
- 1979ء میں محاضرات قرآنی کا آغاز ہوا۔[5] یہ لاہور اور کراچی میں منعقد ہوئے۔ اس میں ایک موضوع کا انتخاب کیا جاتا اور اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب متعدد محاضرات دیتے۔ ہر محاضرہ کے بعد اہل علم اس موضوع پر سوالات کرتے اور ڈاکٹر صاحب ان سوالات کی وضاحت فرماتے۔
- 1984ء رمضان المبارک میں مسجد جامع القرآن لاہور سے دورہ ترجمہ قرآن کا آغاز ہوا۔ صلوۃ تراویح کے میں قرآن مجید کے جتنے حصے کی تلاوت کی جاتی، پہلے اس کا ایک رواں ترجمہ اور مختصر تفسیر

---

[1] اسرار احمد، **دعوت رجوع القرآن کا منظر و پس منظر**:233

[2] ایضا:23

[3] ایضا

[4] ایضا:215

[5] ایضا

بیان کی جاتی تھی۔بعد میں قاری قرآن پاک کی تلاوت کر تا تھا۔یہ پروگرام رات دواڑھائی بجے تک جاری رہتا تھا۔

- دعوتی و تبلیغی اسفار کا آغاز 1979ء میں سفر امریکہ سے ہوا۔1984ء میں حیدر آباد دکن بھارت تشریف لے گئے۔جہاں پر مسلسل تین دن خواتین و حضرات نے کی گھنٹوں پر محیط دروس قرآن سنے۔1985ء میں ابو ظہبی کا دورہ کیا اور دروس قرآن دیئے۔2009ء میں جنوبی افریقہ میں خطابات کیے۔

سیاسی وملی خدمات

- ڈاکٹر اسرار احمد نے 1946ء-1945ء کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آپ نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بطور گورنمنٹ ہائی سکول کے طالب علم اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع حصار کے جنرل سیکٹری کی حیثیت سے انتخابی مہم میں شامل ہوئے۔[1]
- 1946ء-1945ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔اسی دور میں مسلمانان ہند کی قومی جدوجہد بھی اپنے عروج پر تھی۔ڈاکٹر اسرار احمد اس وقت میٹرک کے طالب علم تھے۔آپ مسلم لیگ کے ایک ادنی کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور تحریک پاکستان سے عملاوابستہ رہے۔آپ لکھتے ہیں:

> "1947ء-1946ء کے دوران مسلمانان ہند کی قومی جدوجہد اپنے نقطہ عروج پر تھی اور پورے برصغیر کے مسلمانوں کے اعصاب پر تحریک مسلم لیگ کا کامل تسلط تھا۔چنانچہ میں بھی پوری تندہی کے ساتھ اس سے وابستہ تھا۔اس زمانے میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ایک فعال ورکر تھا ۔اس دور میں ہمارے جذبہ ملی کے جوش وخروش کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہم فیڈریشن

[1] اسرار احمد، **استحکام پاکستان** (لاہور: تنظیم اسلامی، س:ن):42

کے کارکن روزنامہ "نوائے وقت" کے استقبال کے لیے بالعموم ریلوے سٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے۔"[1]

- پاکستان بننے کے بعد اب پاکستان میں اصل کام اسلام کا نفاذ تھا۔ جس مقصد کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے اس وقت جماعت اسلامی ایک داعیانہ کردار ادا کر رہی تھی۔ 1954ء میں آپ نے اس مقصد کے لیے جماعت اسلامی کی رکنیت حاصل کی۔[2]
- 1981ء میں ڈاکٹر اسرار احمد نے جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ میں شمولیت اختیار کی۔ لیکن دو ماہ بعد ہی استعفیٰ دے دیا۔
- 1987ء میں شریعت بل کی منظوری کے لیے حکومت کے خلاف تمام دینی جماعتیں متحد ہو گئیں تو ڈاکٹر صاحب نے بھی اس محاذ کی سرگرمیوں میں انتہائی فعال طور پر حصہ لیا۔
- 1991ء میں نظام خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کے لیے تحریک خلافت پاکستان کا آغاز کیا۔[3]
- 1997ء میں پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بھرپور مہم چلائی اور لاکھوں کی تعداد میں مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بزریعہ ڈاک بھیجا۔

وفات

ڈاکٹر اسرار احمد مورخہ 14 اپریل 2010ء کو انتقال فرما گئے۔[4] آپ کی نمازہ جنازہ آپ کے بیٹے حافظ عاکف سعید نے سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن لاہور میں پڑھائی۔ آپ کے نمازہ جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اور آپ کو قرآن اکیڈمی کے قریب قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

---

[1] اسرار احمد، **عزم تنظیم**:11

[2] اسرار احمد، **تنظیم اسلامی کی دعوت**:7

[3] اسرار احمد، **پاکستان میں نظام خلافت، کیا، کیوں اور کیسے؟**(لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط:سوم، 2005):7

[4] وسیم احمد، **ڈاکٹر اسرار احمد کا سفر آخرت**، ہفت روزہ، ندائے خلافت (لاہور، مکتبہ جدید پریس، 27 اپریل تا 3 مئی، 2010ء):8

تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد چند تصانیف کا تعارف درج ذیل ہیں۔

تفسیر بیان القرآن[1]

ڈاکٹر اسرار احمد کی خدمات قرآن میں سے ایک خدمت قرآن کریم کی تفسیر بیان القرآن ہے۔ یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ تفسیر بیان القرآن قرآن کی اس وضاحت اور تفصیل پر مشتمل ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد نے دورہ ترجمہ قرآن کے نام سے رمضان المبارک میں شروع کیا تھا۔ جس میں ہر چار رکعت تراویح سے پہلے اس میں قرأت کی جانے والی آیات کا سیاق و سباق، شان نزول، سلیس ترجمہ اور مختصر وضاحت و ضروری تشریح سننے والوں کے سامنے بیان کر دی جاتی تھی۔

اس دورہ قرآن کے پروگراموں کی ریکارڈنگ، آڈیو اور وڈیو کیسٹس اور سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی شکل میں محفوظ ہوتی رہی۔ یہ آڈیو، وڈیو سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز پوری دنیا میں فکر قرآن کو عام کرنے کا ذریعہ بنی بعد میں علمی افادیت کے پیش نظر حافظ خالد محمود خضر مدیر شعبہ مطبوعات قرآن اکیڈمی لاہور نے انجمن خدام القرآن پشاور کے تعاون سے شائع کی۔

ترجمہ و تفسیر قرآن لکھنا کسی کی بھی مفسر و مدرس کے لیے بہت بڑی سعادت ہوتی ہے ڈاکٹر اسرار صاحب کی یہ تفسیر بلند پایہ علمی تحقیق اور آیات قرآنی پر غور و فکر کا حاصل ہے۔ اردو زبان میں یہ ایک نہایت مختصر اور جامع تفسیر ہے۔

---

[1] اسرار احمد، **بیان القرآن** (پشاور، انجمن خدام القرآن، 2008ء)

رسول اکرم ﷺ اور ہم[1]

یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد کے مقالات و خطابات پر مشتمل ہے جو کہ اس اسے پہلے متفرق کتابوں اور کتابچوں میں شائع ہوئے تھے۔ مقالات و خطابات کی تعداد "نو" ہے۔ ان کتابی مقالات کو حیات رسول اللہ ﷺ کی زمانی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بیان کرنے کے ساتھ آپ ﷺ کا منہج انقلاب بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ زور دیا گیا ہے کہ ہم بھی اس اسلامی طریقہ کار کو سمجھ لیں جو کہ اسلامی تاریخ کا جامع انقلاب تھا۔ نیز اس طریقہ پر عصر حاضر میں ہم اسلامی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ ان مقالات میں کی جگہ تکرار کا تاثر ملتا ہے۔ کیونکہ یہ خطابات مختلف مقامات پر دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ تکرار پھول کا مضمون سو رنگ سے باندھوں والا معاملہ ہے۔

سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل[2]

یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو اپریل 1993ء سے جولائی 1993ء کے دوران "تفکر و تذکر" کے زیر عنوان روز نامہ "نوائے وقت" میں شائع ہوئے۔ بین الاقوامی حالات کے تناظر میں امت مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے، ہر درد مند مسلمان کے دل میں خیال ہے کہ ہم آج ذلیل کیوں ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں پورا ایک باب باندھا ہے کہ ہم آج ذلیل کیوں ہیں اور قرآن کا قانون عذاب کیا ہے۔ مزید انہوں نے سابقہ امت مسلمہ "یہود" کے دو ہزار سالہ تاریخ کے چار ادوار قائم کر کے امت مسلمہ کے چار ادوار بتائے ہیں اور آپس میں ان کی مماثلت بھی قائم کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق قرآنی آیت ضربت علیھم الذلتہ و المسکنتہ وباءوبغضب من اللہ مذکورہ آیت میں ہم اس سے مراد یہودی لیتے ہیں حالانکہ معروضی صورتحال میں ان الفاظ کے مصداق کے حامل ہم ہیں یہود نہیں۔

---

[1] اسرار احمد، **رسول اکرم ﷺ اور ہم** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 2014ء)

[2] اسرار احمد، **مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 1999ء)

بیسویں صدی میں سابقہ اور موجودہ امتوں کی تصویر کشی کرنے کے ساتھ آنے والے دور کے لیے ان کے اہداف و مقاصد بیان کیے ہیں اور آج امت مسلمہ جہاں کھڑی ہے اس پر سوالیہ نشان دیا ہے۔ آخر میں ایک فکر انگیز تبصرہ اسلام کا عالمی غلبہ یا عالمی نظام خلافت پر باندھا ہے جس سے امت مسلمہ کی امید افزائی ہوئی ہے اور ایک آرزو "چمن میں نغمہ توحید پھر سے مامور ہو گا" جنم لیتی ہے۔

فصل چہارم:

مطالعہ یہودیت پر ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات

ڈاکٹر اسرار احمد خلافت علی منہاج النبوۃ کے بڑے شعوری علمبر دار تھے۔انہوں نے اس مقصد کے لیے تحریک خلافت پاکستان کا آغاز کیا۔وہ خلافت کے قیام کے لیے حکمت عملی اور طریق کار کے سلسلے میں واضح ذہن رکھتے تھے۔جس طرح یہودیوں نے اپنے آنے والے مسیحا کے لیے حکمت عملی تیار کی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں وہ عالمی حکومت قائم کریں گے تو وہ مسلمانوں کو بھی خلافت علی منہاج النبوۃ کا شعوری ادراک دیتے ہوئے ان کو اس کے لیے عمل طور پر تیار رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کے اہم واقعات

70ء میں رومی گورنر ٹائٹس نے فلسطین پر قبضہ کر کے یہودیوں کو فلسطین بدر کر دیا تھا۔لہذا یہودی پوری دنیا میں جہاں کہیں انہیں جگہ ملی وہاں چلے گئے۔ان کو فلسطین میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔اسلام کی آمد تک عیسائیوں نے ان کو بیت المقدس میں قدم نہیں رکھنے دیا۔کیونکہ عیسائی انہیں سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔

دور عمر فاروق میں جب یروشلم فتح ہوا تو یہودیوں کو یروشلم زیارت کرنے کی اجازت دی گئی۔لیکن انہیں وہاں آباد ہونے اور جائداد خریدنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں:

> "70ء سے اعلان بالفور 1917ء تک کا دور یہودیوں کے ان کا دور انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے۔اس لیے کہ جب انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا تو یہ دنیا بھر میں منتشر ہو گئے۔جس کے جہاں سینگ سمائے چلا گیا ۔چنانچہ کوئی روس چلے گئے،کوئی یورپ چلے گئے،کوئی افریقہ چلے گئے،کوئی ہندوستان چلے آئے،کوئی ایران اور ترکی میں آباد ہو گئے۔اس طرح یہ منتشر طور پر پوری دنیا میں بس گئے۔لیکن یہ اپنی ارض مقدس کی یاد

انہوں نے اپنے سینوں میں رکھی۔ان کا یہ دور انتشار 1917ء میں بایں معنی ختم ہوا کہ اعلان بالفور کے نتیجے میں انہیں وہاں آباد ہونے کا حق دیا گیا۔"[1]

دور انتشار سے لے کر اعلان بالفور تک یہودی دنیا بھر کی خاک چھانتے رہے۔ لیکن اس عرصے میں انہوں نے اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھی۔ پہلے انہوں نے عیسائیت کے ظلم دیکھے لیکن بعد میں انہیں اسلام کے جھنڈے تلے امان نصیب ہوئی۔ جیسے ہی انہیں ارض موعود آنے کی دعوت دی گئی تو یہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر فلسطین کی طرف ہجرت کر کے آ گئے۔

فلسطین میں آباد کاری کے حق سے یہودیوں کو پہلی کامیابی حاصل ہوئی۔ان کی دوسری بڑی کامیابی کہ ان کی ریاست اسرائیل کے نام سے قائم ہو گئی اور یہ عالم عرب کے سینے میں خنجر کی طرح پیوست ہو گیا۔اب ستم ظریفی یہ کہ ان کو 1967ء میں یعنی عرب اسرائیل جنگ میں ان کے حدود اربعہ میں وسعت اور بیت المقدس کے قبضے سے تیسری بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔اور بیسویں صدی کی چوتھی کامیابی خلیج کی جنگ کے بعد ملی جب فلسطینوں سمیت تمام عرب ممالک نے اسرائیل کو اس حد تک تسلیم کر لیا کہ اس کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لیے تیار ہو گئے۔[2]

یہ عرب ممالک کے لیے توہین و تذلیل کی حد ہے کہ انہیں وہ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بٹھانے کے لیے میڈرڈ (اسپین) بلایا گیا۔اس سے پہلے میڈرڈ میں کوئی بین الاقوامی کانفرنس نہیں ہوئی۔لیکن عربوں کی توہین کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا گیا۔جہاں پر آٹھ سو سال انہوں نے حکومت کی تھی اور وہاں سے ان کے بچوں تک کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔[3] ڈاکٹر صاحب مزید وضاحت کرتے ہیں کہ:

1992ء میں اسپین میں ورلڈ اولمپک کا انعقاد کیا گیا۔دنیا بھر کے لوگوں نے اس میں شرکت کی اور ورلڈ اولمپک کو خوشی و مسرت سے منایا۔ڈاکٹر اسرار احمد 1992ء میں اسپین میں عرب اسرائیل مذاکرات کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ چونکہ 1492ء سقوطِ غرناطہ کا سال تھا۔اسلام اور مسلمانوں کے یہاں سے خاتمہ کو پانچ سو سال مکمل ہو چکے

---

[1] اسرار احمد، **عیسائیت اور اسلام** (لاہور: انجمن خدام القرآن، ط: سوم، 2007ء): 14

[2] اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل** (لاہور: انجمن خدام القرآن، ط: نہم، 2009ء): 128-127

[3] اسرار احمد، **خطبات خلافت** (لاہور: انجمن خدام القرآن، ط: دوم، 1997ء): 67

تھے۔لہذا خلیجی جنگ کے بعد عربوں کے ساتھ مذاکرات کے لیے اسپین کے دارالحکومت کو منتخب کیا گیا۔اس کا مقصد اس کے سوائے کوئی نہ تھا کہ عربوں کو"تہذیب حجازی کے مزار"کی زیارت کرائی جائے[1]

یہودیوں کی ان کامیابیوں اور عزائم کے پیچھے ایک طویل المدتی پلاننگ ہے۔دنیا کو ان کے عزائم کا پتہ اس وقت چلا جب اٹھارویں صدی عیسوی میں یہودی دستاویزات "پروٹوکولز" سامنے آئیں۔[2]ڈاکٹر اسرار صاحب کے بقول:

"پروٹوکولز"یہودیوں کا پوری دنیا پر حکومت قائم کرنے کا منصوبہ تھا۔اس دستاویز کے منظر عام پر آنے سے انہوں نے شدت کے ساتھ انکار کر دیا کہ یہ دستاویزات ہماری نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔لیکن ساتھ ہی انہوں نے پوری کوششیں کیں کہ کسی طرح اس دستاویز کے نسخہ جات ختم ہو جائیں اور دنیا میں کسی کو خبر بھی نہ ہو کہ یہودی یہ عزائم رکھتے ہیں۔"[3]

جرمنی میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر تھی۔ان کی سازشوں بارے ہٹلر کو مکمل ادراک تھا کہ یہ خوفناک عزائم رکھتے ہیں۔جنگ عظیم دوم میں جب جرمنی مختلف محاذوں پر برسرپیکار تھا تو یہودیوں نے اندرونی طور پر انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ہٹلر نے ان کی بڑی تعداد کا قتل عام کیا۔یہودیوں کے اس قتل عام پر ڈاکٹر اسرار احمد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"دوسری جنگ عظیم (1945ء-1939ء) کے دوران ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔انسانی تاریخ میں پہلے اس طرح کبھی نہیں ہوا کہ انسانی لاشوں کو تلف کرنے کے لیے پلانٹ بنائے گئے ہوں۔ایک طرف سے لوگ gas chamber میں داخل ہو رہے ہیں، کپڑے اتروا لیے گئے ہیں، ننگے داخل کیے جا رہے ہیں، مرتے جا رہے ہیں۔اس کے بعد پٹوں کے اوپر لاشیں جا رہی ہیں اور آگے جا کر مشینیں ان لاشوں کو چارے کی طرح کاٹ رہی ہیں۔بعد میں انہیں کیمیکل سے treat کیا جا رہا ہے۔اس لیے کہ اتنی لاشوں کو ٹھکانے کیسے (dispose off) لگایا جائے۔کون اتنی قبریں کھودے اور کون جلانے کی مصیبت اپنے سر لے۔آخر ان

---

[1] اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل**:121

[2] محمد یحیٰ خان، مترجم، **یہودی پروٹوکولز**(، مکتبہ:ن، س:ن):13

[3] اسرار احمد، **خطبات خلافت**:69

پلانٹوں سے ایک سیاہ بدبودار مائع نکلتا تھا جس سے وہ اپنے کھیتوں میں کھاد کے طور پر پہنچا دیتے تھے۔ یہ سب اس صدی کی بات ہے!!"[1]

عصر حاضر میں تحقیق کار یہودیوں کے قتل عام (ہالوکاسٹ) کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ یہودیوں نے امریکہ وبرطانیہ کو اپنی ہمدردیاں جتوانے کے لیے جھوٹا پروپیگنڈا کیا ہے۔

بیسویں صدی: یہود اور امت مسلمہ

اللہ تعالی نے ایمان اور عمل صالح کرنے والے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

"﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾"[2]

ترجمہ: "تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالی وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔"

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو بھی خلافت عنایت فرمائی تھی اور ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

[1] اسرار احمد، **خطبات خلافت**: 53

[2] سورہ النور: 55

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا"

ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت طالوت سے لے کر حضرت سلیمان تک کا دور جو تقریبا ایک سو برس پر محیط ہے۔ سابقہ امت مسلمہ کی خلافت راشدہ کا دور ہے۔ لیکن انہوں نے بحیثیت مجموعی طور پر اللہ کی نافرمانی کی تو خلافت ان سے لے لی گئی۔ مندرجہ بالا آیت سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ یہ خلافت یا حکومت موجودہ امت مسلمہ کو اسی طرح عطا کی جائے گی جس طرح اس سے پہلے امت مسلمہ کو (بنی اسرائیل) کو عطا کی گئی تھی۔[2]

اب خلافت امت مسلمہ کو عنایت کر دی گئی اور خلافت راشدہ کا دور امت مسلمہ کا مثالی دور تھا۔ اس کے بعد بنو امیہ کے دور حکومت میں ملوکیت در آئی۔ یعنی اقتدار کی منتقلی اور دولت کی تقسیم کا نظام بدل گیا۔ لیکن اس ملوکیت مین کم از کم نظری طور پر کتاب و سنت کی مکمل بالا دستی تسلیم کی جاتی تھی۔ خلافت بنو عباس اور خلافت عثمانیہ میں بھی یہ بالا دستی قائم رہی۔

خلافت بنو امیہ سے خلافت ملوکیت میں بدلی تو یہ ملوکیت مسلم تھی۔ خلافت بنو امیہ میں واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ ہوا اور حجاج بن یوسف نے بہت سے تابعین کو شہید کیا۔ دور بنو عباس کا تعیش اور رقص و سرود کی محفلیں اپنی مثال آپ ہے۔ پھر امت مسلمہ عذاب الہی کی گرفت میں آگئی اور ہم پر غیر مسلم ملوکیت مسلط کر دی گئی۔ یہ مغربی استعماریت تھی۔ ہم برطانیہ کے غلام، فرانس کے غلام، اٹلی کے غلام اور ولندیزیوں کے غلام ہوتے چلے گے۔[3]

ڈاکٹر اسرار احمد اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

---

[1] سورہ ص:26

[2] اسرار احمد، **خطبات خلافت**:18-17

[3] ایضا:34

"دین پر ہمارا عمل جزوی ہے۔لہذا ہم (خزی فی الحیات الدنیا) اور (ضربت علیھم الزلتہ والمسکنتہ) کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔اس کی عملی مثال کبھی یہودی تھے۔آج ہم ہیں۔دوسری بات یہ سمجھ لیجیے کہ جو امت حامل کتاب ہوتی ہے، شریعت الٰہی کی حامل ہوتی ہے اور اللہ کے رسول کی مدعی ہوتی ہے۔وہ زمین پر اللہ کی نمائندہ ہوتی ہے۔اگر وہ اپنے عمل سے غلط نمائندگی کرے تو کافروں سے بڑھ کر مجرم ہے۔اس وجہ سے آج ہم عذاب الٰہی کی گرفت میں ہیں۔اور عذاب الٰہی کی یہ گرفت ڈھیلی نہیں پڑے گی، ہلکی بھی نہیں ہو گی، سخت سے سخت تر ہوتی چلی جائے گی۔جب تک کسی ایک قابل ذکر ملک میں اللہ کے نظام کو قائم کر کے پوری دنیا کے لیے فرض کفایہ ادا نہ ہو جائے کہ بھی دیکھو، یہ ہے اسلام۔"[1]

عصر حاضر میں آج پوری امت مسلمہ زبوں حالی کا شکار ہے اور انہیں ہر طرف سے خطرات و خدشات نے گھیر اہوا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد ان حالات کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس وقت پورے عالم کے جو حالات ہیں۔ان سے یہی معلوم ہو تا ہے کہ ذلت ورسوائی کے یہ سائے ابھی اور گہرے ہوتے جائیں گے۔اللہ تعالی کے عذاب کے کوڑے جو ہماری پیٹھ پر برسے ہیں۔وہ ہمیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کر سکے۔جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا، جیسی کچھ عربوں کو یہودیوں کے ہاتھوں شکست و ہزیمت ہوئی اور مسجد اقصی ہمارے ہاتھ سے نکلی۔۔۔اس کا تو آج ہمارے بہت سے لوگوں کے ذہن میں خیال بھی نہیں رہا ہو گا۔جب شروع شروع میں یہ واقعہ ہوا تھا تو بڑی بے چینی تھی، بڑے جلسے جلوس تھے، قراردادیں پاس کی جاتی تھیں، عالمی رائے عامہ بیدار کرنے کی کوششیں ہوتی تھیں، لیکن آج صوتحال یہ ہے کہ ہم قبلہ اول پر یہودیوں کا قبضہ ذہنی طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔"[2]

لیکن ڈاکٹر اسرار احمد امت مسلمہ کی اس ذلت ورسوائی کو دائمی نہیں سمجھتے۔یہود اور امت مسلمہ کی یہ ذلت و مسکنت اللہ تعالی کا عذاب ہے لیکن اس میں فرق و تفاوت یہ ہے کہ سابقہ معزول، مغضوب اور ملعون امت یعنی یہود پر اللہ کے عذاب اکبر کے فیصلے کا نفاذ ہو گا۔جو حضرت مسیحؑ کی تکذیب کی وجہ سے ان پر نافذ ہو گا۔لیکن اللہ تعالی نے ایک خاص سبب کی وجہ سے یہ عذاب ان سے موخر کیا ہوا ہے۔جبکہ امت مسلمہ چونکہ آخری امت ہے لہذا اس

---

[1] اسرار احمد، **قرآن کا لائحہ عمل** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن):47

[2] اسرار احمد، **عظمت قرآن** (لاہور: تنظیم اسلامی، ط:ہفتم، 2011ء):23

کے جرائم کی بقدر سزا دے کر ان کو توبہ کی توفیق اور اصلاح کا موقع دیا جائے گا۔ جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور دین حق کے غلبے کا دور ثانی شروع ہو گا۔[1]

یہودیت اور مسیحیت

حضرت عیسیٰؑ کی مصلوبیت کے واقعہ سے پوری عیسائی دنیا یہود کی مخالف ہو گئی تھی۔ پہلے یہودیوں نے رومی حکمرانوں کے ساتھ مل کر عیسائیت پر ظلم و ستم کیے۔ قسطنطین کے قبول عیسائیت سے، عیسائیت سرکاری مذہب ہو گیا۔ اب عیسائیوں نے یہودیوں سے وہ تمام بدلے لیے۔ جس طرح وہ ان پر ظلم کرتے رہے تھے۔ آغاز اسلام تک ان میں چھ سو سال پرانی عداوت و دشمنی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کا معاملہ بد ترین دشمنی کا رہا۔ لیکن عیسائیوں کا معاملہ قدرے نرمی کا تھا۔ نجاشی حبشہ، قیصر روم ہرقل اور مقوقس مصر کے معاملہ کی بابت یہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کے ساتھ عیسائیوں کا معاملہ یہودیوں کے برعکس دشمنی کا نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجے میں تعاون کا رہا۔

حضرت عمر کے دور میں فتح بیت المقدس کے بعد عیسائیوں نے جو اس وقت فلسطین پر حکمران تھے۔ جنگ کے بغیر یروشلم مسلمانوں کے حوالے کیا تھا اور مصالحت کی شرائط میں یہ ایک شرط بھی رکھوائی تھی کہ یہاں آباد ہونے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

فتح اسپین میں یہودیوں نے مسلمانوں کی بھرپور مدد کی۔ تو اس کے نتیجے میں ان کو اسپین میں تحفظ اور وقار حاصل ہوا۔ ان کا سازشی ذہن جاگ اٹھا اور انہوں نے عیسائیوں میں تفرقہ پیدا کرنا شروع کیا۔ حصول علم کے لیے اسپین میں آنے والے عیسائیوں کو وہاں پر مقیم یہودیوں نے آزاد خیالی اور حریت فکر کے نام پر بائیبل سے برگشتہ کرنا

[1] اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل**:113

شروع کیا اور ان خیالات کے ذریعے انہوں نے تفرقہ پیدا کیا۔ چنانچہ عیسائی دو فرقوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں تقسیم ہو گئے۔ اس طرح گویا یہودیوں نے عیسائیوں سے ان کے تشدد اور تعذیب کا بدلا لیا۔[1]

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک یہودیوں کی اہم ترین فتح یہ ہے کہ:

"انہوں نے پوپ کو رام کر کے ایک فرمان جاری کروالیا ہے کہ یہودی خداوند یسوع مسیح کو صلیب دینے کے مجرم نہیں ہیں۔ اس طرح پوپ نے اس معاملہ میں ان کی براءت کا اعلان کر دیا یعنی آج کے یہودی اس جرم میں شریک نہیں ہیں۔ یہ جرم حضرت مسیحؑ کے دور کے یہودیوں کا ہے۔"[2]

حالانکہ یہودیوں نے اپنے اسلاف سے کے کسی اقدام یا عمل کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کو اپنائے ہوئے ہے۔ جو قوم خود اپنے اسلاف کی تقلید کیے ہوئے ہے اور ان کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ جو خود اسلاف کی تقلید کو نہیں چھوڑ رہے تو عیسائیوں نے ان کی براءت کیسے کر دی۔؟

مزید لکھتے ہیں کہ:

"ابھی حال ہی میں فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے مابین صلح کی جو گفتگو شروع ہوئی تھی۔ اس ضمن میں واشنگٹن سے واپس آتے ہوئے اسحاق رابین روم میں رکے اور پاپائے روم کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔ جس میں انہوں نے حضرت سلیمانؑ کے دور کے عہد کا ایک جگ پوپ کو تحفے کے طور پر پیش کیا کہ تین ہزار برس تک ہم نے اس کی حفاظت کی ہے۔ اب اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ دوسری طرف اب ویٹی کن نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے اور اب یروشلم میں اس کا سفارت خانہ قائم ہونے والا ہے اور پاپائے روم بہت جلد یروشلم کا دورہ کرنے والے ہیں۔ یہ اب تک ان کی آخری فتح ہے کہ جو یہودیوں نے عیسائیت پر حاصل کی ہے۔ نتیجتاً اب صورت یہ بن گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے۔"[3]

ان کے گٹھ جوڑ کے متعلق قرآن حکیم نے حبل من الناس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

---

[1] اسرار احمد، **عیسائیت اور اسلام**:16

[2] اسرار احمد، **عیسائیت اور اسلام**:20

[3] ایضاً:21

"﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾"[1]

ترجمہ: "ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ اللہ تعالی کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں، یہ غضب الہی کہ مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی، یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالی کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے، یہ بدلہ ہے ان نافرمانیوں اور زیادتیوں کا۔"

یہودیوں کو حبل من الناس کے زمرے میں عیسائیوں کا سہارا مل گیا اور یہ یہودیوں کے آلہ کار بن گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ

"عیسائیوں کے بہت سے فرقے اسرائیل کے حامی ہیں۔ ان میں ایک پروٹسٹنٹ فرقہ ہے۔ جس کا پہلے امام برطانیہ تھا اب امریکہ ہے اور یہ ایک نسل ہے جس کو WASP(White Anglo Saxon Protestants) کہتے ہیں۔ یہ سب یہود کے پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ بلکہ اس وقت یہ مذہبی یہودیوں سے بھی زیادی اسرائیل کے حمایتی ہیں۔ ایک طرف پروٹسٹنٹ، خاص طور پر The Baptists اور اخص الخواص کی حیثیت سے The Evengelists جن کی امریکہ کے اندر اکثریت ہے اور وہ اسرائیل کی حمایت کر رہے ہیں۔"[2]

یہود کی معاشی برتری

یہود جو کہ پوری دنیا کے 0.18٪ ہیں اور ان کی آبادی 14.7 ملین ہے۔[3] جبکہ مسلمانوں کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ لیکن روئے زمین پر معاشی لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط یہی ہیں۔ دنیا میں معاشی طور پر مضبوط ہونے کے لیے مادہ پرستانہ فکر کی داغ بیل بھی یہودی ذہن کی کرشمہ سازی ہے۔ عریانی، فحاشی، اور جنسی بے راہ روی جو ناسور کی طرح پھیل گئی ہے اس کی ترویج کے پیچھے بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ داروں کا

---

[1] آل عمران: 112

[2] اسرار احمد، **موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: اول، 2013ء): 29-28

[3] Dellapergda,Sergio,*World Jewish Population*,Berman Jewish Detabank,Newyork,2017:6

ہے۔ مغرب کے بہت سے ممالک کے ذرائع ابلاغ، اخبارات ورسائل، ریڈیو، ٹی وی، اور فلمی صنعت پر زیادہ تر ان کا قبضہ ہے اور یہی حال بڑی صنعتوں اور بینکاری کا ہے۔ جن اداروں یا صنعتوں پر ان کا قبضہ نہیں ہے وہ ان کے زیر اثر ہیں اور مختلف حکومتوں کے ایوانوں میں یہ بہت با اثر ہیں اور اہم اور کلیدی نوعیت کے عہدوں پر فائز ہیں۔[1]

دوسری طرف یہودیوں نے سونے چاندی کی بجائے کاغذی کرنسی، بینکوں کے سلسلے، انشورنس اور اسٹاک ایکسچینج جیسے جال دنیا پر مسلط کر کے دنیا کی دولت کے بڑے حصے پر غالب ہو چکی ہیں۔ عالمی معاشیات کا لیور یا ہینڈل ان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ جب، کس وقت اور جیسے چاہیں مالی بحران پیدا کر کے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں۔ سویت یونین کا خاتمہ صیہونیت کی ہی مرہون منت ہے۔ لیکن یہ معاشی وسیاسی اثرورسوخ پس پردہ اور عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔[2]

یہودیوں نے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو آلہ کار بنا کر پورے یورپ میں سود کی اجازت حاصل کی۔ حالانکہ پوپ کے نظام میں مہاجنی سود اور تجارت میں کمرشل انٹرسٹ دونوں حرام تھے۔ سود پر مبنی سب سے پہلا بینک "بینک آف انگلینڈ" برطانیہ میں قائم ہوا۔ چنانچہ سود کے ذریعے یہودیوں نے پورے یورپ کو جکڑ لیا۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ پوری نوع انسانی اور ان کے وسائل ان کے قبضے میں آجائیں۔ فنانشل کلونیلزم کے لیے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف جیسے ادارے اس لیے وجود میں لائے گے۔[3]

فنانشل کلونیلزم سے مراد معاشی اجارہ داری قائم کرنا ہے ان کے ہتھکنڈوں بارے ڈاکٹر اسرار احمد کا کہنا ہے کہ:

---

[1] اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل**:102

[2] ایضا:7

[3] اسرار احمد، **بصائر** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن):11

"ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ کہ سازش کر کے حکومتوں کو آپس میں لڑاتے، پھر حکومتوں کو ہتھیار خریدنے کے سرمائے کی ضرورت پڑتی تو انہیں قرض دیتے۔اب جو قرض کے جال میں بندھ گئے ان سے جو چاہو کروا لو۔"[1]

امریکہ بھی برطانیہ کی طرح یہودی بینکرز کے قبضے میں ہے۔یہاں پر بینک آزاد اور خود مختار ہیں یعنی حکومت کے تابع نہیں ہیں۔امریکی معیشت اس وقت سخت بحران کا شکار ہے۔دنیا کی سب سے مقروض دار حکومت اس وقت امریکہ کی ہی ہے۔امریکی معیشت کا لیور یہود کے ہاتھ میں ہے اور اسے یہ جب چاہیں ایک جنبش میں ختم کر سکتے ہیں۔[2]

یہود خود کو خدا کے برگزیدہ بندے سمجھتے ہیں-(We are the chosen people of the Lord)وہ اپنے آپ کو پورے انسان سمجھتے ہیں اور باقی انسانوں کو Gentilesیا Goyims سمجھتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ہمارا حق ہے کہ ان Gentilesاور Goyims کو جس طرح چاہیں لوٹیں، جس طرح چاہیں ان سے خدمت لیں اور ان کا خون چوسیں۔یہ ان کی فقہ کی کتاب تالمود میں ہے کہ Gentiles کو دھوکہ دینا، ان کو لوٹ لینا، ان کا مال چوری کر لینا، ان کو قتل کرنا، ان کا خون چوسنا اور ان کا استحصال کرنا یہودیوں کا حق ہے۔چنانچہ یہ اپنے معاشی پروگرام کے ذریعے پوری دنیا کا سرمایہ سود کی شکل میں کھینچ رہے ہیں۔ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور بڑی بڑی ملٹی نیشنل کارپوریشنز وغیرہ ۔یہ سب کچھ اسی مقصد کے لیے ہے کہ پوری دنیا مزدوروں میں تبدیل ہو جائے اور وہ بس کام کریں اور یہ ان کا معاشی استحصال کریں۔[3]

یہودی ایجنڈے

پوری دنیا پر یہودی مالیاتی شکنجے کے ذریعے قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔لہذا اس کے لیے ان کا ایک مخصوص پانچ نکاتی ایجنڈا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

---

[1] اسرار احمد، **عیسائیت اور اسلام**:18

[2] اسرار احمد، **خطبات خلافت**:36

[3] اسرار احمد، **موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل**:25-24

(۱)۔ان کے بقول "شر کی قوتوں" کے خلاف عظیم جنگ ہونی چاہیے، جس سے ان کے مذہبی لٹریچر میں آرمیگاڈون کا نام دیا گیا ہے۔

(۲)۔ آرمیگاڈان کے نتیجے میں گریٹر اسرائیل قائم ہونا چاہیے۔

(۳)۔ پھر مسجد اقصی اور گنبد صخرہ[1] کو گرادینا چاہیے۔

(۴)۔ مسجد اقصی کی جگہ تھرڈ ٹیمپل بنایا جائے۔ جو 1000 ق م میں حضرت سلیمانؑ نے بنایا تھا۔ مگر بعد ازاں بخت نصر نے اسے تباہ کر دیا۔ پھر اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ مگر 70ء میں اسے ٹائٹس رومی نے برباد کر دیا تھا، تب سے یہ آج تک گرا پڑا ہے۔

(۵)۔ تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنے کے بعد اس میں تخت داؤدی لا کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ ایک پتھر ہے۔ جس پر بٹھا کر حضرت داؤدؑ کی تاج پوشی کی گئی تھی۔ بعد ازاں اس پر حضرت سلیمانؑ کی تاج پوشی کی گئی اور اسے ہیکل سلیمانی میں رکھا گیا۔ جب کے ٹائٹس نے یروشلم کو تاراج اور ہیکل سلیمانی کو برباد کر دیا۔ تو واپس جاتے ہوئے وہ اس پتھر کو اپنے ساتھ روم لے گیا۔ روم سے یہ پتھر آئرلینڈ، وہاں سے سکاٹ لینڈ اور وہاں سے انگلینڈ لایا گیا، یہاں پارلیمنٹ کے سامنے واقع چرچ میں رکھ دیا گیا اور ایک کرسی میں فٹ کر دیا گیا۔ اسی کرسی پر تمام انگریز بادشاہوں کی تاج پوشی ہوتی ہے۔[2]

اسی طرح صیہونی یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک پانچ نکاتی مشترکہ ایجنڈا ہے۔ چونکہ عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ فرقہ یہودیوں کا آلہ کار ہے۔ لہذا یہ لوگ Christian Zionist کہلاتے ہیں۔ جبکہ یہودی Zionist کہلاتے ہیں۔ ان کا مشترکہ پانچ نکاتی ایجنڈا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں تھرڈ ٹیمپل کی تعمیر کے بعد جو عالمی حکومت قائم ہو گئی۔ اس کے بعد اختلاف ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے مسیحا یعنی حضرت عیسیٰؑ آئیں گے اور اس

---

[1] گنبد صخرہ مسجد اقصی کے صحن میں واقع ہے یہ گنبد حضرت عمر فاروقؓ نے بنوایا اور اس کے قریب براق باندھنے کی جگہ پر ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔

[2] اسرار احمد، **سیرت خیر الانام** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن):75

تخت پر بیٹھ کر حکومت کریں گے۔ جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارا میسایاح (Messiah) آئے گا اور اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کرے گا۔[1]

اکیسویں صدی اور مستقبل کی پیشن گوئیاں

نائن الیون

11 ستمبر 2001ء کو امریکی شہر نیویارک میں واقع ایک عمارت جس کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر کہتے تھے۔ اس کی سو سے زائد منزلیں تھیں اور یہ عمارت امریکی سرمایہ درانہ برتری کی علامت تھی۔ چار فضائی طیارے اغواء کر کے اس ٹکرا دیئے گئے۔ جس سے یہ عمارت بالکل تباہ ہو گئی اور ہزاروں لوگ جان کی بازی ہار گئے۔ اس واقعہ کو نائن الیون واقعہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

اس واقعہ کی تمام ذمہ داری اسامہ بن لادن اور القاعدہ پر ڈال دی گئی۔ حالانکہ یہ واقعہ کرنے والے یہودی تھے۔ اب میں اب اس کے بارے تحقیق نہیں ہو رہی کہ یہ واقعہ کس نے کیا تھا۔ ابتداء میں کاروائی ہوئی تھی لیکن بعد میں مزید کاوائی نہیں کی گئی۔ کیونکہ سارے قرائن و شواہد اسرائیل تک پہنچ رہے تھے۔[2]

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نائن الیون واقعہ کی اصلیت بتاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

> "امریکہ میں 11 ستمبر کا واقعہ اسرائیل کی "موساد" نے ہی امریکہ میں بہت اعلی مناصب پر فائز یہودیوں کے تعاون سے کرایا۔ جو وہاں کی انتظامیہ کے اندر گھسے ہوئے ہیں، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا۔ امریکہ کے حکمرانوں میں سے ایک بہت بڑے ذمہ دار شخص نے یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ اسامہ کے پاس کوئی ایسا سازوسامان نہیں ہے کہ وہ 11 ستمبر والا واقعہ کر سکے۔ یہ بات اس وقت میں نے بھی کہی تھی کہ ایسی مہم جوئی اسامہ کے لیے ممکن نہیں۔ اب تو اس پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن وہ ان چیزوں کو منظر عام پر نہیں آنے دیتے۔ اس فیصلے کے اندر امریکی حکومت کے لوگ موساد کے ساتھ شامل تھے۔ جہاز نے جیسے ہی ٹیک آف کیا تھا ایک گیس چھوڑی گئی تھی جس سے پائلٹ اور مسافر سب ہلاک ہو گئے اور اس جہاز کے اندر ایک

[1] اسرار احمد، **توبہ کی عظمت اور تاثیر** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: اول، 2011ء): 62-61

[2] اسرار احمد، **بصائر**: 76

کمپیوٹرائزڈ پروگرام پہلے ہی رکھا جا چکا تھا کہ جیسے ہی پائلٹ ختم ہو وہ کمپیوٹر جہاز کا پورا نظام کنٹرول کرے گا اور اس میں سارا پروگرام جہاز کو کہاں جانا ہے اور کہاں ٹکرانا ہے پہلے سے feed کر دیا گیا تھا۔ بہر حال یہ 11 ستمبر کا واقعہ یہودیوں کا کیا ہوا ہے۔ لیکن طاقتور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس کا رخ فورا "القاعدہ" کی طرف پھیر دیا گیا۔ اور میں نے تو القاعدہ کا لفظ پہلی بار صدر بش کی زبان ہی سے سنا تھا۔ ورنہ میرے علم میں ہی نہیں تھا کہ یہ کونسی تنظیم ہے اور اس کا صغری کبری کیا ہے۔"[1]

آخری صلیبی جنگ(The Last Crusade)

اس واقعہ کے بعد دہشت گردی کی آڑ میں افغانستان اور عراق پر حملے کر دیئے گئے۔ ان کا منصوبہ آخری صلیبی جنگ شروع کرنے کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں دو حوالے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس وقت صدر بش نے اس جنگ کو Crusade قرار دیا تھا۔ پھر اس کا ایک اور ثبوت پیش کرتے کہ امریکہ میں امریکہ میں پروٹسٹنٹس عیسائیوں میں سے وہ جو زیادہ فعال اور بائبل کی نشرواشاعت اور تشریح وتوضیح کرنے والے ہیں (Evangelists) کہلاتے ہیں۔ ان کا ایک ماہنامہ رسالہ فلاڈلفیا سے نکلتا ہے۔ جس کا نام(The Philadelphia Trumpet) ہے۔ نائن الیون سے ایک ماہ قبل اس کے اگست 2001ء کے شمارے کے ٹائٹل پر لکھا ہے۔

"The Last Crusade:Most people think the crusades are a thing of the past-over forever.But they are wrong.Preparations are being made for a final crusade,and it will be the bloodiest of all."[2]

ترجمہ:" آخری صلیبی جنگ۔ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صلیبی جنگیں ماضی کی بات تھی، اب یہ ختم ہو چکی ہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ آخری صلیبی جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ جنگ تمام جنگوں سے زیادہ خون ریز ہو گی۔"

---

[1] اسرار احمد، موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل:64

[2] اسرار احمد، سیرت خیر الانام:41-40

گریٹر اسرائیل

نائن الیون دراصل یہود کی عالمی حکومت کی طرف ایک بڑا قدم تھا ڈاکٹر صاحب مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

دراصل 1897ء میں صیہونی اکابرین (Elders of the Zion)[1] نے پروٹوکولز کا جو نقشہ بنایا تھا۔ وہی تدریجاروبعمل آرہاہے۔ 1917ء کا اعلان بالفور پھر 1948ء میں قیام اسرائیل، 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ اور اسرائیل کی فتح یہ سارے واقعات اس تدریجی عمل کا حصہ ہیں۔ اس کو New World Order کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب امید افزاء بات یہ بتاتے ہیں کہ کہ New World Order ایک دفعہ قائم ہو گا لیکن قائم ہونے کے بعد اس کو Just World Order of Islam میں بدلنا اگلا قدم ہو گا یعنی اس نئے عالمی نظام کو قائم ہونے کے بعد عالم نظام اسلام کی طرف لانا صرف ایک Shift over کی بات رہ جائے گی۔[2]

یہود کی روایات اور عہد قدیم میں پیشن گوئیاں موجود ہیں کہ بنی اسرائیل کی ذلت و مسکنت کی نجات کے لیے ایک مسیحا آئے گا۔ جو انہیں ارض مقدس فلسطین پر دوبارہ غلبہ اور تمکن عطا کرے گا۔ مکابی سلطنت کے زوال کے بعد بنی اسرائیل جب یونانیوں اور رومیوں کی محکومی میں آئی تو یہ اپنے مسیحا کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب وہ مسیح موعود عیسی ابن مریمؑ کی صورت میں تشریف لائے تو یہودیوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں صلیب پر چڑھادیا۔ اللہ نے حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، اس وقت سے ان کے مسیح کی جگہ خالی ہے اور اب وہ اپنے مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہ وہ آئے اور عالمی حکومت قائم کرے۔ دراصل نیو ورلڈ آرڈر عالمی نظام حکومت قائم کرنے کی طرف اقدامات ہیں۔[3]

---

[1] یہود کی دربدری اور ان کی عظمت رفتہ کی بحالی کی فکر کرنے والے وہ 300 اکابرین جنھوں نے پروٹوکولز کو مرتب کیا۔ ان کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

[2] اسرار احمد، **خطبات خلافت**:45-44

[3] اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل**:127

ڈاکٹر اسرار احمد موجودہ عالمی حالات کے پیش نظر پیشن گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اب وہ دور نہیں ہے کہ یہودی مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کریں۔ مسلمان ممالک میں سے کوئی بھی ان کے راستے میں مزاحم نہیں ہوگا۔کیونکہ انہوں نے بابری مسجد گراکر مسلمانوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیاہے کہ ان میں اب کوئی جان باقی نہیں ہی ہے۔

مسجد اقصیٰ کے انہدام کے لیے یہودی پرچار کر رہے ہیں کہ ان کا تابوت سکینہ اور تورات کا اصل نسخہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ایک سرنگ میں موجود ہے۔جب 587ق م بابل کے بادشاہ بخت نصر(Nebuchadnezzar) نے ہیکل سلیمانی کو گرایا تو وہ نسخہ اسی ملبے میں دفن ہو گیا اور وہاں ہیکل کے ربائیوں کی لاشیں بھی موجود ہیں۔جب ہم خدائی کریں گے تو سب چیزیں سامنے آجائیں گی۔[1]مسجد اقصیٰ کے انہدام کے بعد ان کا اگلا قدم گریٹر اسرائیل کا قیام ہے۔یہ گریٹر اسرائیل ان تمام علاقوں پر مشتمل ہے۔جہاں کبھی یہودی آباد تھے۔وہ فلسطین،شام جو ان کی ارض موعود ہے،ترکی کا مشرقی حصہ ، مصر کا ڈیلٹا، عراق جس میں انہوں نے اسیری کے دن گزارے ہیں، سعودی عرب کا شمالی حصہ جس میں خیبر ہے جہاں یہودیوں کے قلعے تھے اور مدینہ منورہ جہاں ان کے تین قبیلے آباد تھے۔وہ ان علاقوں کو اپنے علاقے میں شامل کرنا چاہتے ہیں اور اسی طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔[2]

اگلے صفحہ پر نقشہ دیا گیاہے۔

[1] اسرار احمد، **توبہ کی عظمت اور تاثیر**:18

[2] اسرار احمد، **موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل**:27-26

گریٹر اسرائیل کا نقشہ [1]

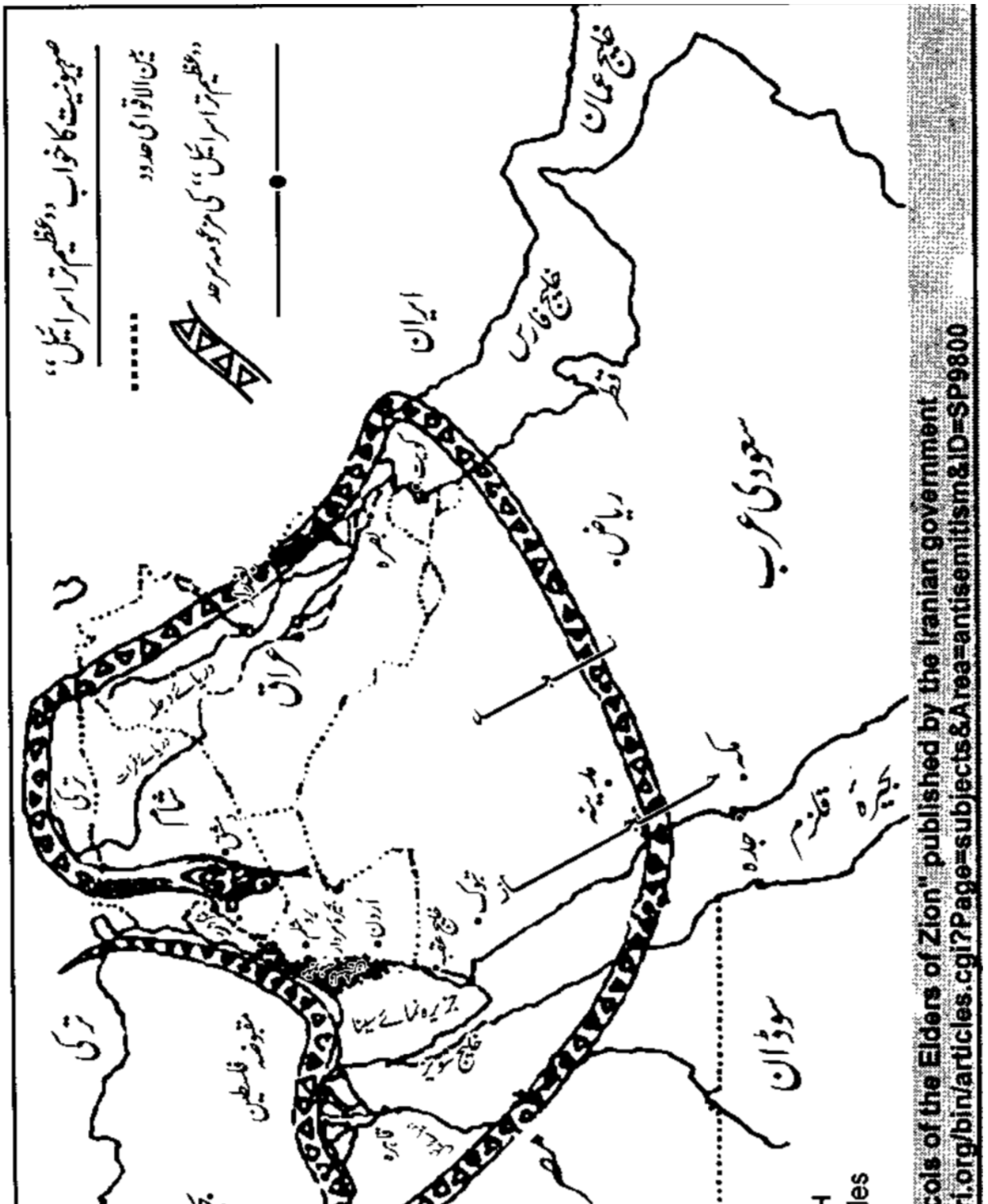

[1] اسرار احمد، موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل:28

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں اور امتوں کی رہنمائی کے لیے اپنے انبیاء و رسل بھیجے۔ تاکہ وہ ان کو دعوت و تبلیغ کے ذریعے خدا کی طرف بلائیں۔ پھر اگر ان قوموں یا امتوں نے بحیثیت مجموعی ان کی دعوت کو رد کر دیا اور صراط مستقیم پر نہ چلے تو ان رسولوں اور ان پر ایمان لانے والے چند نفوس کو بچا کر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ اس عذاب کو عذاب استیصال یا عذاب اکبر کہتے ہیں۔ یہ عذاب قوم نوحؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ اور آل فرعون پر نازل ہوئے کیونکہ انہوں نے جملہ رسولوں کی تکذیب کی تھی۔

ڈاکٹر اسرار احمد یہودیوں پر عذاب استیصال نہ نازل ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ یہودیوں کی طرف حضرت عیسیٰؑ رسول بنا کر بھیجے گئے تو انہوں نے حضرت مسیح کی دعوت کو رد کر دیا۔ بلکہ اپنی طرف سے ان کو سولی پر چڑھا دیا یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ لہٰذا اس وقت سے یہ قوم عذاب استیصال کی مستحق ہو چکی ہے۔ لیکن ایک خاص وجہ سے اس قوم پر اس طرح کے عذاب کی نہ اس وقت تنفیذ ہوئی نہ اب تک ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کی صورت میں ان کو رحم کی اپیل (Mercy Appeal) کا موقع دیا تو انہوں نے ی بھی گنوا دیا۔ لیکن اس کے باوجود ان پر عذاب اکبر کی Execution نہیں ہوئی۔ کیوں نہیں ہوئی؟ یہ اس داستان کا تلخ حصہ ہے۔ اس لیے کہ پہلے موجودہ مسلمان امت کے افضل حصہ (عالم عرب) کی پٹائی اس مغضوب و ملعون قوم کے ہاتھوں کروانی ہے۔[1]

مزید خوبصورت دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ نزول عیسیٰؑ کے لیے دلیل ہے۔ حضرت مسیحؑ قرب قیامت میں جناب محمد ﷺ کے امتی کی حیثیت سے نزول فرمائیں گے اور ان شاء اللہ انہی کے ہاتھوں تمام یہودی عذاب استیصال و ہلاکت کا مزہ چکھیں گے۔[2]

ڈاکٹر اسرار احمد یہود پر عذاب کی مزید دو صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] اسرار احمد، **خطبات خلافت**: 51-50

[2] اسرار احمد، **قرآن حکیم اور ہم** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: چہارم، 2015ء): 443

"یہود کا "دورِ انتشار" جو 70ء سے شروع ہوا، جس کے بعد یہود پوری دنیا میں دربدر ہو گئے تھے، جہاں جس کے سینگ سمائے چلا گیا، لیکن مختلف ممالک میں پہنچ کر انہوں نے اپنے اڈے بنا لیے اور جم کر بیٹھ گے۔ اب یہود کو ختم کرنے کے لیے یا تو پوری دنیا پر عذاب لایا جائے یا ان سب کو کہیں سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ یہی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔"[1]

مزید بیان فرماتے ہیں کہ:

یہود کی جو سزا مؤخر تھی اس کی تنفیذ کا وقت بھی قریب آ چکا ہے۔ میں ان حقائق کو حکمت قرآن کی بنیاد پر مانتا ہوں۔ احادیث ان کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں عقل و منطق بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔ آپ غور کریں یہود کو کون ختم کر سکتا ہے؟ اسرائیل کے پاس کتنے ایٹم بم موجود ہیں؟ مسلمان ممالک میں سے کسی کے پاس ایک بھی نہیں۔ دنیا کو کچھ پاکستان پر شک ہونے لگا ہے کہ اس کے پاس "اسلامک بم" ہے۔ امریکی سینیٹر بھی آ کر کہہ گے ہیں کہ ہمیں "اسلامک بم" سے بہت خوف آتا ہے۔ لہٰذا اسرائیل اور یہود کو تو وہی آخری درجہ کے معجزے ختم کر سکتے ہیں جو حضرت مسیحؑ کو دیئے گے ہیں۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی نگاہ جہاں تک جائے گی یہودی پگھلتے چلے جائیں گے۔ یہ الفاظ بھی حدیث میں ہیں کہ اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر بھی پکارے گا کہ "اے روح اللہ یہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے "تو گویا ایک دفعہ "گریٹر اسرائیل" قائم ضرور ہو گا مگر پھر وہی ان کا "Greater Graveyard" بنے گا۔"[2]

آخری بات آج ہمیں پوری دنیا میں یہود کا جو غلبہ و اثر و رسوخ نظر آ رہا ہے۔ اس کی حقیقت عاضی ہے۔ کس طرح چراغ بجھنے سے پہلے آخری بار بھڑکتا ہے۔ یہود کا یہ اقتدار و عروج آخری بھڑک کی مانند ہو گا۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن یہود کی بھڑکتی ہوئی شمع کی آخری بھڑک سے جس طرح مسلمانوں کو مصائب و آلام کا سامنا ہو گا اور جو سزا ملے گی۔ اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔[3]

---

[1] اسرار احمد، **خطبات خلافت**:65-64

[2] ایضا

[3] ایضا

ڈاکٹر اسرار احمد ایک ایسے مفکر ہیں جنہوں نے بیسویں صدی کے آخر میں اسلامی خلافت کے قیام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علم بلند کیا۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی توضیح و تشریح کرنے کے ساتھ ان کی تشکیل نو کے خطوط واضح کیے ہیں۔ ان کی فکر نے دعوتی سلسلہ کو ایک نیا لائحہ عمل دیا ہے جو کہ براہ راست قرآن و سنت سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سوچ ان کے اپنے خیالات اور ایک روایت پسند کے فہم اسلام اور دوسری طرف جدت پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے نظریات کے درمیان خط فاضل کھینچتی ہے۔

مطالعہ یہودیت پر ڈاکٹر اسرار احمد نے حقیقت پسندانہ سوچ اختیار کی ہے۔ جہاں تک یہود کی تاریخ کی بات ہے اس حوالے سے ان کا انداز تاریخی و بیانیہ ہے۔ جبکہ مستقبل کے واقعات بارے میں قرآن و سنت سے حقائق کو واضح کرنے کے ساتھ مغربی تہذیب پر شدید نقد کیا ہے اور اس کے لیے تجزیاتی و توضیحی اسلوب اپنایا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد قدیم و جدید علوم پر دسترس کے ساتھ تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ مطالعہ یہودیت کے ضمن میں انہوں نے بیسویں صدی میں ہونے والے واقعات کو تاریخی تناظر میں بیان کیا ہے۔ بیسویں صدی میں مطالعہ یہودیت پر ڈاکٹر اسرار کی فکر کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک، یہودیت کے بیسویں صدی تک کے واقعات جن کی تعلق تاریخی تناظر سے ہے۔ جن میں انہوں نے یہودیت کی ابتداء سے قیام اسرائیل تک کے واقعات کو موضوع بنایا ہے۔ اس میں انہوں نے یہودیوں کی دربدری، عیسائیت اور یہودیت کشمکش، دور اسلام میں یہودی کی مذہبی آزادی اور ان کی تخریب کاریاں، عیسائیت میں دراندازی، صلیبی جنگوں میں یہودیوں کا کردار، قومی وطن کی تحریک، معاشی برتری اور قیام اسرائیل کے بعد کے واقعات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

دوسرا، ڈاکٹر صاحب نے مطالعہ یہودیت کے ضمن میں آنے والے وقت کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ نائن الیون واقعہ کے بعد اس میں ڈھکی چھپی بات نہیں رہی کہ یہودی ایک اپنی عالمی حکومت قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ جسے وہ گریٹر اسرائیل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا مسلمانوں کے مابین ایک معرکہ ہو گا جسے ڈاکٹر صاحب آخری صلیبی جنگ قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں پر عذاب اکبر کے قائل ہیں جو کہ حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب کرنے پر ان پر نازل ہو گا۔

موجودہ اور سابقہ امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال کو بیان کرنے کے ساتھ ان کے مستقبل بارے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ امت مسلمہ کی ذلت ورسوائی کو خدا کا عذاب قرار دیتے ہیں لیکن دائمی نہیں سمجھتے۔ یہ ذلت ورسوائی ہماری بدعملیوں اور قرآن وحدیث چھوڑ دینے سے ہم پر مقدر ہوئیں ہیں۔ اگر آج ہم قرآن وحدیث کو اپنی زندگیوں کا محور اور مرکز بنالیں تو عجب نہیں خدا تعالی ہمیں دوبارہ عروج کی سربلندیوں سے سرفراز فرمائے۔

باب سوم

مطالعہ یہودیت: رضی الدین سید اور یوسف ظفر کے کی آراء

فصل اول: رضی الدین سید: تعارف و خدمات

فصل دوم: مطالعہ یہودیت پر آراء۔

فصل سوم: یوسف ظفر تعارف و خدمات۔

فصل چہارم: مطالعہ یہودیت پر نظریات

فصل اول:

رضی الدین سید: تعارف و خدمات

رضی الدین سید پاکستان کے معروف کالم نگاروں اور مصنفین میں شمار ہوتے ہیں۔ان کے کالم پاکستان کے تقریباً تمام اخبارات و جرائد اور غیر ملکی اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور مختلف ٹی وی پروگراموں میں شرکت بھی کرتے ہیں۔یہودیت، صیہونیت،عیسائیت،امریکہ، دجال اور تحریک حقوق نسواں جیسے نئے موضوعات پر تقریباً تیس کے قریب کتب تحریر کی ہیں۔ان کا طرز تحریر سادہ، دلچسپ،اشعار سے مزین اور عام فہم ہے۔پاکستان اور قائد اعظم سے محبت کرتے ہیں۔نفاذ دین ان کی زندگی کا محور و مرکز ہے۔

پیدائش

رضی الدین سید اپریل 1947ء کو الہ آباد بھارت میں پیدا ہوئے۔وہ چھ ماہ کے تھے جب ان کے خاندان نے پاکستان ہجرت کی اور ٹنڈو آدم سندھ میں آباد ہوئے۔ہجرت کے وقت ان کا خاندان چار افراد پر مشتمل تھا۔جن میں ان کے والد سید محمد ثناءاللہ، ان کی والدہ ظفیرہ خاتون اور دادی سکینہ خاتون شامل تھیں۔[1]

رضی الدین سید کا خانوادہ سادات برصغیر پاک وہند میں مذہبی پس منظر کا حامل تھا۔ان کے دادا محمد حیات برق ایک بڑے دیندار آدمی اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ان کی وفات شادی کے چند سال بعد ہوئی اس لئے رضی الدین سید کے والد کا بچپن یتیمی میں گذرا۔ان کے والد سید محمد ثناءاللہ حافظ قرآن تھے۔

رضی الدین سید کے والد ریلوے میں بکنگ کلرک تھے۔ان کی شادی 1945ء میں ظفیرہ خاتون سے ہوئی۔ظفیرہ خاتون انتہائی دیندار خاتون تھیں۔ان کے بطن سے رضی الدین سید پیدا ہوئے۔رضی الدین سید ابھی چھ ماہ کے ہی تھے کہ ان کے گھرانہ کو بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کرنا پڑی اور ان کا خاندان بحری جہاز کے سفر کے

---

[1] وسیدہ عارف، **رضی الدین سید کا مطالعہ یہودیت**، ایم فل، نگران مقالہ، ڈاکٹر محمود احمد عبداللہ (فیصل آباد: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، 2020ء):4

ذریعے کراچی پاکستان آیا۔ آپ کے والد چونکہ محکمہ ریلوے میں ملازم تھے لہذا ان کو ٹنڈو آدم سندھ ریلوے اسٹیشن پر فرائض منصبی ادا کرنے کی ہدایت کی گئی اور اس طرح یہ خاندان ٹنڈو آدم سندھ میں آباد ہو گیا۔[1]

پاکستان سے محبت

رضی الدین سید کے پانچ بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ ان کے بھائیوں میں سے ایک بھائی سعودی عرب میں مقیم ہیں جبکہ دوسرے بھائی امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ آپ بھائیوں کے انتہائی اصرار پر سرزمین پاکستان کی محبت کی وجہ سے امریکہ منتقل نہیں ہوئے۔ لکھتے ہیں کہ:

> "مغرب کے آزاد بے باک و بے حیاء ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے امریکہ ہجرت کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ڈر تھا کہ میرا یہ ٹمٹماتا ہوا مختصر سا ایمان بھی کہیں وہاں جا کر برباد ہی نہ ہو جائے۔ اور میں سیدھا جہنم میں داخل کر دیا جاؤں۔ وطن سے ہجرت نہ کرنے کی ایک اور بڑی وجہ وطن سے بے پناہ محبت بھی تھی۔ کیوں کہ اسے محض اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی یہاں آج بھی پائی جاتی ہے۔"[2]

حصول تعلیم

رضی الدین سید بچپن ہی سے غیر معمولی صلاحتیوں کے مالک تھے۔ ان کی مذہبی گھرانہ کی وجہ سے ان کی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔ آپ بچپن ہی سے دین اسلام کی طرف راغب تھے اور اپنے والد محترم کے ساتھ نماز پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ بچپن ہی سے جذبہ خدمت خلق، رجوع الی اللہ اور دین سے شغف کے باعث جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ابتدائی عمر ہی سے آپ نے مختلف تفاسیر اور سیرت رسول اکرم ﷺ کا مطالعہ کر لیا تھا۔ اپنی ابتدائی تعلیم بارے رضی الدین سید لکھتے ہیں کہ:

---

[1] سید، رضی الدین، **خودنوشت**، ادب و کتب خانہ، مدیر، ڈاکٹر نسیم فاطمہ (کراچی: 2019ء): 205

[2] ایضا: 207

"ابتدائی تعلیم گورنمنٹ سندھی اردو پرائمری سکول سے حاصل کی۔ بعد ازاں شاہ عبد الطیف ہائی سکول میں داخلہ لیا جہاں مڈل تک تعلیم حاصل کی اور پھر اسی شہر میں سرسید ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اپنی اعلی صلاحیتوں اور ذہانت وفطانت کے باعث میٹرک تک سرکاری وظائف بھی حاصل کیے۔"[1]

میٹرک پاس کرنے کے بعد ان کے والد کا تبادلہ کراچی ہو گیا اور اس طرح وہ ٹنڈو آدم سے کراچی منتقل ہو گئے۔ کراچی منتقلی کے بعد انہوں نے مزید تعلیم کے سلسلے میں گورنمنٹ کالج آف کامرس اینڈ اکنامکس میں داخلہ لیا اور وہاں سے انٹر کے ساتھ بی کام امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ لکھتے ہیں کہ:

"بی کام میں نے تب کیا تھا جب یہ مضمون پاکستان میں پہلی بار شروع کیا گیا تھا۔ اس لیے لوگ مجھ سے حیرت کے ساتھ پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ تعلیم بی اے کے بعد ہوتی ہے۔"[2]

ملازمت

بی کام کرنے کے بعد 1976ء میں رضی الدین سید بینکنگ کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ ملازمت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"اس دور میں بینکنگ کا عملہ محض میٹرک پاس یا گریجوایٹس افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔ حتی کہ اسٹیٹ بینک کے گورنر قاسم پاریکھ (جو حبیب بینک کے بانیان میں سے تھے) محض میٹرک پاس تھے۔ اسی بدولت گریجوایٹس کے بعد بعض بینکوں نے اپنے ہاں ملازمت کی پیشکش کی لیکن سود کی تحریم کے باعث میں نے یہ پیشکش ہمیشہ ہی روکیں۔"[3]

آپ نے بائیس سال مختلف نجی اداروں میں بینکنگ کی خدمات دیں۔ دوران ملازمت عمدہ کارکردگی پر انہیں بہت سے ایوارڈ ملے۔ لکھتے ہیں کہ:

---

[1] وسیدہ عارف، **رضی الدین سید کا مطالعہ یہودیت**:4

[2] سید، رضی الدین، **خودنوشت**:207

[3] ایضا

"اپنی بائیس سالہ ملازمت کا آغاز نجی اداروں میں محض سینئر اکاؤنٹنٹس اسسٹنٹ کی حیثیت سے کیا۔ لیکن اعلی صلاحتیوں اور کام میں جدت کی فطرت کے باعث آخر کار فائنانس وایڈمن مینیجر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوا۔"[1]

رضی الدین سید پاکستان میں اس وقت بی کام تعلیم حاصل کرنے والوں میں سے تھے جب اس کے متعلق بہت کم افراد جانتے تھے۔ اس وقت آپ کو امریکہ میں ملازمت کی پیشکش ہوئی تو آپ نے یہ پیشکش ٹھکرادی۔ اس کے متعلق وضاحت کرتے ہیں کہ:

"اگر وہ ملازمت کے لیے امریکہ چلے جاتے جیسا کہ رجحان ہے تو شاید وہ اپنا ایمان وہاں کھو بیٹھتے۔ وہ بینک کی ملازمت کر لیتے جس کی اس وقت پیشکش بھی ہوئی تھی تو ہو سکتا ہے کہ مختلف بینکنگ کورسز کرتے ہوئے آج وہ کسی بینک کے صدر یا گورنر اسٹیٹ بینک ہوتے۔ لیکن سودی پیشے کے باعث اپنا ایمان کھو بیٹھتے۔"[2]

تصنیفی مشاغل

رضی الدین سید بچپن ہی سے مطالعہ کے عادی تھے۔ لہذا بچپن ہی سے شعر وشاعری کے مجموعے، ادبی کتب اور مشاہیر کی بے شمار کتب کا مطالعہ کرنے کے ساتھ والد گرامی کے توسط سے مختلف تفاسیر اور صحابہ کرام کی نفوس قدسیہ کا مطالعہ کیا۔ بچپن ہی سے تحریری رجحان بھی رکھتے تھے۔ اس لیے ابتدائی جماعتوں سے ہی مختلف رسائل میں بچوں کے صفحات میں لکھنا شروع کیا۔ وہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔

تحریری رجحان پر لکھتے ہیں کہ:

"غیر معلوم اسباب کی بنا پر مطالعے اور تحریر کا رجحان چوتھی پانچویں جماعت ہی سے طاری رہا۔ اس دور کے مشاعروں اور دیگر سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا اور اکثر اوقات انہیں خود بھی منعقد کرنا بچپن سے فطرت رہی۔ انجام، حریت اور جنگ کے بچوں کے صفحات میں لکھنے کے بعد جنگ کے صفحہ طالب علم میں آٹھویں

[1] سید، رضی الدین، **خودنوشت**:207

[2] وسیدہ عارف، **رضی الدین سید کا مطالعہ یہودیت**:6

جماعت ہی سے شائع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد زبیری نے بھی میری ادبی نگہداشت میں کافی دلچسپی لی تھی۔ اسی باعث میں نے کئی تحریری مقابلوں میں انعامات بھی حاصل کیے۔"[1]

انگریزی زبان کی دلچسپی بارے لکھتے ہیں کہ:

"قرآن اور اخبارات کا مطالعہ بچپن ہی سے عادت بنے رہے۔اس لیے ذہنی سطح کچھ نہ کچھ اوپر ہی رہی۔ انگریزی پر توجہ دینے کا سدا سے شوق رہا۔ والد محترم ڈان اخبار لے کر مجھے زور زور سے پڑھنے کا کہتے تھے ۔بار بار کی اس مشق سے تین فائدے حاصل ہوتے، اول پڑھنے میں روانی آتی، دوم نئے انگریزی الفاظ جو بار بار سامنے آتے رہتے تھے یاد ہونے لگے، سوم انگریزی سے دلچسپی بڑھنے لگی۔"[2]

دستی رسائل کا اجراء

1963ء اور 1964ء میں رضی الدین سید نے مختلف رسائل نکالے۔ جن میں ایک رسالہ "مخبر" ہفتہ وار نکلتا تھا۔ پھر آپ نے بیس روزہ رسالہ "ذوق قلم" نکالا مگر یہ ایک شمارہ ہی نکال سکے۔ جب آپ کراچی سے ملیر آئے تو ایک رسالہ "مینار" کے نام سے نکالا۔ یہ رسائل "دستی" تھے یعنی ہاتھ سے لکھے جاتے تھے۔ آپ ڈرائنگ سے بھی خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں:

"تخلیقی ذہن اور انتہائی پابندی وقت کا احساس شروع ہی سے رہا ہے۔ اس لیے ہر کام کے لیے جدت بھرے رستے نکالے اور اسے عمدہ ترین حالت میں انجام دینے کی کوشش کی۔ ندرت یعنی Innovation بچپن ہی سے فطرت میں شامل رہی۔ اس لیے اسکول و کالج کے دور ہی سے قلمی اخبار رسالہ (محض ایک پرچہ) نکالتا رہا۔ جس میں مکمل رنگ دینے کے لیے ہاتھ ہی سے عام اور فلمی اشتہارات بھی تحریر کرتا تھا۔ فی البدیہ ڈرائنگ بنانے کا بھی ازحد شوق تھا۔ جن کے کچھ خوبصورت نمونے آج بھی کوٹڈ حالت میں موجود ہیں۔"[3]

---

[1] سید، رضی الدین، **خود نوشت**:206

[2] وسیدہ عارف، **رضی الدین سید کا مطالعہ یہودیت**:8

[3] سید، رضی الدین، **خود نوشت**:207

مطالعہ یہودیت سے دلچسپی

رضی الدین سید 1995ء میں فنانس وایڈمن مینیجر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ شعبہ مالیات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بینکنگ کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ تھا اور احساس تھا کہ کس طرح نظام بینکنگ کے ذریعے سود کو مسلم امہ میں عام کیا گیا۔ لہذا دنیا کو صیہونی اور عیسائی کی مشترکہ سازشوں سے باخبر کرنے کے لیے مذہبی تصنیف و تالیف شروع کی۔ لکھتے ہیں کہ:

"یہودی ادب سے میری دلچسپی نائن الیون کے واقعے کے بعد امریکہ میں قیام پذیر ایک مسلم اسکالر مرحوم زکی الدین شرقی (متوفی: 2017ء) کے توسط سے پیدا ہوئی۔ جو وہاں مسجد میں بطور امام و خطیب فرائض منصبی سرانجام دے رہے تھے۔ اسلام کے لیے انقلابی خدمات سرانجام دینے کی تڑپ ان میں موجود تھی۔ البتہ انہی مقاصد کی تکمیل کی خاطر انہوں نے یہودی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے ایک ادارہ "انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ" کے نام سے قائم کیا تھا اور اس کا نگران مجھے مقرر کیا۔"[1]

مؤثر شخصیات۔

رضی الدین سید بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، شاعر پاکستان علامہ محمد اقبال اور مولانا سید ابو الاعلی مودودی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور ان کی فکر کے اثرات ان کی تحریروں میں جابجا نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"زندگی میں تین اہم شخصیات سے حد درجہ متاثر ہوا ہوں۔ ان میں ایک علامہ اقبال کے اشعار میں تحرک، انقلاب اور دین رواں نظر آتا ہے۔ دوم قائداعظم محمد علی جناح، صاحب بصیرت، اولوالعزم، صاف ستھری سیاست کے ماہر، نہ بکنے اور نہ جھکنے والے اور مردہ مسلم بھیڑ کو ایک منظم و متحرک قوم کی شکل میں اٹھا کرنے والی شخصیت اور سوم سید ابو الاعلی مودودی جنہوں نے نہ صرف قرآن پاک کا اصل راستہ اور انقلابی مفہوم دنیا کے آگے بغیر لومتہ الائم رکھا اور اس کے نفاذ کے لیے ایک سیاسی و دینی جماعت بھی قائم کی۔ وہ صحیح معنوں میں اس دور کے ایک مجدد تھے۔"[2]

---

[1] وسیدہ عارف، **رضی الدین سید کا مطالعہ یہودیت**:10

[2] سید، رضی الدین، **خودنوشت**:208

Google Quora Q&A

عصر حاضر میں الحاد کا رجحان کافی زور پکڑ گیا ہے اور مسلم و غیر مسلم لوگ فکری انتشار کا شکار ہیں۔ اس فکری ابہام کی وجہ سے لوگ الحاد و دہریت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ رضی الدین سید google کی ویب سائٹ Qoura Q & A پر اسلام، خواتین کے حقوق، بائبل، احادیث اور اسلامی تحریکوں سمیت کئی موضوعات پر بہت سے غیر مسلم اور سیکولر لوگوں کے جوابات دیئے ہیں اور Google نے بھی ان کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے نام سے ایک علیحدہ صفحہ مخصوص کر دیا ہے جو کہ بنام google quora digest raziuddinsyed ہے۔ مثلاً ایک سوال

سوال: جو لوگ قرآن کو الہامی سمجھتے ہیں ان کی اکثریت پیدائشی مسلمان ہے۔ یہودیت عقائد کے لحاظ سے اسلام کے قریب ہے۔ کیا قرآن پڑھنے والے یہودیوں کی اکثریت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ قرآن واقعی الہامی ہے۔ کیوں؟

اس سوال کے جواب میں رضی الدین سید لکھتے ہیں۔

"Sorry to state that the minds of Jews are closed for any good person or matter.Revolting against their Prophets as well as against the country where they did get a respite of peace,has been there usual conduct throughout the history.Andits all detailed in their Prophet s books available in the Old Testament.

The Testament is full of Jews conspiracies and of the character of "framing a "state within the state".Thats why they have been punished bitterly since there beginning till 1917 when Britain announced a separate land for them in Palestine.they don't have the courage to deny their revolt and ugly conduct throughout the history.Its built in their nature to oppose deadly and even kill the best people of the earth who attempt to persuade them to the right path.So how can they acknowledge Quran which exposes in them in full.

Their declared slogan is that "They are the only chosen people of God and rest of the world has been created for their service only".[1]

---

[1] www.google.qoura.com /raziuddin syed quora.

ترجمہ: یہ بتاتے ہوئے معذرت خواہ ہوں کہ یہودیوں کے ذہن کسی بھی اچھے شخص یا معاملہ کے لیے بند ہیں ۔اپنے انبیاء کے خلاف اور اس ملک کے خلاف بغاوت کرنا جہاں انہیں امن کی مہلت ملی، پوری تاریخ میں ان کا معمول رہاہے اور اس کی تفصیل انبیاء کی کتب جو عہد نامہ قدیم میں ہیں، ان میں موجود ہے۔ عہد نامہ یہودیوں کی سازشوں اور "ریاست کے اندر ریاست" کی تشکیل کے کردار سے بھرا ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہیں ان کے آغاز سے لے کر 1917ء تک سخت سزا دی جاتی رہی۔جب برطانیہ نے ان کے لیے فلسطین میں علیحدہ زمین کا اعلان کیا۔ان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اپنی بغاوت اور بد صورت طرز عمل کو پوری تاریخ میں جھٹلائیں ۔یہ ان کی فطرت میں بنایا گیا ہے کہ وہ جان لیوا مخالفت کریں اور یہاں تک کہ زمین کے بہترین لوگوں کو مار ڈالیں جو انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔تو وہ قرآن کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں جو ان مین مکمل طور پر آشکار ہے۔ان کا اعلانیہ نعرہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ لوگ ہیں اور باقی دنیا صرف ان کی خدمت کے لیے بنائی گئی ہے۔

تصانیف

رضی الدین سید کی چند کتب کا مختصر تعارف درج ذیل ہیں

یہودی مذہب (مہد سے لحد تک)[1]

یہ کتاب یہودیت پر تعارفی مواد کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کتاب میں مصنف نے یہودی عقائد، عبادات، معاملات اور یہودیت کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہودیت کا اسلام کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔ نیز عصر حاضر تک یہودیت کا سفر کیسے رہا ؟ بھی بیان کیا ہے۔یہودیت کے خاص تہواروں کی تصاویری وضاحت بھی کی ہے۔ جس سے قاری کی تفہیم میں مزید آسانی ہوئی ہے۔ مصنف کے بقول:

"یہ سوالات کہ یہودی مذہب کیا ہے؟ وہ اپنی عبادت کیسے کرتے ہیں؟ خدا، پیغمبران خدا اور جنت دوزخ کے بارے میں ان کے کیا عقائد ہیں؟ مذہب کا ان کی زندگی میں کیا عمل دخل ہے؟ ان کے نزدیک دوسری قوموں کا کیا مقام ہے؟ بہت دلچسپ ہیں اور تقابل مذاہب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ان کے جوابات میں تسکین کے کئی پہلو پنہاں ہیں۔ مسلمانوں

[1] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب** (لاہور: شرکت الامتیاز، س: ندارد)

کے لیے تو ان کا جاننا خصوصی طور پر بھی ضروری ہے۔کیونکہ اسلام کی طرح یہودی مذہب بھی الہامی ہے اور بڑی حد تک ایک خدا یعنی توحید کا اعتقاد یہودی بھی رکھتے ہیں۔اسی طرح اکثر مقامات پر ان کے اور ہمارے طرز عبادت میں بھی ایک گونہ مماثلت پائی جاتی ہے۔"[1]

یہودیت پر لکھی گئی یہ ایک جامع، مستند اور باحوالہ کتاب ہے۔

معرکہ عظیم[2]

یہ کتاب دراصل قیامت سے پہلے آنے والے احوال و حالات پر چشم کشا دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔کتاب کے آغاز میں مصنف نے قرآن مجید میں یہودیوں کے جو جرائم بیان ہوئے ہیں اس کی بحث کی ہے۔یہودیوں کے نزدیک دجال کا مقام بیان کرنے کے ساتھ ان کی اس مقصد کے لیے کیا تیاریاں ہیں نیز آخری حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ الملحمۃ الکبری پر تفصیلا روشنی ڈالی ہے۔یہودیوں اور عیسائیوں کا مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ بیان کرنے کے ساتھ مسئلہ فلسطین پر آراء بھی سامنے آئی ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ مصنف نے ریاست اسرائیل کے متعلق قائداعظم کا مؤقف بھی بیان کیا ہے۔تاریخ پاکستان اور تاریخ اسرائیل کا تقابل بھی کیا ہے۔نیز یہودی قوم کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں جس سے مصنف کی متوازن سوچ سامنے آتی ہے۔

صیہونیت کی زد میں عالم تمام[3]

رضی الدین سید کی یہ کتاب ان کے تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے جو کہ انہوں نے عالمی حالات کی اضطرابی کیفیت کے تناظر میں تحریر کیے ہیں۔مصنف کا موضوع چونکہ یہودیت و صیہونیت ہے۔لہذا انہوں نے اس کتاب میں امریکی یہودی تنظیموں، اسرائیل کی فلسطینیوں اور دیگر اقوام پر ان کے جارحانہ منصوبے نیز عالمی معیشت پر ان کے قبضے بارے تفصیلا بحث کی ہے۔ترک خلافت کو یہودیوں نے کیوں اور کیسے ختم کیا اور کمیٹی آف ہنڈریڈ کیا ہے

[1] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**:10-9

[2] سید، رضی الدین، **معرکہ عظیم** (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، ط: ششم، 2007ء)

[3] سید، رضی الدین، **صیہونیت کی زد میں عالم تمام** (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، 2014ء)

۔اس کے کیا مقاصد ہیں اور دنیا کے بارے یہ کیا عزائم رکھتے ہیں بیان کیا ہے۔پاکستان میں اسرائیل کو تسلیم کیے جانے پر بحث کرتے ہوئے چند گزارشات پیش کی ہیں۔نیو ورلڈ آرڈر کی حقیقت بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

یہودی سیاست (ماضی سے حال تک)[1]

رضی الدین سید نے مذکورہ کتاب میں یہودی سیاست کو آغاز یہودیت سے لے کر دور حاضر تک ایک تفصیلی مباحثہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب کی تالیف سے مصنف کا مقصد یہ تھا کہ یہودی قوم کے سیاسی و شیطانی ذہن سے باخبر ہوا جائے اور اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے کہ کس طرح انہوں نے پوری دنیا کے سیاسی و معاشی نظام کو اپنے شکنجے میں لے کر ایک عالمی نظام حکومت قائم کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں یہودی و صیہونی سیاست کے بارے مسلم مفکرین کی آراء سامنے لائی گئی ہیں۔جب کہ کتاب کے دوسرے حصے میں مغربی دانشوروں کے تبصرے شامل کیے گئے ہیں اور اہم بات ان مغربی دانشوروں میں ایک یہودی دانشور بھی شامل ہے۔

رضی الدین سید عصر حاضر کے نامور اسلامی اسکالر ہیں۔صیہونیت و اسرائیل کا مطالعہ اور دور جدید میں اقوام عالم پر اثر انداز ہونے والے عوامل ان کا موضوع تحقیق ہے۔انہوں نے اس حوالے سے مضامین، کالم، کتب اور بے شمار کتب کے تراجم کیے ہیں۔یہودیت ان کا خاص موضوع ہے۔لہذا ان کتب میں میں انہوں نے یہودی عقائد، عبادات، رسومات و معاشرت، یہود و نصاری گٹھ جوڑ، مسلمانوں کے ساتھ اہل کتاب کا رویہ اور ان کے سیاسی عزائم پر بحث کی ہے۔

---

[1] سید، رضی الدین، **یہودی سیاست ماضی سے حال تک** (لاہور: شرکت الامتیاز، س-ن)

فصل دوم:

رضی الدین سید کی مطالعہ یہودیت پر آراء

رضی الدین سید مطالعہ یہودیت پر انفرادی آراء رکھتے ہیں۔ انگریزی زبان سے واقفیت، وسعت مطالعہ اور یہودیت کے بنیادی مصادر سے استفادہ کی وجہ سے ان کی تحریریں حقائق سے پر ہیں ۔انہوں نے یہودیت کے موضوع پر بے شمار عربی و انگریزی کتب کے تراجم کیے ہیں۔ مسلم و غیر مسلم اسکالر کے ساتھ مباحثاتی پروگرام بھی کرتے ہیں۔

تحریک صیہونیت

رضی الدین سید بیان کرتے ہیں کہ لفظ "صیہونیت "یہودیت سے ایک الگ اصطلاح ہے ۔یہودیت ایک مذہب یا قومیت کا نام ہے جبکہ صیہونیت ایک تحریک ہے۔ اس تحریک کا بڑا مقصد یہودیوں کے لیے الگ وطن کا قیام تھا۔ لیکن اس کے دوسرے خفیہ و اعلانیہ مقاصد اس سے بھی آگے ہیں۔ صیہونی زعماء اپنی اس تحریک کو علامتی طور پر ایک زندہ سانپ سے ظاہر کرتے ہیں۔ جس کا سفر انیسویں صدی کے آواخر میں شروع ہوا۔[1]

اگست 1897ء میں باسل سوئٹزرلینڈ میں یہودی مفکر تھیوڈور ہرزل نے دنیا میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو اکٹھا کر کے فلسطین میں آباد کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ اس لیے اس کو تحریک صیہونیت کا بانی کہا جاتا ہے۔ نئی ریاست کے حصول کی کوششوں کے دوران برطانیہ نے تھیوڈور کو افریقی ملک یوگنڈا بطور ملک پیش کیا۔ لیکن صیہونیوں کی اکثریت نے اس کو مسترد کر دیا۔ صرف فلسطین کے حصول کو ہی منزل قرار دیا۔[2]

تحریک صیہونیت کی اصلیت بیان کرتے ہوئے رضی الدین سید لکھتے ہیں۔

---

[1] سید، رضی الدین، **صیہونیت کی زد میں عالم تمام** (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، 2014ء): 171

[2] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**: 169

"صیہونیت دراصل ایک محض سیکولر وسیاسی تحریک تھی جس سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں تھا۔اس دور کے مذہبی یہودی اس باعث اس تحریک کے کٹر مخالف تھے۔ان کے نزدیک ایسا کرنا خدائی عذاب کو دعوت دینے اور آنے والے مسیحا کو ناراض کرنے کے برابر تھا۔اسی لیے آزادی اسرائیل کی دستاویز پر "خدا کا انعام" کے الفاظ لکھنے پر صیہونی یہودی ناراض ہوگئے تھے۔تاہم اسرائیل کے وجود میں آجانے کے بعد مذہبی یہودیوں کی اکثریت بھی رفتہ رفتہ سیکولر یہودیوں کی ہمنوا ہوگئی تھی۔صیہونیت کے مقاصد میں ایک آزاد یہودی وطن کا قیام،عیسائی ومسلم سلطنتوں کی بربادی،انفرادی حکومتوں کا خاتمہ،ایک عالمی حکومت کا قیام،اور عربوں ترکی کے علاقوں کے بڑے حصے پر "موعودہ ارض" کے نام پر قبضہ شامل ہیں۔چنانچہ صیہونیت کا نصف سفر تو پہلے ہی طے ہو چکا ہے جبکہ بقایا نصف سفر ابھی جاری ہے۔لیکن اس نصف سفر کی تکمیل سے قبل ہی یہودیت وصیہونیت کو قرآنی وعدے کے لحاظ سے ان شاءاللہ دنیا سے خود ہی ختم ہو جانا ہے۔"[1]

صیہونیت جس کے بعد یہودی حلقے بھی مخالف تھے اور اس کو مذہب یہودیت پر خدائی عذاب قرار دیتے تھے وہ بھی قیام اسرائیل کے بعد صیہونیوں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ان کے مقاصد ایک ہی ہیں کہ عظیم عالمی یہودی حکومت کا قیام ہے۔تاہم رضی الدین سید امید افزاء پیغام دیتے ہیں کہ گو کہ صیہونیت کا نصف سفر مکمل ہو چکا ہے لیکن قرآنی وعدے کے مطابق ان کا وجود ختم ہو جانا ہے اور ایک عالمی حکومت قائم ہونی ہے وہ اسلام کی حکومت ہو گئی۔

اعلان بالفور

اعلان بالفور تحریک صیہونیت کی کامیابی کی طرف پہلا بڑا قدم ہے۔اگرچہ آرتھر بالفور برطانیہ کا عیسائی وزیر خارجہ تھا۔لیکن اس نے قیام اسرائیل کے لیے ایک اہم برطانوی سرکاری دستاویز تیار کی تھی جس کے نتیجے میں مشرق وسطی میں امن تباہ ہو گیا۔یہ سرکاری دستاویز صرف 67 الفاظ پر مشتمل ہے اور یہ 67 الفاظ ہی خطے میں آگ وخون کی ہولی کا سبب ہیں۔[2]

رضی الدین سید برطانوی حکومت کے اعلان بالفور کے پیچھے دو اہم نکات بیان کرتے ہیں:

[1] سید،رضی الدین،**یہودی مذہب**:212

[2] سید،رضی الدین،**صیہونیت کی زد میں عالم تمام**:158

اول جنگ عظیم اول میں برطانیہ کو امریکی اتحادی کی اشد ضرورت تھی۔ تو برطانیہ نے سوچا کہ اگر ہم فلسطین میں یہودیوں کی علیحدہ مملکت قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں تو عالمی یہودی برادری کے ساتھ ساتھ امریکی یہودی برادری بھی برطانیہ کا ساتھ دے گی اور اس کے ساتھ امریکی یہودی برادری اس بڑی جنگ کا خرچ بھی مہیا کریں گے جو انہوں نے بھاری قرضوں کی صورت میں دینے کی پیشکش کی ہوئی تھی۔ دوم برطانوی حکومت میں یہودیوں کا حد درجہ دباؤ کم کرنے کے لیے ان کو دوسری طرف لگانا ضروری تھا اور اسی میں ہی برطانیہ کی بقا تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس دستاویز کے ذریعے مسلم فلسطین کے عین قلب میں ایک یہودی ریاست کی دھونس اور دھاندلی والی ریاست کی داغ بیل ڈال دی گی۔[1]

فری میسن تنظیم اور اس کے عزائم

فری میسن تنظیم 1917ء میں انگلستان میں قائم ہوئی۔ اس تنظیم کی چار انجمنوں (لاجوں) پر مشتمل ایک گرینڈ لاج کی شکل دی گئی اور اس کے ساتھ ہی خفیہ اشاروں کا ایک پیغام وضع کیا گیا۔ لندن کی گرینڈ لاج کو دوسری شاخوں کی سربراہ مقرر کیا گیا۔

رضی الدین سید فری میسن تنظیم کے تعارفی ضمن میں حقیقت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فری میسنری دراصل ایک خفیہ صیہونی تنظیم ہے۔ جس کا مقصد ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور واحد عالمی یہودی حکومت قائم کرنا ہے اور عالمی یہودی حکومت کی سربراہی ان کے روحانی پیشوا دجال کے ہاتھ میں ہو گی۔ یہ تنظیم دراصل ایک تحریک ابلیسیت ہے۔ جس کی آڑ لیتے ہوئے یہودی قوتیں ہر شیطانی کام کو جائز قرار دیتی ہیں۔ اس کے دفاتر پاکستان اور سعودی عرب کے علاوہ ساری دنیا میں موجود ہیں اور ان دفاتر کو لاجز (Lodges) اور مرکزی دفتر کو گرانڈ لاج (Grand Lodge) کہا جاتا ہے۔ اس کی رکنیت عام افراد کے لیے نہیں بلکہ ممالک اونچے طبقے کے لیے وقف ہے اور یہ ممبران سے رازداری کا عہد لیتی ہے اور رازداری کو افشاء کرنے کی سزا موت ہے۔[2]

---

[1] سید، رضی الدین، **صیہونیت کی زد میں عالم تمام**: 187-186

[2] ایضا: 22

مزید فری میسن کی حقیقت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"فری میسن یہودی تنظیم ہے کیونکہ اس کی رسومات اور علامات عام طور پر وہی ہیں جو یہودیوں کی پراسرار علوم کی کتاب "قبالہ "میں درج ہیں۔اپنے تقویمی سال کو بھی فری میسنری کے ذمہ داران عبرانی کلنڈر کے مطابق رکھتے ہیں۔جبکہ اس کے مختلف لاجز میں مصر میں بنی اسرائیل کی صحرانوردی کے دوران لگائے گے خیموں (Tabernacles) کی مانند ہی خیمہ بھی لگایا جاتا ہے۔لازم کیا گیا ہے کہ ہر لاج میں ایک سیڑھی ضرور موجود رکھی جائے۔اس علامت کو انہوں نے تالمود کی کتاب "زہر" سے لیا ہے۔جس میں کہا گیا ہے سیڑھی سے ہیکل سلیمانی کا بڑا گہرا تعلق ہے۔فری میسن لاج دراصل ہیکل سلیمانی کا مماثل ہے۔جس کا رخ ہیکل سلیمانی کی مانند مشرق ہی کی طرف ہوتا ہے۔ان کے ہاں لاجز کی خاص پہچانیں تین ہیں۔اول،ایک آنکھ جو اہرام مصر کے اوپر دکھائی جاتی ہے۔جسے خدا کی آنکھ یا(All Seeing Eye) کہا جاتا ہے۔دوم،چھ کونوں والا داؤدی ستارہ(David Star) جسے بھی اب "خدائی آنکھ" قرار دیا جاتا ہے۔ان کی کتابیں بتاتی ہیں کہ اصل ہیکل میں یہ خدائی آنکھ ہر ستون اور ہر دیوار پر نصب ہوا کرتا ہے اور تیسرا،ایک بڑاG جس کے معنی (God) یا(Grand Architect of Universe) کائنات کا معمار اعظم کے لیے جاتے ہیں۔"[1]

رضی الدین سید کے فری میسن تنظیم کے متعلق مندرجہ بالا حقائق جو انہوں نے ان کی مذہبی کتابوں قبالہ اور تالمود کے ضمن میں بیان کیے ہیں۔اس سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک یہودی تنظیم ہے اور اس تنظیم کا اصل مقصد مختلف ممالک میں انتشار پیدا کرنا ہے۔تاکہ یہ اپنے مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔جو کہ بلاشبہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور عالمی یہودی حکومت کا قیام ہے۔

اتاترک اور سقوط سلطنت عثمانیہ

سلطنت عثمانیہ مسلمانوں کی چھ سو سال سے زائد عرصہ اور تین براعظموں پر محیط ایک عظیم خلافت تھی۔بیسویں صدی کے شروع میں اس پر زوال کے اثرات نمایاں ہوئے۔یہاں تک کہ 1922ء میں کمال پاشا

[1] سید،رضی الدین، صیہونیت کی زد میں عالم تمام:24

اتاترک نے اس سلطنت کو ختم کرکے ترکی میں ایک سیکولر حکومت کی بنیاد رکھی۔ رضی الدین سید عثمانی خلافت عثمانی خلافت کے سقوط پر دوٹوک موقف اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ

> "یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کی عظیم ترین امپائر خلافت عثمانیہ جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی یعنی ایشیاء ،افریقہ اور یورپ۔ اسے بھی یہودی ساشوں کے باعث شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ خلافت عثمانیہ کا تار تار ہونا امت مسلمہ کے بدترین سانحوں میں سے ایک تھا۔ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے والا فرد کمال اتاترک خود یہودی نسل "دونمے" سے تھا جو بظاہر مسلمان اور اندرونی طور پر یہودی ہوتے تھے۔ مسلم دنیا اسے آج تک ایک انقلابی رہنما سمجھتی رہی ہیں تو پتہ لگ رہا ہے کہ کمال پاشا ایک "دونمے" فرد تھا جسے خود یہودیوں نے کسی بڑے کام کے لیے فوج میں بھرتی کرایا تھا۔"[1]

رضی الدین سید سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کو یہودی سازش قرار دیتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ جب یہودیوں نے ارض فلسطین کو قومی وطن بنانے کی کوششیں شروع کیں تو وہ پہلے عثمانی خلیفوں سے ارض موعود میں رہنے اور اس کو اپنا قومی وطن بنانے کی استدعا کرتے رہے۔ جب خلیفہ عبد الحمید ثانی نے انہیں دوٹوک جواب دیا کہ انہیں ایک انچ زمین بھی ارض مقدس کی نہیں ملے گی تو انہوں نے اپنی سازشوں کے ذریعے نہ صرف خلیفہ کو معزول کروایا بلکہ سلطنت کے خاتمے کا موجب بھی بنے۔

ہالوکاسٹ(Holocaust)

ہالوکاسٹ کا مطلب یہودیوں کی ہولناک اجتماعی بربادی ہے۔ جو یہودیوں کے بقول 1932ء سے لے کر 1945ء کے درمیان ہوئی۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ جنگ عظیم دوم کے وقت جرمنی میں نوے لاکھ یہودی رہتے تھے اور جیسے ہی جنگ ختم ہوئی تو ساٹھ لاکھ یہودی ختم کیے جا چکے تھے۔

رضی الدین سید ہالوکاسٹ جو کہ یہودیوں کا قتل عام کا واقعہ ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی حقیقت کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں کہ:

---

[1] سید، رضی الدین، **یہودی** (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، س: ندارد): 15-14

"فی الاصل ہولوکاسٹ یہودیوں کا تراشا ہوا ایک خوبصورت افسانہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے دنیا بھر کی ہمدردیاں سمیٹیں اور اپنے ازلی دشمن عیسائیوں کو رام کیا۔ اسرائیلی ریاست کا قیام بھی ہولوکاسٹ کی مظلومیت کی ایک تلافی یا انعام ہے۔۔ آج کل اس جعلی نظریئے کے خلاف دنیا بھر میں تحریریں شائع ہو رہی ہیں۔ تاہم بعض یورپی ممالک میں ہولوکاسٹ کو من گھڑت قرار دینا قابل سزا جرم ٹھرایا گیا ہے۔ ہولوکاسٹ سے پہلے جرمنی میں 90 لاکھ یہودیوں کی آبادی بھی آج ایک افسانہ ہی سمجھی جا رہی ہے۔"[1]

رضی الدین سید ہالوکاسٹ اور یہودیوں کی جرمنی میں بڑی تعداد کو افسانہ قرار دیتے ہیں۔ بہت سے مسلمان اور مغربی مفکرین کا بھی یہی نظریہ ہے اور وہ بھی ہالوکاسٹ کو من گھڑت قرار دیتے ہیں۔

مزید وضاحت کرتے ہیں کہ یہودیوں نے ساری دنیا کو باور کروایا کہ ہٹلر نے یہودیوں پر بے پناہ تشدد کیا ان کو گیس کے چیمبروں میں زہریلی گیس سے ہلاک کیا اور مرنے والوں کی تعداد ساٹھ لاکھ تھی مصنف سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا اس وقت جرمنی میں ساٹھ لاکھ سے زائد یہودی موجود تھے؟ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہودیوں نے دنیا بھر کی ہمدردیاں اور رعایتیں سمیٹیں۔ جن میں سے ایک اسرائیلی ریاست کا قیام ہے۔[2]

ہیکل و یروشلم (یہودیوں کا نفسیاتی مسئلہ)

رضی الدین سید یروشلم کو یہودیوں کا نفسیاتی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ ہیکل سلیمانی جو کہ حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کروایا تھا اور یہ بابلیوں، رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھوں تباہ ہوتا رہا۔ یہودیوں کے مطابق ہیکل میں ان کا خدا یہودا براجمان ہے اور یہ ہیکل ان کی زندگی کی تمام تمناؤں کا محور ہے۔ اس کی ان کی عظمت اور وفاداری وابستہ ہے۔ یروشلم چھن جانے کے بعد وہ اپنی غلطیوں پر بار بار نادم ہوتے اور بار بار اس کی واپسی کی دعائیں مانگتے۔ ان کا یروشلم پر پختہ یقین ہے کہ اس زمین پر خدا موجود ہے۔ اس لیے جنونی یہودی راتوں کو گلیوں میں دوڑتے اور صدا لگاتے ہیں کہ لوگوں خدا کے نام پر اٹھو۔ سکینہ جلاوطن ہے اور مقدس شہر کو جلا دیا گیا ہے بعض یہودی ماتمی لباس پہنتے ہیں اور

[1] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**:286

[2] سید، رضی الدین، **معرکہ عظیم** (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، ط: دوم، 2007ء):43

چہروں پر خاک ملتے ہیں۔ آج ہیکل سے محبت کا یہ حال ہے کہ شادی بیاہ کے پر مسرت موقع پر دولہا ایک پلیٹ اٹھا کر زمین پر توڑتا ہے اور کہتا ہے کہ اس خوشی کے موقع کے باوجود میں اپنے ہیکل کو کبھی نہیں بھول سکتا۔[1]

ہیکل سلیمانی کی تعمیر پر مزید لکھتے ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا آسمانی مسیحا جو کہ یہودیوں کی بلندیوں اور دوسری قوموں کی بربادی کے لیے نازل ہو گا۔ اس کا نزول ہیکل کی تعمیر کے ساتھ مشروط ہے یعنی اگر زمین پر ہیکل نہیں ہو گا تو ان کا مسیحا زمین پر نہیں آئے گا۔ نیز اس کی تعمیر اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہودی اپنے شرعی قوانین کے باعث قربانی کی رسم کہیں اور ادا نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ آج بھی تل ابیب کی جگہ یروشلم کو دارالحکومت بنانے پر اصرار کرتے ہیں اور ہیکل کے بغیر وہ خود کو بے کار قوم سمجھتے ہیں۔[2]

رضی الدین سید یہودیوں کے ہیکل ویروشلم کے نفسیاتی مسئلے پر ایک سبق آموز بات کہتے ہیں۔ کہ

"ہیکل، یروشلم اور مسیحا ان کی نفسیاتی بیماری ہی سہی لیکن اپنی تمام تر اذیت اور دربدری کے باوجود ان چیزوں سے ان کی محبت کم نہیں ہو سکی ہے۔ بلکہ اس نے تو انہیں الٹا جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔ دوسری طرف ہم مسلمان ہم خود کیا ہیں؟ کیا ہیکل کی طرح مسجد اقصی بھی انہیں کی بنائی ہوئی نہیں ہے؟ اور کیا ہمارے اندر بھی مسجد اقصی سے اسی انداز کا پاگل پن والا جنون موجود ہے؟ آخر یروشلم کے لیے ہم اب تک نفسیاتی مریض کیوں نہیں بن سکے؟"[3]

رضی الدین سید ہیکل ویروشلم کو یہودیوں کا نفسیاتی مسئلہ قرار دیتے ہیں اور سرزمین فلسطین کے لیے ان کی محبت کو جنون قرار دیتے ہیں۔ تاریخ یہود اور پچھلے ایک سو تیس سال کے اعداد و شمار اس کی تائید کرتے ہیں جب یہودی ارض موعود کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے تمام جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ پھر مصنف مسلمانوں کو جھنجوڑتے ہوئے سوالیہ نشان لگاتے ہیں کہ وہ مسجد اقصی اور یروشلم کے بارے نفسیاتی مریض کیوں نہیں سکتے؟

---

[1] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**:356

[2] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**:357

[3] ایضا

نائن الیون حادثہ

9 نومبر 2001ء کو امریکی شہر نیویارک میں ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس کے بعد پوری دنیا کی حالت تبدیل ہو گئی۔ اس حادثے سے تمام ممالک خصوصا مسلم ممالک پر بڑے اثرات مرتب ہوئے۔

رضی الدین سید کے نزدیک نائن الیون کے حادثے کے بعد پوری دنیا کو معلوم ہوا کہ اس کرہ ارض کا امن تباہ کرنے والے حقیقت میں یہودی ہی ہیں۔ اس سے پہلے یہودی شازشوں کا اتنا گہرا ادراک شاذونادر ہی کسی کے پاس تھا۔ یہودی لفظ اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ ایک گالی سمجھا جاتا تھا۔ نائن الیون کے بعد محققین نے مزید یہ بھی دریافت کیا کہ جنگ عظیم اول و دوم جس میں کروڑوں انسان لقمہ اجل بنے وہ بھی انہی کی سازشوں کا نتیجہ تھیں۔[1]

نائن الیون حادثہ کے بعد امن کے نام پر مسلم دنیا پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوششیں کی گئی اور مسلمانوں کو بنیاد پرست کے القابات دیئے گے۔ لیکن ساتھ ساتھ محققین کی چشم کشا تحقیقات سے حقائق بھی سامنے آنے پر دنیا کا نقشہ ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ رضی الدین سید کے مطابق حقائق سامنے آنے پر دنیا کو معلوم ہوا کہ نائن الیون حادثہ اور دو عظیم جنگوں کے پیچھے یہودی سازشی ذہن کار فرما ہے۔

غلاموں اور منشیات کی تجارت

رضی الدین سید یہودیوں کی دنیا کی تباہی کے ہتھکنڈوں پر چونکا دینے والے انکشافات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تاریخ میں ہمیشہ یہودی منشیات، افیون، ہیروین، لڑکیوں کی اسمگلنگ اور غلاموں کی تجارت میں پیش پیش رہے۔ کیونکہ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو چوپائے اور رذیل قومیں قرار دیتے ہیں۔ سید صاحب مارک رافیل کی کتاب "یہود اور یہودیت" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

[1] سید، رضی الدین ، **یہودی**:4-3

"یہودی تاجروں نے غلاموں کی تجارت میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ریاست فلاڈلفیا کا "ڈیورینکس"،چارلیسٹن کا "ازاک ڈی کو سٹالویز"،اور نیو پورٹ کا "آرون لوپس"وہ افراد تھے جو امریکی براعظم میں یہودیوں کی تجارت کے سرخیل تھے۔"[1]

بحری جہازوں میں غلاموں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیے جاتے اور ان کو ایسے طریقوں سے جہازوں میں رکھا جاتا کہ بہت سے غلام راستے ہی میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں امریکی صدر ابراہم لنکن کو قتل کرنے کی ایک وجہ غلامی کے خلاف اس کے سخت اقدامات تھے۔[2]

عالمی حکومت کا قیام

رضی الدین سید عالمی حکومت کے قیام بارے یہودیوں،عیسائیوں اور مسلمانوں کے افکار و خیالات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عالمی حکومت کے قیام کی یہودیوں کی دیرینہ خواہش ہے اور وہ ہزار سال سے اس کے متعلق سوچ رہے ہیں۔یہودیوں کے مطابق دنیا کی تمام حکومتیں اور فوجیں ختم ہو جائیں اور ایک حکومت قائم ہو جس کی قیادت ان کا مسیحا دجال کرے۔ان کے مسیحا کی آمد کی پیشن گوئیاں صحائف،تالمود اور تورات میں موجود ہیں اور یہ اپنے مسیحا کی آمد کے بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔یہ ہر روز دعا کرتے ہیں کہ ان کا مسیحا جلد آئے اور عالمی حکومت قائم کرے۔[3]

عیسائیوں کے عالمی حکومت کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"عیسائیوں کا کہنا ہے کہ زمین سے یہودیوں اور مسلمانوں کو پاک کر دینا چاہیے تاکہ دنیا میں صرف عیسائی قوم باقی رہ سکے۔وہ کہتے ہیں کہ ان کی عالمی حکومت ان کے مسیحا حضرت عیسیٰؑ قائم کریں گے۔یہ وہ مقصد ہے کس کی خاطر وہ خوفناک خونی جنگ آرمیگاڈون برپا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہودی بھی مٹ جائیں اور مسلمان بھی۔ان کے نزدیک آرمیگاڈون خیر و شر کے معرکہ کا نام ہے۔چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بادلوں سے اتر کر

---

[1] سید،رضی الدین،**یہودی مذہب**:270

[2] ایضا:271

[3] سید،رضی الدین،**معرکہ عظیم**:120

تمام عیسائیوں کو اوپر بلالیں گے جہاں سے وہ زمین پر برپا ہونے والے اس خونی معرکے کو آرام سے بیٹھے دیکھا کریں گے۔ اپنے اس عقیدے کو Rapture کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"[1]

عالمی حکومت کے قیام بارے مسلمانوں کے مؤقف بارے وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"عالمی حکومت کا قیام خود اسلام کے ایجنڈے میں بھی شامل ہے تو اس پر کسی کو حیران نہیں ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ کی متعدد احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد عیسائی اپنے پیغمبر کو شناخت کر لیں گے اور ان کی زبان مبارک سے اسلام کو اصل اور واحد دین قرار دیئے جانے کے بعد وہ اپنے تمام عقائد سے تائب ہو کر از خود اسلام قبول کر لیں گے۔ اس طرح دنیا سے عیسائیت کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ بدقسمتی سے یہودی اس وقت بھی بدبخت ثابت ہوں گے اور وہ دجال کی قیادت میں حضرت عیسیٰؑ سے جنگ کا آغاز کریں گے۔ حتیٰ کہ جس درخت اور پتھر کے پیچھے یہودی چھپے ہوئے ہوں گے وہ مسلمانوں کو پکار پکار کر انہیں قتل کرنے کے لیے دعوت دے رہا ہو گا۔ اس طرح آخر کار یہودی چن چن کر قتل کر دیے جائیں گے اور یوں دوسرا اہم سازشی مذہب یہودیت بھی زمین سے نیست و نابود ہو جائے گا۔ باقی دوسرے جعلی مذاہب بھی انہی کی مانند زمین سے مٹ چکے ہوں گے۔ حضرت عیسیٰؑ زمین پر تشریف لانے کے بعد حضور ﷺ کی شریعت میں ایک تبدیلی کریں گے کہ وہ جزیے کا سلسلہ ختم کر دیں گے۔ یعنی اس کے بعد ٹیکس دے کر اپنے مذہب کو برقرار رکھنے کی شق ختم ہو جائے گی۔ یعنی یا تو اسلام قبول کر لو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ درمیان کا کوئی راستہ پھر باقی نہیں رہے گا۔"[2]

عالمی حکومت کا قیام بالکل درست امر ہے اور اسلام بھی عالمی حکومت کے قیام کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن یہ عالمی حکومت اسلام کی ہو گی اور اس کے سربراہ حضرت عیسیٰؑ ہوں گے۔ اسلام کا پرچم پوری دنیا پر لہرائے گا۔

عیسائیت اور یہودیت

حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت کے واقعہ کے بعد عیسائی یہودیوں کے دشمن ہو گئے۔ یہودیوں نے رومی جرنیلوں کے ساتھ مل کر عیسائیوں پر ظلم و ستم کیے۔ قسطنطین کے قبول عیسائیت کے بعد ان سے عیسائیوں نے سارے بدلے

---

[1] ایضا:122

[2] سید، رضی الدین، **معرکہ عظیم**:123

لیے اور ان کو بیت المقدس جانے سے بھی روک دیا گیا۔ یہاں تک کے اسلام کا سورج طلوع ہوا۔ یہودیوں کو مسلمانوں کے زیر سایہ پناہ ملی۔ دور عمر فاروقؓ میں انہیں بیت المقدس میں داخلہ اور زیارت کرنے کی اجازت ملی۔ خلافت اندلس کے دوران یہودیوں نے فتح اسپین میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ فتح کے بعد مسلمانوں نے ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ لہذا انہوں نے اپنے عہدوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائیت کو گزند پہنچا کر اپنا بدلہ لینا شروع کیا۔ رضی الدین سید لکھتے ہیں کہ:

"عیسائیوں کو زیر کرنے کے لیے یہودیوں نے ظلم و تشدد اور خونی راستوں سے ہٹ کر دیگر غیر تشدد پسندانہ راستے اختیار کیے۔ سب سے پہلی ضرب انہوں نے عیسائی مذہب کی کلیت یا واحدانیت پر لگائی۔ عیسائیوں کا اصل مذہب کیتھولک ہے لیکن یہودیوں نے اپنی سازشوں سے اس کے اندر ایک نیا بدعتی فرقہ پروٹسٹنٹ ایجاد کیا جس کے بعد عیسائیت دو بڑے ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ یعنی کیتھولک عیسائی اور پروٹسٹنٹ عیسائی۔ پھر کیتھولک عیسائی پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے بھی اس طرح جانی دشمن بن گئے جیسے یہودیوں کے جانی دشمن تھے۔ انتشار کے بعد عیسائیت مزید تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئی اور اس کے بیپٹسٹ اور میتھوڈیسٹ وغیرہ فرقے پیدا ہوئے۔"[1]

عیسائیوں پر دوسرا حملہ یہودیوں نے یہ کیا کہ 1908ء میں اسکوفیلڈ ایک نئی بائبل ایجاد کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے عیسائیوں کے ایک ذہین فرد اسکوفیلڈ کو خرید کر گوسپل پر اپنی مرضی کے حاشیے اور تفسیر لکھوائی اور بعد میں اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی۔ اس نئی بائبل کی خصوصیات یہ تھی کہ اس کے حاشیوں میں یہودی عقائد شامل کیے گے۔ حاشیوں کی زبان آسان اور سہل تھی جبکہ اصل متن قدیم انگلش میں تحریر کیا گیا جسے سمجھنے میں مشکل پیش آتی تھی۔ اس لیے مشکل متن چھوڑ کر آسان حاشیے کی طرف لوگوں کے ذہن منتقل ہوئے اور عیسائیوں کے دل میں یہودی عقائد بس گے۔ جس کے نتیجے میں عام عوام کے علاوہ عیسائی بطریق بھی یہودیوں کے ہم نوا بن گے۔ اس وجہ سے ساٹھ کی دہائی میں کیتھولک گرجاؤں سے یہودیوں کے سابقہ جرائم کی معافی کا باقاعدہ اعلان جاری کرکے ان کی مصلوبیت عیسیؑ کے واقعہ پر برأت کا اعلان کیا گیا۔[2]

---

[1] سید، رضی الدین، **یہودی**: 8-7

[2] ایضا

رضی الدین سید لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے عیسائیوں کو ہم نوا بنانے کے لیے ایک اور حربہ یہ استعمال کیا کہ عالمی سطح پر فکری و عملی تحریکیں سوشلزم، نیشنلزم، کمیونزم، سیکولرازم، نظریہ آبادی اور ڈارون تھیوری شروع کیں۔ ان سب کے بانی عموماً یہودی تھے۔ چنانچہ عیسائی دنیا میں جہاں مذہب کی گرفت برائے نام تھی وہاں یہ نظریے مقبول ہوئے اور انہوں نے مذہب کے اثر کو کمزور کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے عیسائیوں کو اپنی مخالفت سے ہٹا کر نئی علمی و فکری بحثوں میں الجھا دیا۔ مزید یہ کیا کہ انہوں نے عیسائیت کو یہودیوں کی طرف سے توجہ ہٹانے کی خاطر جنس کے نظریے کو فروغ دے کر فحاشی و عریانی کو عام کر کے ان کو نائٹ کلبوں اور اوپیراؤں پر لگا دیا۔ جس سے ان کی اخلاقیات کھوکھلی ہوتی چلی گئی۔ مزید عیسائی اسکولوں کے نصاب میں تبدیلیاں کر کے ان میں اپنے مقاصد شامل کیے۔ اس لیے عیسائیوں کی موجودہ نسل ان کو اپنا دشمن نہیں سمجھتی۔[1]

یہی وجہ ہے کہ 1964ء میں عیسائیوں کی ہمدردیاں اتنی زیادہ ہوئیں کہ پاپائے اعظم پوپ جان نے یہودیوں کو اپنے نبی عیسیٰؑ کی مصلوبیت کے الزام سے بری کر دیا اور نیا عقیدہ بنایا کہ حضرت عیسیٰؑ کو پھانسی دینے والے یہودی نہیں بلکہ رومی تھے۔[2]

جبکہ اس کے برعکس یہودیوں اور عیسائیوں کی مسلمانوں کے ساتھ بنیاد پرستی میں شدید اضافہ ہوا ہے۔ وہ مسلمانوں کو بنیاد پرست قرار دے کر پوری دنیا میں شور اور واویلا مچا رہے ہیں۔ رضی الدین سید حقیقت کو واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں بنیاد پرستی ابھرنے کی ایک بڑی وجہ ان پر مغرب کا استعماری رویہ اور بے رحمانہ تشدد ہے۔ ورنہ مسلمان تو صدیوں سے گہرے خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ بنیاد پرستی جس طرح مسلم ممالک میں تیزی سے ابھر رہی ہے اسی طرح امریکہ میں خصوصاً بڑی تیزی کے ساتھ سر ابھار رہی ہے۔ اس معاملے میں امریکی صدر، پینٹاگون کے اعلیٰ حکام، صحافی و دانشور اور کالج و یونیورسٹی کے پروفیسر

---

[1] سید، رضی الدین، **یہودی**: 10-8

[2] سید، رضی الدین، **یہودی مذہب**: 291

حضرات سب کے سب یکساں طور پر شامل ہیں۔ان کی بنیاد پرستی کا خاص نکتہ بہت دلچسپ ہے کہ دنیا سے اسلامی ممالک کو مٹا دیا جائے اور قرآن پاک سے مسلمانوں کا تعلق توڑ دیا جائے۔"[1]

رضی الدین سید کے مندرجہ بالا حقائق خوفناک حقیقت آشکارا کرتے ہیں کہ یہودیوں نے عیسائیوں کی ہم نوائی حاصل کرنے کے لیے بڑے منظم انداز سے تنظیم کاری کی۔درجہ بدرجہ عیسائیوں میں فرقے پیدا کیے گئے اور نئی بائبل لکھ کر ان میں یہودی عقائد بھر دیئے گے۔جس سے عیسائیوں کی نئی نسل میں یہودیوں کے لیے نرم جذبات پیدا ہوئے اور وہ یہودیوں کی ہم نوا بن گئی۔مزید یورپ میں احیائی تحریکوں کے بعد فحاشی و عریانی پھیل جانے سے عیسائیت کھوکھلی ہو گئی اور اب یہودیوں کے سابقہ جرائم کی معافی کے پروانے سے صرف عیسائیت کا نام باقی ہے۔

امریکہ اور یہودی

امریکہ پوری طرح اسرائیل کی گرفت میں ہے۔امریکی کانگریس میں ایک بڑی تعداد یہودیوں کی ہے ۔امریکہ میں بہت سی یہودی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔جس کے مقاصد بارے رضی الدین سید لکھتے ہیں۔

"امریکہ میں اس وقت کی یہودی تنظیمیں بیک وقت کام کر رہی ہیں جس سب کے مقاصد ایک ہی ہیں۔(۱)امریکی حکومت اور پارلیمنٹ کو مکمل طور پر یہودی گرفت میں رکھیں۔(۲)اسرائیل مخالف امریکیوں کے لیے زندگی دشوار کر دیں۔(۳)اسرائیل کے لیے امریکی حکومت سے زیادہ سے زیادہ اسلحہ اور امداد کی ترسیل کروائی جائے۔(۴)امریکی عوام سے کروڑوں ڈالر عطیات جمع کیے جائیں اور (۵)مسلم ممالک کے خلاف کریک ڈاؤن پر امریکی حکومت پر دباؤ بڑھایا جائے۔"[2]

رضی الدین سید کے بیان کردہ امریکی یہودیوں کے مقاصد سے چند باتیں بالکل عیاں ہیں۔ایک،امریکہ جو اس وقت سپر پاور ہے۔یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو ان کے مقاصد معلوم نہ ہو؟دوسرا،امریکہ و برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک پوری طرح مسلم امہ کے درپے ہیں۔ورنہ اسرائیل کو اسلحہ کی ترسیل ،امداد اور عطیات دینا کس لیے ہے؟حقیقت میں درپردہ دونوں یعنی امریکہ و یورپی ممالک اور اسرائیل امت مسلمہ کے موقف پر ایک صفحہ پر ہیں۔

---

[1] سید،رضی الدین،**صیہونیت کی زد میں عالم تمام**:44

[2] سید،رضی الدین،**معرکہ عظیم**:36

رضی الدین سید امریکہ کو یہودیوں کی دوسری ریاست سمجھتے ہیں ان کے نزدیک۔ پہلا، امریکہ کی سرکاری مہر اور نشان دراصل مشہور یہودی تنظیم فری میسن کی مہر اور نشان کی نقل ہے۔ دوسرا، پینٹا گان جو امریکی افواج کا ہیڈ کوارٹر ہے فری میسنوں کے مطابق یہ حضرت سلیمانؑ کی مہر یا ڈھال ہے۔ تیسرا، صدر امریکہ کی رہائش گاہ "وہائٹ ہاؤس" بھی یہودیوں کی ایک تصوراتی مقدس آبادی کا دوسرا نام ہے۔ یہودی اس مقدس آبادی کو Casablanka بھی کہتے ہیں یعنی "قصر ابیض" اور وائٹ ہاؤس کے معنی بھی قصر ابیض کے ہیں۔[1]

سید صاحب امریکی یہودیوں بارے خیال کرتے ہیں کہ وہ اسرائیل جانے کے لیے تیار نہیں۔ ان کے مطابق:

> "تمام تر ترغیب اور تحریص اور اسرائیلی ریاست کے مذہبی تقدس کا درجہ رکھنے کے باوجود امریکی یہودی اسرائیل آنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اسرائیل کے وفادار ضرور ہیں اور اس کی تمام تر مالی امداد بھی کریں گے لیکن امریکہ چھوڑ کر اسرائیل میں جا بسنا ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ انہیں امریکی سہولتیں، آزادی اور ذاتی مفاد کی تسکین امریکہ سے نکلنے پر آمادہ نہیں کرتی۔"[2]

یہودیوں کی مہاجرت بارے بیان کیا ہے کہ وہ وہاں جانے کو تیار نہیں۔ لیکن ان کا وہاں رہ کر اسرائیل کے ساتھ وفاداری، اسرائیل کی سیاسی پشت پناہی اور جنگی امداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہودی چاہے جہاں کہیں بھی ہو وہ صرف یہودی ہے اور ریاست اسرائیل کا وفادار ہے۔ اب اس جگہ مسلم امہ کے لیے بھی سبق موجود ہے کہ وہ اپنے گریبان میں دیکھیں کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں کیا وہ ایک امت ہیں؟ اور سوچیں کہ وہ کیسے اپنی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے مقتدر طاقتوں کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں؟۔

اسرائیلی نصاب تعلیم

تعلیمی نصاب ایک ایسا سانچہ ہوتا ہے جس میں نئی نسل کو ڈھال کر انہیں قومی و عملی زندگی میں خدمات سرانجام دینے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ تعلیمی نصاب ذہن سازی کرتا ہے اور ذہنی تربیت سے ہی انسانی شخصیت میں

---

[1] سید، رضی الدین، **معرکہ عظیم**:14

[2] ایضا:28

نکھار آتا ہے۔ بچپن اور اسکول کی سطح پر طلباء کا ذہن سلیٹ کی مانند ہوتا ہے۔اس پر جو بھی نقش و نگار بنایا جائے گا وہ ساری زندگی اس پر کابند رہیں گے۔الغرض نصاب ہی سے کردار سازی اور اخلاقی تربیت ملتی ہے اور انسان تعلیم مکمل کرنے کے بعد قومی زندگی اور قومی ترقی میں حصہ ڈالتے ہیں۔

اسرائیل کا تعلیم نصاب یہودی بنیاد پرستی کا اعلی نمونہ ہے۔رضی الدین سید ایک عرب عیسائی کی کتاب "Anti Arab Raceism in the USA" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مصنف لکھتے ہیں۔اسرائیلی کتابوں میں یہودیوں کو بہادر، محنت کش اور ملک کی ترقی میں معاون کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جبکہ عربوں کو کمتر، غیر مذہب، سست الوجود اور بے حس کہا جاتا ہے۔ان کے نزدیک عرب قاتل ہیں، جلاؤ گھیراؤ کرتے ہیں اور آسانی سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔یہ تشدد پسند، جھوٹے، لالچی، دوچہروں والے اور غدار ہیں۔عرب یہودیوں کو فلسطین سے نکالنے کے درپے ہیں جبکہ یہودی ایک منصفانہ انسانی معاشرہ تشکیل دینے کے درپے ہیں۔وہ ان عربوں کے خلاف جنگ کرنے میں منہمک ہیں جو اسرائیل میں یہودیوں کو بسنے دینے کے قائل نہیں۔[1]

مزید براں لکھتے ہیں کہ:

"اسرائیلی تعلیمی اداروں کے مختلف درجات میں یہودیوں پر ہٹلر کے مظالم کا فرضی قصہ، ہولوکاسٹ کے نام سے پڑھایا جانا بھی لازمی تصور کیا جاتا ہے تاکہ ان کی آنے والی نسلیں اپنے باپ دادا کی قربانیوں اور یہودی قوم کے دنیا بھر میں مظلوم ہونے کی حالت سے واقف ہو سکیں۔ظاہر ہے کہ ظلم و ستم کے تفصیلی اور بار بار کے مطالعے ان کے اندر شدید رد عمل پیدا ہونا لازمی ہے۔یہودی شریعت کے مطابق دنیا میں پائے جانے والے غیر یہودی بشمول عیسائی اور مسلمان گوئم (چوپائے، امی اور احمق) ہیں۔لہذا اسی بنیاد پر ان کو ہر سطح کی درسی کتابوں میں یہودی طلبہ کو اصرار کے اتھ پڑھایا جاتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ باقی تمام کو گوئم، رذیل اور چوپائے سمجھیں۔"[2]

---

[1] سید، رضی الدین، **صیہونیت کی زد میں عالم تمام**:69-68

[2] سید، رضی الدین، **معرکہ عظیم**:70

اسرائیلی نصاب میں بنیاد پرستی اور ماضی سے لگاؤ کی وجہ سے اسرائیلی نئی نسل میں مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کا پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ فلسطینی عربوں کے متعلق یہودی بچوں کو مندرجہ بالا اسباق پڑھانے سے ان میں عربوں کے خلاف دشمنی کا جذبہ جڑ پکڑتا ہے۔ جبکہ ہالوکاسٹ کے متعلق پڑھانے سے ان کو آباؤ اجداد سے لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ جب بچے تعلیم حاصل کرنے کے بعد عملی زندگی میں آئیں گے تو وہ یقینا مسلمانوں اور دوسرے انسانوں کو رذیل سمجھیں گے۔

تحریک پاکستان اور تحریک اسرائیل: تقابل

پاکستان اور اسرائیل دونوں نظریاتی ریاستیں ہیں۔ پاکستان اس لیے نظریاتی ریاست ہے کہ اسے اسلام سے وابستہ کرنے کے بعد اللہ سے وعدہ کیا گیا کہ حصول مملکت کے بعد اس میں اللہ کے نام کا کلمہ جاری کیا جائے گا۔ دین الٰہی کے قانون نافذ کیے جائیں گے۔ اس مقصد کے لیے ایک طویل تحریک چلائی گی۔ اس تحریک کو تحریک پاکستان کہتے ہیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔

اس کے برعکس اسی دورانیہ میں ایک اور نظریاتی ریاست کے حصول کی مہم چل رہی تھی۔ جن کا بھی یہی دعوی تھا کہ ان کی سرزمین پیغمبروں کی بشارت اور خدائی وعدہ ہے۔ وہ یہویوں کے علیحدہ وطن کی تحریک تھی اور بالآخر وہ 14 مئی 1948ء کو الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگے۔

رضی الدین سیدان دونوں تحریکوں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

1۔ تحریک پاکستان جائز حقوق کی حفاظت اور حق کے لیے چلائی گئی تھی اور اس میں جھوٹ، مکروفریب اور تشدد کا کوئی عنصر موجود نہ تھا۔ جبکہ تحریک اسرائیل جھوٹ اور ناجائز حقوق کے لیے چلائی گئی تھی۔ جو کہ رزائل اور تشدد سے بھرپور تھی۔

2۔ پاکستان معرض وجود میں آیا تو پوری دنیا نے اس کی آزاد حیثیت کو تسلیم کیا بلکہ اس کی آزاد حیثیت کو اس ملک نے بھی تسلیم کیا جس سے یہ علیحدہ ہوا تھا۔ جبکہ اسرائیل کو آج بھی تقریبا چوتھائی دنیا تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور اسے وہ ناجائز ریاست کا درجہ دیتے ہیں۔

3۔علامہ اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ آزاد ریاست کا تصور دیا اور ان کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے ان میں الگ وطن کے حصول کے جذبے کو ابھارا۔اس لیے مسلمان ان کو قومی مفکر کا درجہ دیتے ہیں۔اسی طرح یہود جو اس وقت منتشر اور راندہ درگاہ بنے ہوئے تھے۔تھیوڈور ہرزل نے ان کے اندر صیہونیت کی روح پھونکتے ہوئے ان کو علیحدہ وطن اسرائیل حاصل کرنے پر ابھارا۔اسی لیے یہودی تھیوڈور کو قومی مفکر کا درجہ دیتے ہیں۔

4۔ریاست اسرائیل کے قیام کے بعد یہودیوں کی بھی ہجرت ہوئی اور ان کی ایک بڑی تعداد پوری دنیا سے ہجرت کر کے اسرائیل میں قیام پذیر ہوئی۔یہ اپنی ہجرت کو "عالیہ" کہتے ہیں۔جبکہ قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں نے بھی بھارت کے مختلف علاقوں سے ہجرت کی اور یہ اپنی ہجرت کو نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

5۔یہودی ریاست اسرائیل دنیا میں پائے جانے والے تمام یہودیوں کی نمائندہ ہے۔جبکہ پاکستان عالم اسلام کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے اور کہیں بھی کوئی مسلم مسئلہ درپیش ہو تو پاکستان اس کے حق میں آواز اٹھاتا ہے۔[1]

مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

سرزمین فلسطین جو کہ انبیاء کی سرزمین ہے اور مسلمانوں کے نزدیک اس کو مقدس مقام حاصل ہے۔اسی سرزمین پر مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس موجود ہے۔آج یہ سرزمین یہودیوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ اس مقدس سرزمین پر لہو کا بازار سرگرم کیے ہوئے ہے۔فلسطینیوں پر ان کا بے پناہ تشدد ساری دنیا کو معلوم ہے۔عالمی ضمیر تو اس وقت بے حس ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ امت مسلمہ کا ضمیر بھی سو رہا ہے۔حالانکہ مسجد اقصی فریاد کنا ں ہے اور امت مسلمہ کو پکار رہی ہے۔

رضی الدین سید مسئلہ فلسطین پر امت مسلمہ کی درج ذیل ذمہ داریاں بیان کرتے ہیں۔

[1] سید، رضی الدین، معرکہ عظیم:119-116

1۔ عرب ممالک تیل کی پیداوار پر جو بلین ڈالرز سالانہ آمدنی مغربی بینکوں میں جمع کرواتے ہیں۔ جس سے ان ممالک کی معیشت مضبوط تر ہو رہی ہے۔ ان کو چاہیے کہ امریکہ و برطانیہ پر دباؤ ڈالیں کہ مسئلہ فلسطین حل کروانے میں مرکزی کردار ادا کریں۔

2۔ تیل کے بڑے ذخائر مسلم ممالک میں ہیں۔ مسلم ممالک کو چاہیے کہ تیل کے ہتھیار کو استعمال کریں۔ اس سے بڑی قوتیں ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

3۔ مسلم امہ کی ایک بڑی ذمہ داری فلسطینیوں کی عسکری مدد ہے۔

4۔ عرب ممالک استحصالی پسند قوتوں کی ایک بڑی منڈی ہے جہاں سے ایک بڑا زرِ مبادلہ ان ممالک میں منتقل ہوتا ہے۔ چنانچہ عالمی مارکیٹ کی اس قدر و قیمت کی بنا پر عرب ممالک مغرب سے جرات مندانہ سودے بازی کر سکتے ہیں۔

5۔ اسلامی ممالک کی عالمی تنظیم او-آئی-سی کو بھی اب اپنی مصلحتوں کو الگ رکھ کر بیدار ہونا پڑے گا۔ انہیں عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے اور بعض اقدامی کردار اختیار کرنے ہوں گے۔

6۔ امت مسلمہ کو فلسطین کی حماس اور دوسری جہادی تنظیموں کا کھلے عام ساتھ دینا چاہیے۔

7۔ امت مسلمہ کے نوجوانان کو اپنی عقلوں سے باہر آنا پڑے گا۔ انہیں لہو و لعب کو چھوڑ کر اپنے ممالک کے بے حس حکمرانوں کو جھنجھوڑ کر امریکہ سے دو ٹوک مذاکرات کرنے پر اکسانا ہو گا۔

8۔ صحافیوں اور دانشوروں کو چاہیے کہ وہ اپنے قلم کے ذریعے فلسطین کے جہاد کو مضبوط تر کریں اور امریکی و یورپی میڈیا میں اپنے احتجاج مسلسل ریکارڈ کروائیں تاکہ وہاں کے عوام بھی اصل ظلم سے آگاہ ہو سکیں۔

9۔ ہماری یہ بھی ذمہ داری ہے کہ یہودی اداروں کی تیار کردہ مصنوعات کا مکمل طور پر بائیکاٹ کیا جائے۔

10۔ مسلم ممالک کے سربراہوں پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ ان کی حیثیت مسلم امہ کے ترجمان کی ہے۔اس وقت اقوام متحدہ میں ایک بڑی اکثریت مسلم ممالک کی ہے۔ان سربراہوں کو اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں میں یہودی وامریکی اقدامات کی مذمت کرنی چاہیے۔[1]

مسئلہ فلسطین جو کہ امت مسلمہ کا مسئلہ ہے۔رضی الدین سید نے مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے جو اقدامات بیان کیے ہیں۔وہ تمام مسلمان ممالک کے لیے ہیں نہ کہ کسی خاص ملک کے لیے۔لہذا تمام مسلمہ امہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے مسائل جن سے وہ نبرد آزما ہیں ان کو الگ کر کے امت واحدہ ہو کر اس عالمی مسئلہ پر توجہ دیں تاکہ یہ مسئلہ حل ہو جائے۔

یہودیوں کے محسن مسلمان

بخت نصر سے لے کر طلوع اسلام تک یہودیوں پر بابلیوں،یونانیوں،رومیوں اور عیسائیوں کے ظلم و جبر اور تشدد کا شکار رہے۔ان پر تشدد و غلامی کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو ان کی اپنی شازشوں اور بے راہ روی سے ان پر مسلط ہوا تھا۔رضی الدین سید لکھتے ہیں کہ خوش قسمتی سے اسلام ان کے لیے ابر رحمت ثابت ہوا جہاں انہیں سکون اور راحت و آرام حاصل ہوا اور انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔آج سے 1500 سو سال پہلے سوائے مدینہ کہ اسلام نے انہیں کبھی بھی تعصب اور دشمنی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔حالانکہ یہ مدینہ میں بھی سکون سے رہ رہے تھے لیکن اپنے ہی کرتوتوں کی بنیاد پر انہیں جبرا جلاوطن کیا گیا۔اسلام نے اپنے پیروکاروں کو رواداری اور احترام انسانیت کا درس دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بنو امیہ،بنو عباس،خلافت عثمانیہ اور مغل دور میں انہیں جلانا تو در کنار کسی نے انگلی سے چھونے کی کوشش بھی نہیں کی۔[2]

رضی الدین سید یہودیوں پر مسلمانوں کے مزید احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

---

[1] سید،رضی الدین،**معرکہ عظیم**:83-78

[2] سید،رضی الدین،**صیہونیت کی زد میں عالم تمام**:54-53

"یہودیوں کو آج بھی مسلمانوں کا ممنون احسان ہونا چاہیے اور اگلی نسلوں تک اس مسلم احسان کو لازما منتقل کرنا چاہیے تھا۔ ان کے مفکرین خود ہی دنیا کو باور کرواتے کہ مسلمانوں سے دوستی رکھنا خود ان کے اپنے مفاد میں ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دل سے بنی نوع انسان کے خیر خواہ ہیں۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ صدیوں کے اس حسن سلوک کے باوجود، جس کے باعث دنیا میں ان کی مزید زندگی ممکن ہوئی اور جس کے باعث خود ان کی اپنی علمی صلاحیتیں بھی اجاگر ہوئیں وہ آج بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ثابت ہو رہے ہیں اور اپنی مکارانہ سازشوں کے تحت انہوں نے تمام عالم کو مسلمانوں کے قتل عام کے مشن پر لگا دیا ہے۔ آج اسرائیل کے نصاب میں عربوں اور مسلمانوں کے خلاف نفرتوں کے اسباق کے بھرے ہوئے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے صدیوں کے طویل مشفقانہ وسرپرستانہ رویے کے باعث ان پر لازم ہے اور نہیں تو اسرائیل میں پہلے سے آباد فلسطینیوں کو تو اپنے ساتھ آباد رہنے دیتے۔ احسان کا بدلہ انہیں جوابی احسان کے ساتھ دینا چاہیے تھا۔"[1]

یہودیوں پر مسلمانوں کے اتنے احسانات کہ باوجود آج ان کا امت مسلمہ کے لیے ان کا رویہ سوائے حسد اور ہٹ دھرمی کے کچھ اور نہیں۔ وہ خدا کی برگزیدہ اور چہیتی قوم ہونے کی دعویدار ہے۔ وہ اپنے علاوہ پوری دنیا کے انسانوں کو رذیل چوپائے سمجھتی ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے تمام احسانات کو بھلا کر خاص ان کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ مسلمانون کے قتل عام، نصاب میں مسلم دشمنی اور فلسطینیوں کی جبری ملک بدری سے وہ تمام مقاصد واضح ہیں جو کہ امت مسلمہ کو فنا کر کے وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

یہود کی خوبیاں

انیسویں صدی کے آخر تک یہود کو دنیا کی بدترین قوم سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ یہودی کا لفظ بطور گالی استعمال ہوتا تھا۔ قرآن حکیم میں اس مبغوض قوم پر متعدد بار خدائی احکامات کی نافرمانی کرنے پر پھٹکار کا ذکر موجود ہے۔ لیکن بدترین فسادی ہونے کی وجہ سے ان میں کچھ منفرد خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو شاید دنیا کی کسی اور قوم میں موجود نہیں ہیں۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیل کی بشارت دی تو فرمایا:

---

[1] ایضا:59-58

"﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾"[1]

ترجمہ:"تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔"

جبکہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت پر یہ خوشخبری دی۔

"﴿إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾"[2]

ترجمہ:"ہم تجھے ایک صاحب علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔"

حضرت اسحاقؑ کے لیے اللہ تعالی نے لفظ علیم استعمال کیا جس کے معنی عالم، ہوشیار، دور اندیش اور دانشمند کے ہیں ۔یہودی چونکہ حضرت اسحاقؑ کی لڑی میں سے ہیں۔اس لیے آج بھی ان میں یہ ساری صفات پائی جاتی ہیں۔انہی صفات کی بدولت یہودی تعداد میں کم اور منتشر ہونے کی صورت میں آج بھی راج کر رہے ہیں۔

رضی الدین سید یہود کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ دنیا کی سب سے چھوٹی الہامی قوم ہیں اور یہ انتہائی اقلیت میں ہیں۔لیکن اپنی دانائی اور فراست سے انہوں نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور عالمی سطح پر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہوتا جن میں یہودیوں کا عمل دخل نہ ہو۔

1۔یہودی قوم آج تک بڑی تعذیب اور تشدد سے گزری۔دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جنہوں نے ان پر تشدد نہ کیا ہو یا یہ ان کے غیض وغضب کا نشانہ نہ بنے ہوں۔لیکن اس کے باوجود یہودی قوم کی یہ حیرت انگیز خوبی ہے کہ اس کے باوجود ان کو اپنے مذہب اور آباؤ اجداد سے لگاؤ ہے۔ان کا کل بھی یہ دعوی تھا کہ ہم دنیا کی سب سے اعلی اور چہیتی قوم ہیں اور آج بھی ان کا یہ دعوی برقرار ہے۔

2۔یہودیوں کی اور خوبی مذہب پر ان کا عملدرآمد ہے۔نماز، روزے، ذبیحے اور توحید پرستی پر اسے آج بھی فخر ہے ۔وہ اپنے مذہبی عبادات کے لحاظ سے کسی احساس کمتری کا شکار نہیں۔

---

[1] سورہ الصفت:101

[2] سورہ الحجر:53

3۔یہودی آج دنیا کے تمام اہم صنعت و کاروبار پر قابض ہیں۔ تمام بڑے عالمی ادارے اور برانڈز یا تو خود یہودیوں کی ملکیت ہیں یا ان میں ان کا ایک نمایاں حصہ ہے۔ان کی خوبی یہ ہے کہ اپنی مصنوعات کی کوالٹی کو برقرار رکھتے ہیں بلکہ اسے مسلسل بہتر بناتے رہتے ہیں۔

4۔اس قوم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اسرائیل حاصل کرنے کے بعد اس مضبوط و مستحکم بنانے اور اسے عروج پر لے جانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ دنیا میں پھیلے ہوئے یہودیوں کا مرکز نگاہ آج بھی اسرائیل ہے اور وہ اسے مقدس اور خدائی ریاست کا درجہ دیتے ہیں۔

5۔ان کی ایک خوبی اپنی زبان کی حفاظت ہے۔ عبرانی گذشتہ تین ہزار سال سے ان کی زبان ہے اور وقت کے اتار چڑھاؤ کے سبب یہ زبان تقریبا ناپید ہو گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اس زبان کو زندہ کیے رکھا اور آج تل ابیب میں عبرانی زبان کی باقاعدہ یونیورسٹی موجود ہے۔

6۔یہودیوں کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے علماء کو ہمیشہ مقدس مقام دیا ہے۔انہوں نے کبھی ان کا کوئی مذاق نہیں اڑایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ملک ربیوں ہی کی بدولت چل رہا ہے۔ آج تک اخباروں میں ان کے علماء کے خلاف کوئی بات سامنے نہیں آئی۔[1]

رضی لدین سید کی عصر حاضر میں مطالعہ یہودیت کے تناظر میں اور عالمی حالات کے پیش نظر یہودیوں کے کردار اور تحریک صیہونیت کے حوالے سے تحقیقی تصانیف سامنے آئی ہیں۔ جن میں ایک بڑی تعداد تراجم کی ہے۔ مطالعہ یہودیت ان کا خاص موضوع ہے۔ تاہم اس ضمن میں ان کا انداز تحقیقی ہے جبکہ ان کی زیادہ تر کتب "مجموعہ اقتباسات "کا منظر پیش کرتی ہیں۔

رضی الدین سید تحریک صیہونیت سے لے کر عصر حاضر تک کے واقعات، جن میں تحریک صیہونیت کا آغاز ،اعلان بالفور، فری میسن تحریک، سقوط سلطنت عثمانیہ اور دو عظیم جنگوں کے بعد اسرائیل کے قیام کو تاریخی تناظر

[1] سید، رضی الدین، معرکہ عظیم:130-125

میں بیان کرتے ہوئے ان پر پر مغز تبصرہ فرناتے ہیں۔ہالوکاسٹ کو ایک فرضی بیانیہ قرار دیتے ہیں اور عصر کی تحقیقات اس بیانیہ کی تصدیق کرتی ہیں۔

انہوں نے اسرائیلی تعلیمی نصاب کو موضوع بحث بناتے ہوئے اس میں شامل عربوں کے متعلق مندرجات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔کیونکہ اگر نصاب میں نسلی تعصب بھرا ہو گا تو آنے والی نسلیں اسی تعصب سے اپنے آپ کو ظاہر کریں گی اور عالمی امن میں انتشار کا باعث بنیں گیں۔انہوں نے تحریک پاکستان اور تحریک اسرائیل کا تقابل بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے مسلمانان عالم کو بالعموم اور عرب دنیا کو بالخصوص مخاطب کرتے ہوئے اس کے لیے ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں۔یہود کی خوبیوں کا کھل کر اظہار کرتے ہیں جو کہ لائق تحسین ہے۔

فصل سوم:

یوسف ظفر تعارف و خدمات

یوسف ظفر ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ حلقہ ارباب ذوق کے ابتدائی منتظمین میں سے ہیں۔ اسرائیل کا مصر پر حملہ اور 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ نے جس میں مسلمانوں کا قبلہ اول یہودیوں کی تحویل میں چلا گیا عرب ممالک کو ایک عظیم شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس واقعہ پر پوری امت مسلمہ شدید اضطرابی اور فریاد کناں حالت میں تھی۔ ان واقعات نے یوسف ظفر کی شخصیت پر بڑا اثر کیا۔ آپ نے اس واقعہ کے بعد یہودیت کو خصوصی توجہ کا مرکز بناتے ہوئے تحقیق کا آغاز کیا۔ انجیل مقدس اور خاص مغربی مصادر سے استفادہ کے بعد ایک تحقیقی تصنیف "یہودیت" کے نام سے منظر عام پر لائے۔

پیدائش

محمد یوسف یکم دسمبر 1914ء کو مری میں پیدا ہوئے۔ ان کا قلمی نام یوسف ظفر تھا۔ اپنی کتاب "زنداں" کے دیباچہ میں یوسف ظفر لکھتے ہیں۔ کہ

"یکم دسمبر 1914ء کی سحر نے مجھے کوہ مری کی بلندیوں پر دیکھا۔"[1]

ابتدائی حالات زندگی

یوسف ظفر کے والد کا نام شیخ غلام رسول تھا۔ اور والدہ کا نام آمنہ بیگم تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سناتن دھرم ہائی سکول راولپنڈی میں حاصل کی۔ آپ کی ابتدائی زندگی بڑے نامساعد حالات میں گزری۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے والد بیمار پڑ گے۔ والدین کو سہارے کے لیے آپ نے کام شروع کر دیا۔ لکھتے ہیں:

---

[1] یوسف ظفر، **زنداں** (لاہور: اردو بک سٹال، 1944ء):10

"ان کا احساس مجھے سب سے پہلے 1925ء میں ہوا۔جب والد گرامی شیخ غلام رسول صاحب(مرحوم)بیمار ہوئے اور دو سال تک لگاتار بستر علالت پر پڑے رہے۔مجھے گھر کی حالت کا شدت سے احساس ہوااور میں نے راولپنڈی کی گلیوں میں اپنے تعلیمی مشاغل کے بعد قصے کہانیوں اور اس قسم کے دوسرے رسالوں کو فروخت کرنا شروع کر کیا۔کبھی کبھی غبارے بیچنے کے لیے نکلتااور اس طرح میں نے اپنے والدین کا ہاتھ بٹایا۔ہر چند کے والدین کی طرف سے مجھ پر ایسی کوئی پابندی عائد نہ تھی۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس غلبہ احساس نے اس جذبہ سربلندی کو شکست دی جو ہمیں عوام کی سطح کی پر پہنچنے سے قاصر رکھتاہے۔میں نے اس عمر میں محسوس کر کرلیا تھا کہ زندہ رہنے کے لیے جدوجہد لازمی ہے اور مجھے ہر وقت تلخ سے تلخ حقیقتوں سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہناچاہیے۔اس درس نے میری زندگی کے دھارے کو ایک خاص طرف موڑ دیا۔"[1]

یوسف ظفر کی زندگی میں 1929ء کا سال بڑے غم و اندوہ کا سال تھا۔والد جو کہ پہلے ہی بیمار تھے وہ 23 جولائی1929ء کو وفات پاگئے اور ان کی بڑی بہن جو کہ ان سے پانچ سال بڑی تھی یہ غم برداشت نہ کر سکی اور ساتھ ہی داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ایک گھر سے بیک وقت دو جنازے اٹھے تو کہرام بپا تھا۔یہ غم ان کی روح تک کو زخمی کر گیا۔"زنداں"میں لکھتے ہیں کہ:

"23جولائی1929ءکادن میری زندگی کا ایک یادگار دن ہے۔والد گرامی تو خیر علیل تھے ہی اور ہم لوگ ان کی زندگی سے ہاتھ دو چکے تھے لیکن میری ہمشیرہ جو مجھ سے عمر میں پانچ سال بڑی تھی۔ان کے لمحات واپسیں کو دیکھ نہ سکیں اور قلب کی حرکت بند ہونے سے والد گرامی کے ہمراہ دار آخرت کو سدھاریں۔یہ دو ہستیاں جو میری اولین محبت کی یادگاریں تھیں۔بیک وقت مجھ سے اس طرح چھن گیں کہ میں دم بخود ہو کر رہ گیا۔سب سے پہلی نظم اسی لرزہ خیز حادثے کی پیداوار تھی۔اور اسی نظم نے مجھے احساس دلایا کہ میں شعر کہہ سکتا ہوں ۔دوسری نظم بھی اسی زمانہ میں ہوئی اور میٹرک کا امتحان پاس کرنے سے پہلے میں تین نظموں اور ایک غزل کا خالق بن چکا تھا۔"[2]

1935ءمیں یوسف ظفر کی والدہ کا انتقال کر گئیں۔اس سانحہ کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] یوسف ظفر،**زنداں**:11

[2] ایضا

"23 جولائی کا دن 1935ء میں پھر ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ والدہ محترمہ لاہور کے لیڈی ولنگٹن ہسپتال میں زیر علاج تھیں اسی دن انہوں کا انتقال فرمایا۔ یہ حقیقت بھی ناقابل حد تک درست ہے۔ 23 جولائی ممکن ہے کہ کسی سال کی یہی تاریخ میری موت کا پیغام بھی لائے۔ لیکن مجھے اس کی شدید قربت کا احتمال نہیں۔ اگرچہ ہر سال کی 23 جولائی مجھے جانکنی کے صدمے سے کم نہیں ہوتی۔"[1]

یوسف ظفر نے مڈل مشن ہائی سکول کیا۔ اور میٹرک کا امتحان 1932ء میں دیا۔ آپ نے خالصہ کالج گوجرانوالا سے 1934ء میں ایف اے پاس کیا۔ جبکہ بی اے کی تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے گئے اور سناتن دھرم کالج لاہور سے 1936ء میں بی اے پاس کیا۔

دہلی روانگی

یوسف ظفر نے اپنی شاعری کا آغاز 1929ء میں کیا۔ میٹرک کے امتحان سے پہلے انہوں نے تین نظمیں اور ایک غزل لکھی۔ لکھتے ہیں کہ:

"شاعری کا یہ شعور 1935ء تک باقاعدہ ایک مرض کی شکل اختیار کر گیا۔ اس دوران میں نے اساتذہ کے تمام تر دواوین کا مطالعہ کیا اور غزل میں یہاں تک دسترس حاصل کر لی کہ ہر زمین میں شعر کہنے کے قابل ہو گیا۔ اس زمانے میں تقریباً ہر دوسے دن غزل کہتا۔ لیکن اسے مشق سے زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوئے تلف کر دیتا۔ زمانہ تیز رفتاری سے مجھے ساتھ لیے جا رہا تھا۔ ابھی تک میں حقائق اور تلخ تر حقائق سے اس طرح دوچار نہ ہوا تھا کہ ان گہرائیوں تک پہنچنے کے قابل ہو سکتا"[2]

شاعری کے لیے کسی بڑے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ کے لے آپ 1936ء میں دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں ان کو بڑے نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

"زندگی کا یہ چکر چلتا رہا، میں اپنے ماحول سے مطمئن تو قطعی طور پر نہ تھا۔ لیکن 1936ء کے آخر تک یہ ماحول ناقابل برداشت ہو گیا۔ اور میں نے شدید سرما کے زمانے میں زندگی کے اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دی

[1] یوسف ظفر، **زنداں**: 12
[2] ایضا: 13-12

۔دہلی پہنچا۔لیکن بے سروسامان شخص، جس شخص کی کل کائنات ایک روپیہ بارہ آنے ہو وہ ایک اجنبی شہر میں کب تک زندہ رہ سکتا ہے۔ سڑکوں پر سونا، رات رات بھر ٹھٹرتے ہوئے جاگنا، دن دن بھر زندگی کے لیے بھاگتے پھرنا، دیواروں پر پوسٹر چپکانا، ہوٹل گائیڈ کے فرائض سرانجام دینا۔بچوں کو پڑھانا وغیرہ وغیرہ۔ کئی مراحل اور دل شکیںوں سے گذرنے کے بعد حضرت جوش ملیح آبادی تک رسائی ہوئی اور انہوں نے مجھے کلیم "کے مینیجر کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا۔انہیں کہ ایماء سے غزل چھوڑ کر نظم کی طرف آیا۔ادبی محفلیں، ادبی ماحول، اور ایک بہت بڑے شاعر کا قرب اس خوش کن تصور کے ساتھ وہ بھیانک پس منظر، وہ پیہم فاقہ کشی، وہ متزلزل زندگی،، پھر کیا ہوا؟میرٹھ لکھنوٴ، فیض آباد ایک چکر ایک گردش منظر بدل رہا تھا۔ماحول پھر نا قابل برداشت ہو گیا۔"[1]

عزیز ملک لکھتے ہیں۔

"یوسف ظفر دہلی سے کچھ دنوں کے لیے میرٹھ گیا وہاں سے لکھنوٴ جا نکلا۔ لکھنوی معاشرت کے مطالعے کی خصوصی مہلت ملی مگر نوکری نہیں ملی۔ لکھنوٴ سے آگرہ آگیا۔ایک دفعہ آگرہ سے دہلی کے سفر میں ایک ویران اسٹیشن پر اتار دیا گیا۔ گرمی کے دن تھے اور دوپہر کا وقت تھا۔پیاس کی شدت سے برا حال ہو گیا۔اسی حالت میں اٹھارہ میل چلنا پڑا دہلی ظفر کو اس لیے عزیز تھی کہ یہاں ایک آنے میں دو روٹیاں اور ایک ہی آنے کے دو شامی کباب مل جاتے تھے۔چار آنے میں دو وقت کا کھانا مل جاتا تھا۔وہ بمشکل اتنے ہی پیسے روزانہ کماتا تھا۔جس روز کام نہ ملتا فاقے سے پڑا رہتا۔فاقے کرتے کرتے اور بڑے گوشت کے کباب کھاتے کھاتے اس کی آنتوں میں تکلیف پیدا ہو گئی۔ کثرت ریاح کے باعث اختلاج قلب کا عارضہ پیدا ہو گیا۔ایک روز والدہ اور بہن کی یاد نے ستایا تو ظفر روتے ہوئے ریلوے اسٹیشن آ گئے۔ گاڑی میں سوار ہوئے اور گوجرانوالا آ کے دم لیا۔"[2]

لاہور واپسی اور ملازمت

یوسف ظفر دہلی سے 1938ء میں لاہور واپس آ گئے ار اریگیشن سیکر ٹیریٹ میں ملازمت اختیار کی۔لکھتے ہیں:

---

[1] یوسف ظفر، **زنداں**:13

[2] عزیز ملک ،**یوسف ظفر کی بات**(لاہور: مجلہ اوراق، اکتوبر، نومبر 1973ء):260

"8 اگست 1938ء مجھے پھر اسی مقام تک لے آیا جس سے میں چلا تھا۔لاہور۔15 نومبر 1938ء کو پنجاب اریگیشن سیکرٹیریٹ لاہور میں کلرک کی حیثیت سے ملازم ہوا۔اس کے بعد ایک سال نے ماحول کو سازگار بنانے میں صرف ہوا۔"[1]

حلیہ

شہرت بخاری یوسف ظفر کا حلیہ لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔کہ:

"اس کا قد کسی حد تک چھوٹا تھا۔دبلا ڈیل۔گول چہرہ،ابھرے ابھرے ہونٹ،برائے نام مونچھیں،سر پر چھوٹے چھوٹے کھڑے ہوئے بال،جن میں نہایت خفیف سی مانگ،تنگ ماتھا،چھوٹی سی گول سی ناک اس پر بڑے بڑے شیشوں والی عینک،زردی مال رنگ،منہ میں پان جسے ہونٹ بند کیے ہوئے چباتا رہتا،سگریٹ متواتر پیتا،ظاہر سے غافل،باطن سے ہوشیار،آواز دھیمی،ذہن براق،نظریں خلوص اور محبت میں بجھی ہوئی۔دل مروت اور وضعداری میں رچا ہوا۔ہر حال میں خوش۔ہر رنگ میں مست۔نہ آج کا فکر نہ کل کا اندیشہ۔مرنجاں مرنج۔جلوت پسند بھی اور خلوت پرست بھی۔پیار کرو تو قدموں میں بچھ جائے۔کترانے کی کوشش کرو تو دیکھنے کو ترس جاؤ۔مصلحت نااندیش۔صاف گو۔گرم دل۔سیر چشم۔زود آشنا۔زود رنج۔وفا کی تصویر۔جذبات کا مرقع۔رونے والے کے ساتھ بیٹھ کر اتنا روتا کہ وہ اپنا رونا بھول جاتا۔ہنسنے والے کے ساتھ مل کر اتنا خوش ہوتا کہ اس کی خوشی ہزار گنا بڑھ جاتی۔خود نمائی سے نفور۔خود اعتمادی سے مالا مال،جیسا بھولا بھالا اور معصوم دکھائی دیتا،برتنے میں ویسا ہی ثابت ہوتا،نیک خو،نیک عمل۔شعر کے سوا ہر موضوع اس کی گفتگو سے خارج۔جتنا شعر سننے کا لپکا اتنا ہی شعر سنانے کا چسکا۔۔۔یہ کوئی صرف شاعر تو نہیں تھا۔صرف دوست تو نہیں تھا۔وہ تو کچھ اس سے منزلوں آگے تھا۔میں وہ لفظ کہاں سے لاؤں جو میرے احساسات اور جذبات کی ترجمانی کر سکیں اور میں بتا سکوں کہ وہ شخص کون تھا۔"[2]

---

[1] یوسف ظفر، **زنداں**:14

[2] شہرت بخاری، **کھوئے ہوؤں کی جستجو**(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،1987ء):92

حلقہ ارباب ذوق سے وابستگی

حلقہ ارباب ذوق کا آغاز 29 اپریل 1939ء کو ہوا۔ سید نصیر احمد جامعی نے اپنے دوستوں کو کو جمع کیا۔ جن میں نسیم حجازی، تابش صدیقی، محمد فاضل وغیرہ شامل تھے اور ایک ادبی محفل منعقد کی۔ نسیم حجازی نے اس میں ایک افسانہ پڑھا اور اس پر باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد اس محفل کو جاری رکھنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا گیا اور رسمی طور پر اس کا نام "مجلس داستان گویاں" رکھ دیا گیا۔ بعد میں اس کا نام حلقہ ارباب ذوق رکھا گیا۔

یونس جاوید لکھتے ہیں۔

حلقہ کا آغاز 29 اپریل 1939ء کو ہوا۔ جس کی صدارت حفیظ ہوشیار پوری نے کی۔ نسیم حجازی نے ایک طبع زاد افسانہ پڑھ کر سنایا۔"[1]

یوسف ظفر: حلقہ ارباب ذووق میں

حلقہ ارباب ذوق سے وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے خود بیان کرتے ہیں کہ:

"1940ء کے موسم گرما میں اس (میرا جی) نے مجھ سے حلقہ ارباب ذوق کا سرسری سا تعارف کرایا تھا۔ ہم دونوں حسب معمول شام کو منشی مہتاب دین مرحوم کے مکان سے نکلے، بی ٹھاپان والے سے ہوتے ہوئے ہم بتکدہ کی طرف جارہے تھے کہ انھوں نے مجھ سے کہا "میں آج مصری شاہ میں ایک ادبی انجمن کی صدارت کرنے گیا تھا۔ اچھے لوگ ہیں سب کے سب نوجوان ہیں۔ ان میں سے بعض میں بڑی صلاحیتیں ہیں۔ قیوم نظر بھی ان کے ساتھ ہے۔ آئندہ جاؤں گا تو تمھیں بھی ساتھ لے جاؤں گا"۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرا جی ہر جگہ مجھے ساتھ رکھتے تھے انہوں نے اپنا پلان بھی بتایا۔ لاہور میں ایک ایسی انجمن کی ضرورت ہے جو بخاری اور تاثیر کی گروہ بندی کو ختم کرے، نئے فنکاروں کے لیے سازگار فضا پیدا کرے، اور نئی شاعری کو مقبول

---

[1] یونس جاوید، **حلقہ ارباب ذوق** (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1984ء):23

بنانے کے لیے کام کرے، میرا جی نے یہ پروگرام جس طرح مرتب کیا اور جس ذوق و شوق سے اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اس کے ہم سب شاہد ہیں۔"[1]

شادی

یوسف ظفر کی شادی 5 اپریل 1942 میں ہوئی۔ آپ کی پسند کی شادی تھی۔ اپنی محبت بارے لکھتے ہیں۔

"یکم دسمبر 1939ء کا دن آیا جس کا میں ذکر کر چکا ہوں --- قلب کو قدرے اطمینان نصیب تھا۔ لیکن اس سیماب کو سکون کہاں --- ایک نئی صورت پیدا کی --- ایک نیا بت وضع ہوا --- محبت! مارچ 1940ء کو اس محبت نے شکست کی شکل اختیار کی --- آنسو اور بے اختیار آنسو، اضطراب اور بے پناہ اضطراب --- مسلسل بے چینی --- مسلسل کرب --- اس دور کی نظمیں میری ذات تک محدود ہیں۔ یہی عہد میری حقیقت نگاری کا بانی ہے۔ میری زندگی کا یہ حادثہ جسے ایک زبردست انقلاب سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ یوسف ظفر کے اس مجموعے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو آپ اس شخصیت کو کیا کہیں گے جس نے اس شاعر کو موجودہ روش پر گامزن ہونے کی دعوت دی --- اور اسی طرح ہمارے ہر اقدام کے پس منظر میں ایک شخصیت کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ وہ ہاتھ --- اپنی تمام تر لطافتوں کا حامل ہوتے ہوئے بھی --- بڑے سے بڑے آہنی ستونوں کو متحرک کر دیتا ہے --- ایک عورت! --- وہی عورت جو اب میرے بچے کی ماں ہے اور جسے میں عزت کے قابل سمجھتا ہوں۔"[2]

ہمایوں کی ادارت

1943ء میں آپ نے کلرک کی نوکری چھوڑ کر ہمایوں میں بطور جائنٹ ایڈیٹر کام کرنے لگے۔ اس وقت ماہنامہ ہمایوں صف اول کے جرائد میں شمار ہوتا تھا۔ آپ 1947ء تک ہمایوں سے وابستہ رہے۔

"فروری 1943ء میں محترمی میاں بشیر احمد صاحب مدیر ہمایوں نے جائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے مجھے انتخاب فرمایا اور آخر کار انہیں کی چشم عنایت نے مجھے کلرکی کے زندان سے نجات دلائی"[3]

---

[1] یوسف ظفر، خطبہ صدارت حلقہ ارباب ذوق، حلقہ ارباب ذوق کی انتیسویں سالگرہ پر 15 نومبر 1968ء کو پڑھا گیا۔

[2] یوسف ظفر، **زنداں**:14

[3] ایضا:15

یوسف ظفر نے انہی دنوں فراق گورکھپوری نے اپنا مجموعہ کلام شعلہ ساز مرتب کرنے کی دعوت دی۔

"یوسف ظفر نے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیا اور بعض اشعار پر مناسب اصلاح بھی تجویز کی۔ فراق نے اپنے پیش لفظ میں ظفر کی مجوزہ اصلاح قبول کرتے ہوئے اسے اپنا استاد قرار دیا"۔[1]

آزاد کشمیر ریڈیو

یوسف ظفر آزاد کشمیر ریڈیو میں ملازمت کرتے تھے۔ شہرت بخاری لکھتے ہیں۔

"دسمبر 1949ء میں اسے آزاد کشمیر ریڈیو بلالیا گیا۔ لاہور ایسے شاعر سے محروم ہو گیا جو صرف شاعر نہیں تھا ایک ایسا انسان جیسے آج کم ہوتے ہیں۔ ایک ایسے دوست جیسے اب ملتے نہیں۔"[2]

1952ء میں یوسف ظفر ریڈیو پاکستان میں اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ جہاں سے وہ ترقی کرتے ہوئے ریجنل ڈائریکٹر ہو گے۔[3]

حج کی سعادت

"ریڈیو پاکستان کی طرف سے سرکاری دورے پر مصر گیا۔ جاتے وقت بڑا بے قرار تھا کہ قاہرہ تو جارہا ہوں کیسی بدبختی ہو اگر آستانہ حضور ﷺ پر جبیں سازی کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن بقول جگر

دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا۔

حضور ﷺ نے اسے بلوالیا۔ خود بخود سامان پیدا ہو گئے۔ حج کا موسم آ گیا اور یوسف ظفر بغیر کسی کوشش کے خدا اور اس کے حبیب ﷺ کے دروازوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ واپس آیا تو آنکھوں میں ایک عجب روشنی، گفتگو میں ایک اور ہی قسم کا گداز۔ یہ یوسف ظفر بلکل اور ہی یوسف ظفر تھا۔ اب اس کی شخصیت اور شاعری حضور ﷺ کی ذات گرامی کا ہمہ وقت طواف کر رہی تھی یا حضور ﷺ کے رب کے۔

---

[1] عزیز ملک، **اوراق**:264

[2] شہرت بخاری، **کھوئے ہوؤں کی جستجو**:108

[3] عزیز ملک، **اوراق**:271

--اس نے داڑھی بڑھالی تھی، پنج گانہ نہایت خشوع خضوع سے ادا کرتا تھا۔ حمد و نعت سے زبان ہمیشہ باوضو رکھتا تھا۔"[1]

روحانیت کا سفر

یوسف ظفر نے 1958ء میں تصوف کے مشہور سلاسل میں سے سلسلہ صابریہ میں روحانیت کی منازل طے کیں۔ عزیز ملک لکھتے ہیں۔

"میں مری میں تھا کہ سید انصار ناصری سے یوسف ظفر کے بہت گہرے مراسم ہو گئے۔ محکمادہ رفاقت پہلے سے تھی۔ اب روحانی اور قلبی رشتہ قائم ہو گیا۔ سید انصار ناصری کہ توسل سے اس نے 58ء میں حضرت صوفی فاروق رحمانی صاحب سے سلسلہ صابریہ میں بیعت کی اور صوفی صاحب کے خلیفہ اول جناب عارف رحمانی بھائی جان، سے محبت اور اخلاص کا گہرا تعلق استوار ہوا"۔[2]

"پنڈی میں ایک عجب واقعہ گزرا۔ وہاں کوئی بزرگ تھے۔ نام تو معلوم نہیں ان کا کیا تھا مگر سبھی لوگ بھائی جان کہتے تھے۔ دانش وروں کی ایک بڑی تعداد ان کی معتقد تھی۔ یوسف ظفر بھی، انصار ناصری، اور مختار صدیقی کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو ایک بدلا ہوا یوسف ظفر تھا۔ روحانیت کی طرف تیزی سے سفر کرنے لگا۔ اس کے مزاج میں انتہا پسندی تو تھی ہی۔ اس طرف جھکا تو جھکتا ہی چلا گیا اور بہت دور نکل گیا۔ جناب ختمی مرتبت ﷺ کا عشق اس کے لیے ایک ایسی روشنی بن گیا جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا نہ مر سکتا تھا۔ حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ سے وابستہ ہر فقیر اور کشکول بردار اس کے لیے واجب التعظیم تھا۔ وہ کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ نہ شیعہ نہ سنی، نہ صوفی نہ رند۔ صرف ایک غلام تھا آقائے دوجہاں ﷺ کا اور ان کے عاشقوں کا۔ عشق کی یہ منزلیں اس نے بڑی تیزی سے طے کر لیں۔"[3]

تمغہ قائد اعظم

حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کے صلے میں تمغہ قائد اعظم دیا۔

---

[1]شہرت بخاری، **کھوئے ہوؤں کی جستجو**:110

[2]عزیز ملک، **اوراق**:275

[3]شہرت بخاری، **کھوئے ہوؤں کی جستجو**:109

وفات

یوسف ظفر نے 7مارچ 1972ء کو وفات پائی اور انہیں ویسٹرنج قبرستان راولپنڈی میں دفن کیا گیا۔

حلقہ ارباب ذوق کا یوسف ظفر کی وفات پر بیان

یوسف ظفر ایک ایسا رجعت پسند تھا، جس کا عدم و وجود برابر تھا" یہ وہ انقلابی ہیں جو وائی۔ایم۔ سی۔اے کے کمرہ نمبر 2 میں بیٹھ کر اپنی دھواں دار تقریروں کے ذریعہ دنیا بھر میں ایک انقلابی معاشرہ قائم کرنے آتے ہیں۔ من پسند ملازمتیں حاصل کرتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔[1]

تصانیف

یوسف ظفر نے درج ذیل کتب لکھیں۔

شاعری

ا۔زنداں۔	جنوری1944ء۔
۲۔زہر خند۔	جولائی1944ء۔
۳۔صدا بصحرا۔	جون1961ء۔
۴۔حریم وطن۔	1961ء۔
۵۔نوائے ساز۔	جون1962ء۔
٦۔عشق پیچاں۔	1973ء۔

اس کے علاوہ ایک نظم "جنگل میں اتوار" لکھی جو میراجی اور یوسف ظفر کے نام سے "اس نظم" میں شائع ہوئی۔

---

[1] شہرت بخاری، **کھوئے ہوؤں کی جستجو**:109

نثر

ا۔شاہسوار۔	ڈرامے 1944ء۔
۲۔یہودیت۔	1982ء۔
۳۔لاسے الہ تک۔	غیر مطبوعہ۔
۴۔ڈرامے۔	ہمایوں میں اشاعت شدہ۔
تنقیدی مضامین۔	ہمایوں میں اشاعت شدہ۔

سنہری حاشیے "اور "ڈائری کے اوراق" سیارو ڈائجسٹ لاہور میں چھپے۔نصاب ششم تا ہشتم شامل ہے۔

فصل چہارم:

یوسف ظفر اور مطالعہ یہودیت

"یہودیت "یوسف ظفر کی تحقیقی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مئی 1984ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اس سے پہلے یہ کتاب جون 1975ء سے ستمبر 1977ء تک ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ اس کتاب کی تصنیف کا محرک اسرائیل کا مصر پر حملہ ہے۔ جبکہ یہ کتاب 1972ء میں یوسف ظفر کی وفات پر مکمل ہوئی۔

کتاب کے پیش لفظ میں محمد افضل چیمہ لکھتے ہیں۔

> "یوسف ظفر مرحوم کی تصنیف "یہودیت" غالباً اردو زبان میں پہلی باقاعدہ کوشش ہے جس میں یہودیوں کی تاریخ بالترتیب اور بالتفصیل بیان کی گئی ہے۔26 ابواب پر مشتمل اس کتاب میں یہودیوں کی فطرت، ان کے تاریخی کردار، سازشی طریقہ ہائے واردات، سیاسی عزائم اور اسلام دشمنی کو تاریخی شواہد کی روشنی میں بے نقاب کیا گیا ہے۔ فلسطینیوں کا وطن سے اخراج، القدس پر غاصبانہ قبضہ، جنوبی لبنان میں مسلسل خون ریزی، دریائے اردن کے مغربی کنارے پر جبری آبادکاری، عراق کی ایٹمی تنصیبات کی تباہی اور جولان کے علاقے کا حالیہ انضمام، بین الاقوامی قوانین، معاہدات اور اقوام متحدہ کے فیصلوں کی مسلسل خلاف ورزی اس ناجائز غیر قانونی ریاست کے مذموم عزائم، توسیع پسندی، امن سوزی اور اسلام دشمنی کی چند واضح مثالیں ہیں۔"[1]

سانحہ بیت المقدس پر نظم

جون 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی ہزیمت اور فلسطینیوں کی حالت زار پر یوسف ظفر سانحہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے اپنی واردات قلبی کو صفحہ قرطاس پر منظوم ثبت کیا۔ جس سے ان کی عالم اسلام اور فلسطینیوں کے حالت پر بے چینی و کرب ظاہر ہوتا ہے۔

صبح نو مغرب میں ہے بیدار، بیداروں کے ساتھ

---

[1] یوسف ظفر، **یہودیت** (لاہور: جنگ پبلشرز، ط: اول، 1995ء): 11-10

اور ہم گردش میں ہیں بے نور سیاروں کے ساتھ

چیخی کرنیں فضا کی دلکشی کو لے اڑیں!
دھوپ سایوں سے لگی ہے، سائے دیواروں کے ساتھ

دوش پر قابیل کے ہے لاش پھر ہابیل کی
لمحے قبریں کھودتے ہیں اپنی منقاروں کے ساتھ

نار نمرود اور گلزار براہیم ایک ہے
پھول بھی لو دے رہے ہیں آج انگاروں کے ساتھ

دیکھ اے چشم زلیخا قدر اپنے پیار کی
آج پھر یوسف کے بھائی ہیں خریداروں کے ساتھ

آل موسیٰؑ نے کیا عیسیٰؑ کو پھر بالائے دار
ہیں حواری بھی یہودی سنگدل یاروں کے ساتھ

قبلہ اول صلاح الدین ایوبی کو ڈھونڈ
آملی دیوار گریہ تیری دیواروں کے ساتھ

اے مسیحا! زہر دے، لیکن نہ دست غیر سے
یہ ستم، اللہ اکبر! اپنے بیماروں کے ساتھ

دین سے کٹ کر ہوا آل عرب، پیش عرب
اور عصا بھی ہے ید بیضا میں ہتھیاروں کے ساتھ

اس سیاست کی فضا میں سانس لینا ہے عذاب
دشمن اپنے ساتھ ہیں، اغیار ہیں یاروں کے ساتھ

کربلا میں یکہ و تنہا حسینؓ ابن علی
تعزیے شہروں میں لاکھوں عزاداروں کے ساتھ

دوستی کا حشر دیکھا تو کھلا ہم پر ظفر
حشر میں کھل کر کریں گے دشمنی پیاروں کے ساتھ[1]

یوسف ظفر نے یہودیوں کے بیت المقدس کے حصول کے لیے فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کرنے پر یہودیوں کو قابیل سے تشبیہ دی۔ ان کے مطابق جس طرح قابیل اپنے بھائی کی لاش کو کندھے پر اٹھائے ہوئے پھرتا تھا بعینہ اسی طرح بنی اسحاق بنی اسماعیل کو کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے۔ دوسرا، یہودیوں نے عیسائیوں کی اخلاقی اقدار سے محروم کر کے ان کے مذہب کا دیوالیہ نکال دیا لیکن مسلمانوں کے خلاف عیسائی پھر بھی یہودیوں کے ساتھ ہیں۔ عربوں نے بھی عربوں کا ساتھ نہ دیا بلکہ انہوں نے بھی یہودیوں کا ساتھ دیا۔ آج بیت المقدس کسی صلاح الدین ایوبی کو پکار رہا ہے کہ وہ آئے اور مجھے آزاد کروائے۔

یہواہ

یہواہ نے یہود کو دوسری اقوام پر فوقیت کا حق دیا۔ اس لیے باشند گان یہود کا یہ یقین و ایمان تھا کہ باقی امتیں اور قومیں "امی" ہیں۔ یعنی یہود کے جو بھی مدمقابل ہو گا وہ جاہل اور یہواہ کا دشمن ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے ملک میں جانا ان کے لیے جرم تھا۔ ان ملکوں کے باشند گان کی زبانیں بولنا بھی حرام تھا۔ یہاں تک کہ یہ مالش کے لیے غیر ملکی تیل بھی کفر سے کمتر خیال نہ کرتے تھے۔ یہواہ نے ان کے لیے درختوں میں سے انگور کی بیل، پھولوں میں سے موتیا، پرندوں میں سے فاختہ، چوپاؤں میں سے بھیڑ کا بچہ اور شہروں میں سے صیہون کا انتخاب کر کے انہیں مقدس و

---

[1] یوسف ظفر، **یہودیت**:14-13

برگزیدہ قوم بنادیا۔یہود کے لیے یہواہ نے یہ دنیا تخلیق فرمائی۔اگر اسوریوں،بابلیوں یادوسری قوموں نے انہیں غلام بنایاتو وجہ یہواہ کا ان سے ناراض ہونا تھا۔اس لیے یہ برگزیدہ قوم یہواہ کے سوا کسی کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتے اور تورات کے قانون کے علاوہ کسی قانون کو نہیں مانتے۔کسی غیر یہود کی گواہی نہیں مانتے اور دستر خوان پر کسی دوسری قوم کے شخص کو حقارت آمیز نظر سے نہیں دیکھتے۔غیر ملکی حاکم کو یہ ناپاک خیال کرتے تھے۔[1]

عیسائی اور یہودی تعلقات

حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے بعد یہودیوں نے آپؑ اور آپؑ کی والدہ پر تہمت زنی کی اور رومیوں گورنروں کے ساتھ مل کر آپ کو اپنے تئیں صلیب دے دی۔اس واقعہ کے بعد بھی انہوں نے عیسائیت پر ظلم روا رکھے۔بیسویں صدی تک ان کے درمیان دشمنی حد کو پہنچی ہوئی تھی۔لیکن پھر سب کچھ بدل گیا اور یہ ایک دوسرے کے ہم نوا بن گے۔یوسف ظفر عیسائیت کے یہودیوں کے ساتھ ایک ہونے پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔کہ:

"مقام حیرت یہ ہے کہ عیسائیت نے ان بے وفا حواریوں میں سے ایک ایک پر اعتبار کیا،ان سے منسوب کتابوں کو کلام الٰہی جانا۔ان کے کہنے پر عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا جانا۔ان کے فکر و فلسفہ کو انجیل مقدس ٹھہرایا۔کیا یہ وہی نہ تھے جنھوں نے عدالت میں عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کیا تھا اور انہیں دیوانہ قرار دیا تھا۔تو پھر وہ پیغام جو عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔عیسیٰؑ کے بعد انہوں نے کیسے اور کیوں کر محفوظ رکھا۔ان یہود نے تو "عہد عتیق" سے وہ عہد نامہ بھی غائب کر دیا تھا جس پر دین موسیٰؑ قائم تھا ۔انہوں نے تو ان تختیوں کو ناپید کر دیا تھا۔جن پر یہواہ نے اپنی انگلی سے لکھ کر انہیں احکامات بھیجے تھے۔انہوں نے موسیٰؑ سے بے وفائی کی،یہواہ سے غداری کی،ہیکل سلیمان کو سکندر اعظم پر کھول دیا۔یونانیوں اور رومیوں کے بتوں کو اپنے کنیساؤں میں جگہ دی۔ان کا ایمان اور کردار کب اس قابل تھا کہ اس کے بھروسے پر اعتقادات اور ایمان کی بنیاد رکھی جاتی۔"[2]

---

[1]یوسف ظفر،یہودیت:79

[2]ایضا:110-109

یہود کے تعلیمات اسلام پر مختلف حربے

یہود قرآن حکیم کے متن تبدیل کرنے پر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[1]

ترجمہ: "ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

توانہوں نے قرآن کریم کی تفسیرات میں اسرائیلیت کا نفوذ کر دیا۔ تا کہ اگر متن میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تو معانی میں تبدیلی کر کے اعتقادات مرضی کے مطابق ڈھال لیے جائیں۔ پھر انہوں نے احادیث نبوی ﷺ میں من گھڑت حکایات کو رائج کیا۔ فکر و فلسفہ کے عقلی تصورات رائج کر کے مسلمانوں کو دلیلوں کی تلاش میں سرگرداں کر دیا۔ جس سے اسلام کے جذبہ سرفروشی سرد پڑ گیا۔ انہوں نے روز مرہ کے معمولات میں سادگی، حق گوئی ، پاکیزگی، نماز، روزے کی پابندی کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ داڑھی اور سنت نبوی ﷺ کی دیگر شعار کو مسلمانوں کی نگاہ میں کمتر کرنے کی پوری کوششیں کیں۔ مسلمانوں میں آل رسول ﷺ اور اولاد علیؓ کا وہ تصور ابھارا جو کہ دور جاہلیت کی پیداوار تھا۔ اسلام میں حسب و نسب کا شوشہ چھوڑا کہ جس کی تعلیمات میں یہ بات تھی کہ کسی عربی و عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔[2]

پہلی جنگ عظیم میں امریکی شمولیت

جنگ عظیم اول میں امریکہ شامل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بلکہ جنگ میں شمولیت کا مخالف تھا۔ لیکن امریکہ کو یہودیوں نے جنگ میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا۔ یوسف ظفر لکھتے ہیں کہ:

[1] سورہ الحجر:9

[2] یوسف ظفر، **یہودیت**:148-147

جنگ عظیم اول میں امریکہ کی شمولیت امریکی یہودیوں کے شدید تقاضے کا نتیجہ تھی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو امریکہ نے اس سے علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ یہودی اس میں شامل ہونے کے لیے بے قرار تھے۔ یہودیوں کی یہ شدید خواہش صدر ولسن کے دوست اور دست راست برنارڈ باروچ نے پوری کی اور امریکہ جنگ میں کود پڑا۔ لہذا ایک تنہا شخص نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے پوری قوم کو جنگ میں جھونک دیا۔[1]

بیسویں صدی، فلسطین، یہود اور عرب

یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں ہوا۔ یوسف ظفر یہود کی فلسطین پیشقدمی کی طرف لکھتے ہیں۔ کہ:

"بیسویں صدی یورپ کے دین و مذہب، اخلاق اقدار، قومیت و وطنیت تک کو تہہ و بالا کر کے وہ فلسطین کی طرف بڑھے۔ تو انہوں نے قبلہ اول کے نگہبانوں کو مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ عرب بن کر سامنے آنے کی دعوت دی۔ وہ پہلے عربوں سے نبٹنا چاہتے تھے۔ عرب جن کے سامنے وہ اب بھی "بے حقیقت اور مٹھی بھر ہیں لیکن ان کے خلاف ان کی سازشیں اس قدر دورس ہیں کہ وہ ان کے سینے پر مونگ دلتے ہیں اور اف تک نہیں کرنے دیتے اور پھر مسلمانوں، دنیا بھر کے مسلمانوں دیکھ لیں گے کہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہوں نے پہلے ہی سے بندوبست کر رکھا ہے۔ انہوں نے یورپ میں بیٹھ کر فاتحین عالم یورپی طاقتوں کا حلیہ بگاڑ دیا تو دنیا بھر کے مقہور اور راندہ درگاہ مسلمان ان کے سامنے کیا ہیں۔ سمگلنگ، ایل ایس ڈی، شراب، فحاشی، حرص، لالچ، رشوت، پروپیگنڈہ، یہ اور اسی قبیل کے یہودی ہتھیار ہر ملک اور ہر قوم میں آزمائے جا چکے ہیں ان کی تعلیم رائج الوقت سکہ ہے۔ ان کی دولت دنیا کی ٹکسال ہے۔ ان کا شعور دنیا کا حاکم ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں حقیقت ہیں۔"[2]

یہودیوں نے جن ہتھکنڈوں کے ذریعہ مغرب کی مادی، اخلاقی، دینی اور معاشی بدحالی کی بعینہ وہی ہتھکنڈے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنائے۔ پہلے انہوں نے عربوں کو قومیت کا درس دے کر علیحدہ کیا۔ بعد ازاں انہوں نے مسلمان ملکوں میں رزائل جن میں اسمگلنگ، رشوت ستانی اور فحاشی جیسے پرانے ہتھیار آزمائے۔

[1] ایضا:240

[2] یوسف ظفر، **یہودیت**:241

سفاردی و اشکنازی یہودی

یوسف ظفر کے مطابق ہسپانیہ میں جو یہود مسلمانوں کے زیر سایہ تھے اور انہوں نے مسلمان حکمرانوں کی سرپرستی میں اپنے مذہب، تہذیب اور عظمت خوشحالی کی وجہ سے اپنے آپ کو سفاردیم اور دنیا میں پائے جانے والے یہودی جو کہ فرانس، اٹلی، پولینڈ، روس اور جرمنی میں رہتے تھے ان کو اشکنازی کہنا شروع کر دیا۔ یہود کی یہ دونوں شاخیں علیحدہ علیحدہ پروان چڑھیں۔ لیکن دونوں نے الگ رہتے ہوئے ایک دوسرے کی سیاسی و مادی پشت پناہی کی۔ سفاردیوں نے بڑے بڑے مشہور و معروف مفکر، فلسفی، اطباء، بنکار، تاجر، سیاست دان اور باثر لوگ پیدا کیے۔ اشکنازی بھی تعلیم حاصل کر کے ہر طبقے اور شعبہ حیات میں اپنا مقام پیدا کرتے رہے۔ انہوں نے سفاردیوں کو ہیچ سمجھنا شروع کر دیا اور امریکہ یورپ سے نکل کر ایشیاء میں پھیل گئے۔ جبکہ اسفاردیوں نے اسلامی دنیا کی طرف رجوع کیا۔ اشکنازیوں کی زبان جرمن اور لاطینی کی آمیزش سے کریڈش قرار پائی جبکہ اسفاردیوں کی ہسپانوی اور لاطینی سے لادینو زبان[1] بنی۔ ان زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے مذہبی عقائد اور رسومات کی ادائیگی میں بھی مختلف روشیں پیدا ہوئیں۔[2]

صیہونیت کا علم

تھیوڈور ہرزل نے 1897ء میں تحریک صیہونیت کا باقاعدہ آغاز کیا۔ لیکن یوسف ظفر کے بقول صیہونیت کی بنیاد اس سے پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ ایک جرمن یہودی موسی ہیس (1812ء تا 1875) نے سب سے پہلے صیہونیت کا علم بلند کیا۔ اس نے فلسفہ، سائنس، مذاہب عالم کی بنیادوں پر اپنی تعمیر فکر کی اور کہا کہ دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں ہے اور یہودیوں کو چاہیے کہ وہ آزادی حاصل کر کے ایسا مقام پیدا کریں کہ جہاں وہ ساری دنیا پر چھا سکیں۔ وہ مقام مقدس سرزمین فلسطین ہے۔ اس نے 1862ء میں "روم اور یروشلم "کتاب لکھی جس سے پورے یورپ کے یہودیوں میں ہلچل پیدا کر دی۔[3]

---

[1] لادینو اسپین میں یہودیوں کی مذہبی زبان تھی اور جو یہودی وہاں سے ہجرت کر کے مشرق میں آئے وہ یہ زبان آج بھی بولتے ہیں۔

[2] یوسف ظفر، **یہودیت:** 241-240

[3] ایضا: 243

یوسف ظفر کے مطابق جب 1897ء میں تھیوڈور ہرزل نے تحریک صیہونیت کا باقاعدہ آغاز کیا اور اس مقصد کے لیے باسلے میں صیہونی کانفرنس منعقد کی تو اس میں یہود کا آئندہ لائحہ عمل پیش کیا جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

(1)یہود یورپی ممالک اور امریکہ میں بدستور تجارت اور صنعت و حرفت پر چھائے رہیں اور اپنے مادی وسائل کو پھیلاتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے اپنے ملک کے بنکوں اور سرمایہ پر پورا قبضہ حاصل ہو جائے۔

(2)جب فلسطین میں یہودی ریاست قائم ہو جائے تو بین الاقوامی یہود اس کی اعانت کے لیے روپیہ اور طاقت کا پورا پورا استعمال کریں۔

(3)یہود چونکہ دولت مند ہیں اور اس لیے بارسوخ بھی ہیں۔ چنانچہ وہ نہایت آسانی سے اپنے اپنے ملکوں کی حکومتوں پر یہودی ریاست کے قیام کے لیے دباؤ ڈال سکتے ہیں انہیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ قیام جلد از جلد عمل میں لایا جائے سکے۔

(4)یہودی ریاست کو فلسطین تک محدود نہ رکھا جائے اور اسے لازمی طور پر یہواہ کے حکم کے مطابق پھیلایا جائے۔

(5)یورپی ممالک اور امریکہ کے تمام کروڑ پتی امیوں اور حکومتوں کو جو تجارت اور تیل پر قابض ہیں۔ اپنے مصرف کے لیے استعمال کیا جائے۔[1]

یہودیت ہر ایک کے لیے نہیں

یوسف ظفر لکھتے ہیں کہ یہودیوں "یہودیت" کو اتنا عام نہیں کرنا چاہتے کہ وہ کسی ملک کا سرکاری مذہب بن سکے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہودیت یہواہ کا خاص انعام تھی جس کا ہر کوئی شخص حقدار نہیں ہو سکتا۔ یہودیت ماں کے خون دودھ کے ساتھ خون میں شامل ہوتی ہے۔ چنانچہ کوئی بھی یہودیت کے عقائد تسلیم کر کے اس مذہب کا پیروکار نہیں بن سکتا۔[2]

---

[1] یوسف ظفر، **یہودیت**: 251-250

[2] ایضا: 246

فری میسن "یہودیت کے حشاشین"

حشاشین ایک انتہا پسند خفیہ جماعت تھی۔اس کا بانی حسن بن صباح تھا اور اس کے یہ پیروکار باطنی یا فدائی کہلاتے تھے۔ان کا مرکز قلعہ الموت تھا۔حسن بن صباح کے پیروکار ہر وقت ایک زہر آلود خنجر سے مسلح رہتے تھے اور انہوں نے اپنے دور کے نامور امراء و وزرا کو قتل کیا اور یہ فدائی بعد میں اسی خنجر سے خودکشی کر لیتے تھے۔

یوسف ظفر صیہونیت کی خفیہ تحریک فری میسن کو انیسویں اور بیسویں صدی کی حشاشین قرار دیتے ہیں ان تحریک کا مقصد دوسرے مذاہب کے عقائد تباہ کرنا ہے اس میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں ان کو حلف اٹھانا پڑتا ہے۔بڑی بڑی آزماشوں پر اگلے مراتب اور عہدے ملتے ہیں اور اگر کوئی ان کے راز اگل دے تو اس کو پر اسرار طریقے سے قتل کر دیا جاتا ہے۔تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں ان کے مراکز ہیں اور کوئی اس کو ختم کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔[1]

پہلی جنگ عظیم اور یہودی عیاری

یوسف ظفر جنگ عظیم اول میں یہودیوں کے کردار پر لکھتے ہیں کہ:

"پہلی جنگ عظیم نے یہودیوں کو سوچ میں ڈال دیا کہ وہ کس کا ساتھ دیں، وہ ترکی، برطانیہ، جرمنی، فرانس، روس، غرض یہ کہ ہر ملک میں موجود تھے۔لیکن اپنے ہی مفادات کے وفادار تھے، انہیں کسی ملک سے ہمدردی یا فتح و شکست سے کوئی سروکار نہ تھا اور اپنی عیاری اور بنکاری پر فخر تھا۔چنانچہ جہاں "روتھس چالڈ" نے جرمنی اور برطانیہ دونوں کو قرضے دے کر اپنا خیر خواہ بنا لیا تھا، وہاں یہودیوں نے برطانیہ کو جرمنی کے فوجی راز مہیا کرنے کا یقین دلایا اور اس طرح ان سے عہد کر لیا کہ جنگ کے بعد وہ انہیں فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے میں مدد دیں گے۔"[2]

[1] یوسف ظفر، یہودیت:246

[2] ایضا:248-247

جنگ عظیم اول میں یہودیوں نے اپنے مفادات کے لیے مقتدر طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا اور ارض مقدس فلسطین کے حصول کے لیے اپنی تمام تر دولت استعمال کی۔ اس مقصد میں انہوں نے جرمنی کے فوجی راز تک دے دیئے اور بدلے میں جنگ عظیم کے دوران ہی برطانیہ نے انہیں فلسطین میں آباد کاری کی اجازت دے دی۔

کہاں ہیں دودھ اور شہد کی نہریں

یوسف ظفر لکھتے ہیں کہ یورپ میں یہودیوں کو فلسطین ہجرت پر راغب کرنے کے لیے فلسطین کے قصے سنا سنا کر ایسی سحر آلود فضا بنتے کہ وہاں دلکش موسم، سریلی دھوپ، برستے بادل، چھلکتے آبشار، مخملیں مرغزار، گھنے جنگل اور گاتے ہوئے پرندے بھی اذیت ناک ہو جاتے "سبت" کی شاموں کو یہی یہودی یورپ کی سہانی فضاؤں میں ڈوبتے ہوئے سورج سے رنگین سحابوں کے دلربا اثرات کے تحت حضرت سلیمانؑ کا یہ گیت گاتے اور ان کی آنکھیں یروشلم کے غم میں بھیگ جاتیں:

"دیکھ! تو کتنا حسیں ہے

میرے محبوب!

دیکھ! تو کتنا حسیں ہے

تیری آنکھیں قمری کی سی ہیں

دیکھ! تو کتنا حسیں ہے

میرے محبوب! ہاں میرے دلکش محبوب،

ہمارے صحن میں سبزہ اگا ہے

ہمارے گھر کی چھت کے بالے صنوبر کے ہیں

اور کڑیاں شاہ بلوط کی

اے لو، سرما ختم ہوا

بارش برسی اور گئی

زمین پھولوں سے لد گئی

گاتے پرندوں کا زمانہ آگیا

ہمارے کھیتوں سے جھینگر کی آوازیں ابھریں

۔۔۔تیرے نوخیز اشجار کا باغیچہ اناروں کا ہے

ان کے ثمرات کتنے شیریں ہیں

۔۔۔الائچی، دار چینی، لوبان، کیوڑہ، بنفشہ اور تمام مصالحے

باغات میں فوارے اچھلتے ہوئے

زندہ پانیوں کے کنوئیں

اور لبنان سے آتی ہوئی بہت ندیاں

جاگ! اے باد شمال، اور آ۔۔۔

جنوب کی سمت آ

میرے باغ سے ہو کر چل

کہ اس کی خوشبوئیں چھلک جائیں"[1]

---

[1] یوسف ظفر، **یہودیت**:255-254

یہ گیت یہودیوں کے دلوں کو جکڑ لیتا اور ارض فلسطین کی کشش ان کو بے چین کر دیتی۔ ان کا کوئی دم نہیں چلتا تھا کہ یہ اڑ کر اس سرزمین پر پہنچ جائیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ جب یہ یہودی اپنے خوابوں کی سرزمین پر پہنچتے تو ان کے یہ خواب چکنا چور ہو جاتے اور ان کا مذہبی جذبہ سرد پڑ جاتا۔ کیونکہ فلسطین میں تلمود و تورات پڑھنے، پانی کی کمیابی کی وجہ سے میلے چغے پہننے، چھوٹے چھوٹے گھر جن میں کھٹمل اور مچھروں کی بہتات اور قیامت کی دھوپ کے علاوہ کیا تھا۔ وہ اپنے آپ سے سوال کرتے کہ کہاں ہیں انگوروں کے وہ باغ، دودھ اور شہد کی نہریں، وہ باد شمال، برستے بادل، بنفشے، لوبان اور کیوڑے کی خوشبوئیں تو ان کا مصنوعی رونا حقیقی ہو جاتا اور جیسے ہی انہیں کسی دوسرے ملک جرمنی، اٹلی، سپین، برطانیہ، پولینڈ وغیرہ سے خبر ملتی کہ یہود کو سکون کی زندگی میسر ہے تو وہ یہاں سے بھاگ نکلتے اور یہواہ کی مقدس سرزمین سے نکلنے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ متمدن ممالک سے آئے تھے اور انہیں سہانے خواب دکھا کر یہاں لایا گیا تھا۔ اب جب صیہونیوں نے دیکھا کہ لوگ واپس جا رہے ہیں تو اس راتھس چائلڈ نے اس مقدس سرزمین پر انگور کاشت کر کے شراب سازی شروع کی اور ام الخبائث کے وسیلے سے اس مقدس ماحول کو عیش و عشرت کا اکھاڑہ بنا دیا۔[1]

فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنے کی طرف آمادہ کرنے والے صیہونیوں نے جب اس سرزمین پر بسائے گئے یہودیوں کی سوچ دیکھی کہ اگر ان کو دوبارہ موقع ملا تو یہ واپس ترقی یافتہ ممالک میں چلے جائیں تو انہوں نے ہر ناجائز سہولت ان کو دینے کی کوشش کی کہ یہ یہاں بسیرا کر لیں تا کہ وہ اپنے سیاسی عزائم میں کامیاب ہو سکیں۔

یورپی ممالک کا اسرائیل کے قیام کا اتحاد

یوسف ظفر کے مطابق امریکہ و برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک نے اتحاد کر کے ان کو اسرائیل قائم کر کے دیا تا کہ ان ممالک کے باشندے اپنی باعزت زندگی گذار سکیں۔ اس سلسلے میں وہ چند وجوہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کی بدولت انہیں فلسطین میں تسلط دیا گیا۔

[1] یوسف ظفر، **یہودیت**:255-254

اول، امریکہ و یورپ کے تمام ممالک یہود کو اپنا شہری بنا کر ان کی ریشہ دوانیوں اور ہوس کا مزہ چکھ چکے تھے۔ یہ ان کی بادشاہتوں، تہذیبوں، مذہب اور سرمایہ پر قابض ہو چکے تھے اور اگر وہ ان کو فلسطین نہ دیتے تو وہ دن دور نہیں تھا جب وہ ان کے غلام بن چکے ہوتے۔ دوسرا، ان کو وہاں کے تمام اداروں پر اجارہ اری حاصل تھی ۔ تیسرا، ہٹلر نے ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے اس کا نہ صرف یہ خواب شرمندہ تعبیر ہونے دیا بلکہ اس کا نام بطور وحشی درندہ کے طور پر پیش کیا۔ لہذا یہ وہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر امریکہ و یورپی ممالک نے ان کو فلسطین پر تسلط دے کر ان کی ریاست اسرائیل قائم کرنے میں مدد دی۔[1]

امریکہ و یورپی ممالک نے مندرجہ بالا وجوہات پر ایک نیا محاذ کھولا ہے۔ کیونکہ یہودی اسرائیل پر قبضہ کرنے کے بعد بھی پوری دنیا پر فکری و معاشی تسلط جمائے ہوئے ہے بلکہ وہ دنیا میں ایک بادشاہت قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ اس سے یورپی ممالک کی دوطرفہ پالیسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف یہودی پالیسی

جنگ عظیم اول کے بعد پوری دنیا میں مسلمان کسی نہ کسی مغربی طاقت کے غلام ہو چکے تھے۔ سوائے ترکی کے ، یہ نام نہاد خلافت بھی جلد ختم ہوگئی ۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد بہت سے مسلمان ممالک انڈونیشیا، پاکستان، ایران، عراق وشام، افغانستان، اردن، مصر، وغیرہ مغرب سے آزادی کے دہانے پر تھے۔ عرب ممالک میں تیل جیسا سونا نکل آیا تھا۔ تو یہ یہودیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان اب آزاد، خودمختار اور باوقار حیثیت نہ اختیار کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ عربی وعجمی یا عجمی کو عربی اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہ رہے تو پھر ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟ یہ وہ خطرہ تھا جس کے لیے مسلمانوں کے خلاف ایک نئ پالیسی اپنائی گئی۔ یوسف ظفر لکھتے ہیں

"اس خطرے کے تدارک کے لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کے سینے میں ایک ایسا کیل گاڑ دیا جائے، ایک ایسا رستہ ہوا ناسور، ایک ایسا سرطان جو ان کو گھل گھل کر مرنے پر مجبور کردے، کہیں سرمایہ دار عرب خوشحال ہو کر یورپ کی منڈیوں

[1] ایضا

اور کارخانوں کا رخ نہ کرلیں، کہیں یہود کی عرق ریزی پر پانی نہ پھر جائے،ان کے لیے مختلف یورپی اور غیر یورپی ممالک میں عیاشی کے اڈے کھول دیئے گئے۔انہیں اخلاقی اور معاشی طور پر بدحال کیا جائے اور اس مقصد کے لیے سب سے اہم اقدام،ان کی شہ رگ پر آزاد اسرائیل کا قیام تھا تاکہ یہ ہیولا انہیں چین اور سکون سے کسی ایک جانب اپنی توجہ مبذول نہ رکھنے دے۔ تاکہ دین کی احیاء کا اسلامی خواب کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکے۔ تاکہ وہ دنیا کے دو قطبین کے درمیان ایک تیسری بڑی طاقت کے طور پر نہ ابھر سکیں۔ تاکہ وہ اپنے سرمائے سے کوئی آزاد سود مند منفعت بخش کاروبار نہ کر سکیں۔ تاکہ ان کی دولت یہودیوں کی طرح سے خود سے بڑھنا نہ شروع کر دے۔ چنانچہ انہیں بیک وقت ان دو کشتیوں میں بٹھا دیا گیا، جن میں سے کسی کا رخ ان کی منزل کی طرف نہیں لمبی لمبی کاریں،ائیر کنڈیشنر،ہوائی جہاز، عیش و نشاط کے مراکز ایک طرف اور جنگ کی وہ دہکتی ہوئی بھٹی دوسری طرف، جس میں وہ اپنی دولت کا بڑا حصہ خود اسلحہ خرید خرید کر جھونک رہے ہیں۔"[1]

عرب ممالک کی تیل کی پیداوار دیکھ کر یہودیوں نے ادراک کر لیا تھا کہ اگر ان کے خلاف کچھ نہ کیا گیا تو یہ کل کو ہماری اجارہ داری کے لیے اچھا نہیں ہو گا۔لہذا انہوں نے پہلے ان عربوں کو قومیت کے ذریعہ علیحدہ کیا بعد میں ان کو آسودہ خاطر اور آرام کی زندگی گذارنے کے لیے سہولیات بہم پہنچائیں اور ساتھ ساتھ سامان عشرت بھی فراہم کیا جبکہ دوسری طرف غریب مسلمان ممالک کو جنگ کا میدان بنا کر اپنے مقاصد حاصل کیے۔

اسلام دشمنی

یوسف ظفر قیام اسرائیل کے پیچھے یہودی،عیسائی اور کمیونسٹوں کی اسلام دشمنی بارے لکھتے ہیں:

اسلام اپنے پیروکاروں کے طرز عمل،سوچ اور فکر کے زاویوں کے باوجود آج بھی عیسائیوں،یہودیوں اور کمیونسٹ طاقتوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اگرچہ عصر حاضر میں موجودہ عیسائیت عقیدے میں ڈھل چکی ہے ۔لیکن عیسائیوں کے دل میں اسلام کے خلاف جو بغض اوائل اسلام سے تھا،جو صلیبی جنگوں میں پے درپے شکستوں کے باوجود آج بھی کروٹیں لے رہا ہے۔ جبکہ کمیونسٹ جانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظام ہے اور جیسے ہی ان ملکوں میں کمیونزم کو شکست ہوگئی اور لوگ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد،چکاچوند ماحول سے نکل کر، فکر و نظر کریں کریں گے

[1] یوسف ظفر،**یہودیت**:259

تو وہ اسلام کی حقانیت ،اس کے ضابطے معیشت ،معاشرت ،اعتدال ،عدل، مساوات،انسانیت ،باہمی اخوت اور خیر کل کے قوانین جان کر خود اسلام قبول کر لیں گے۔لہذا یہ اسلام کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور اس لیے انہوں نے یہودیوں کو اپنی فنکاری اور تیز دماغی دکھانے کا موقع فراہم کیا۔نیز دو عظیم جنگوں کے بعد مشرق وسطی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے عرب مسلمانوں کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑا کر دیا۔جس سے اسلامی وحدت پارہ پارہ ہو گئی ۔یہ ان کے لیے اسلام دشمنی اور قیام اسرائیل کا واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔

فلسطینی مزاحمت

اعلان بالفور کے بعد فلسطین میں یہودی مہاجرت میں تیزی آگئی۔انہوں نے فلسطینی باشندوں کی زمینوں پر قبضے کرنے شروع کر دیئے ،بلکہ ان کو ظلم و تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا۔لیکن اس کا یہ ہر گز مطلب نہیں کہ یہ فلسطینی خاموش رہے۔لہذا انہوں نے مزاحمت کی لیکن نظم و قیادت کی کمی کی وجہ سے ان کو نا قابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور عصر حاضر میں بھی ان کو اسی کا سامنا ہے۔یوسف ظفر فلسطینی مزاحمت پر لکھتے ہیں۔کہ:

"چنانچہ 1922ء میں جہاں سارے فلسطین میں 75 ہزار یہودی تھے،وہاں 1935ء تک کے تیرہ برس میں یہ لوگ 8 فیصد سے ایک تہائی ہو گئے۔1935ء میں ہٹلر کے غیض وغضب سے بچ کے نکلنے والے باسٹھ ہزار یہودی فلسطین میں آبسے ،لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلسطینی عرب خاموش تماشائی بن کر یہ سب کچھ دیکھتے رہتے۔انہوں نے 1928ء اور 1929ء میں شدومد سے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا اور برطانیہ اور صیہونیت کی اس باہمی سازش کے خلاف حق وانصاف کی آواز بلند کی۔جسے زبردشت تشدد کے ساتھ کچل دیا گیا۔جرمنی یہودیوں کی مسلسل یلغار سے پریشان ہو کر فلسطینی عرب 1939ء میں ایک بار پھر اٹھے لیکن ہٹلر کی خونخواری کی تاب نہ لاسکنے والوں نے اپنی بے بسی کا انتقام ان بے سروسامان عربوں سے لیا اور برطانوی ظالموں نے ان کی فریاد کو بغاوت کا نام دے کر بری طرح کچلا۔اب فلسطین میں برطانیہ کی افواج لاکھوں کی تعداد میں تھیں ،جو اٹھارہ ہزار عرب شہداء اور چالیس ہزار زخمیوں کے وارثوں کو رونے بھی نہ دیتے۔ایک لاکھ جانباز قید کر دیئے گے اور فلسطین عرب قوم کے سینے کا ناسور بن گیا۔"[1]

یہودی نفسیات اور عزم

[1] یوسف ظفر،،**یہودیت**:263

یوسف ظفر لکھتے ہیں کہ:

"چار ہزار سال ---ایک متعین منزل ،ایک مخصوص وعدہ---اور اس کے ایفا کے لیے ایک لگن ،ایک والہانہ شیفتگی---سال بہ سال ،عہد بہ عہد ، نسل بہ نسل ، قرن بہ قرن ،وقت سے بے نیاز ،ذات سے بے نیاز،ایثار و قربانی سے بے نیاز،ایک مستقل جدوجہد--ایک مستقل دھن---ایک مقصود---ہزاروں سال کی مسلسل ناکامیوں کے باوجود---آہنی، غیر مری، جذبات و احساسات سے ماوراء استقلال کیا یہ انسانی عمل ہے ؟کیا کوئی اور انسانی برادری، کوئی اور قوم، نہیں کوئی سلسلہ---------حیات اس طرح خود فراموشی سے اپنے قومی مستقبل کو اپنی ذات کی تسکین سمجھتا ہے --- سمجھتا ہے؟---- سمجھتا؟---نہیں مانتا ہے---مانتا؟مانتا نہیں ایمان قرار دیتا ہے-یہ عجز لغت ہے کہ اس قوم کی سر فروشی اور خود فراموشی کی اس طویل داستان کو بیان کرنے کے لیے الفاظ بے بس ہیں، بے زبان ہیں، قاصر ہیں کہ حقیقت اس کشاکش کو بیان کرنے کے لیے مناسب الفاظ سے عاری ہے---یہ کارنامہ انسانی نہیں ---شعوری نہیں ---ایمان کی حرارت بھی نہیں-ہمارے سامنے اس سے مماثل ایک ہی حیوانی سلسلہ ہے،جو اپنی دھن،اپنے عزم اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنی ذات کو اسی طور قربان کرتا ہے-"[1]

یہودیوں کی چار ہزار سال سے فلسطین حاصل کرنے کی جستجو کے متعلق ان کے عزم اور حوصلہ کو یوسف ظفر نے حیوانی سلسلہ قرار دیا-کیونکہ ایسی لگن جس کے حصول کے لیے انہوں نے مسلسل جدوجہد کی ہو اور بے دریغ قربانیاں دی ہو-اگر اس میں ایمان کی حرارت موجود نہ ہو گی وہ حیوانی سطح کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے-

یہود محسن کش قوم

یوسف ظفر لکھتے ہیں کہ:

آج فلسطین میں محسن کش یہود عربوں سے اس مروت اور خلوص کا انتقام لے رہے ہیں،جو انہوں نے گذشتہ چودہ صدیوں تک روا رکھی-اسی سلسلے میں یہ جو جونکیں ،یہ دیمک اپنے پیش رووں سے مختلف نہیں کہ

[1] یوسف ظفر،،یہودیت:282

حضور ﷺ کی یہود نوازی کا صلہ بھی انہوں نے اسی طرح دیا تھا۔ خلافت عباسیہ کے احسانات بھی انہوں نے اسی طرح چکائے تھے۔ سپین میں بھی ان کا کردار یہی رہا تھا ترکی کے ساتھ بھی انہوں نے اسی جیسا سلوک کیا۔[1]

یوسف ظفر ادبی دنیا سے مذہبی تحقیق کی طرف آئے اور انہوں نے خاص مغربی مصادر کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا اور بہت سے چشم کشا حقائق منظر عام پر لائے۔ ان کے مطابق یہودی، سرزمین فلسطین کو یہواہ کی سرزمین قرار دیتے ہوئے خود اپنے لیے خاص کرتے ہیں کہ یہ سرزمین ہمیں خدا کی طرف سے ملی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس سرزمین میں یہ بعد میں وارد ہوئے جبکہ اصل باشندے کوئی اور تھے۔ یوسف ظفر فری میسن جو کہ یہودیوں کی خفیہ تنظیم ہے کو حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ نسبت دیتے ہوئے یہودیت کے حشاشین قرار دیتے ہیں۔

یوسف ظفر نے بیسویں صدی میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات، تحریک صیہونیت، دو عظیم جنگیں اور ان کی اسلام دشمنی پر تاریخی حقائق سے روشنی ڈالی ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یہودیوں کا ارض فلسطین کے لیے عزم دیکھتے ہوئے کہ کیسے انہوں نے اپنی جلاوطنی میں قائم رکھا، منفرد قرار دیتے ہوئے حیوانی سلسلہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایمان کی حرارت کے بغیر ارض مقدس حاصل کرنا اسی جذبہ کے مماثل ہو سکتا ہے۔ ان کے مطابق جدید اسرائیل کا قیام کسی بھی طرح منصفانہ نہیں ہے۔ یہود نے خود غرضی اور بے توجہی سے کام لیتے ہوئے فلسطین عربوں کا حق غصب کیا ہے۔

بہر حال یوسف ظفر کے ادبی کارناموں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کو مرتب کرنا ایک بڑا تاریخی کارنامہ ہے۔ کیونکہ آپ ایک ادیب، شاعر اور محقق تھے اور مذہبی رجحان کی طرف رخ کرنا بہر حال ایک بڑا کام ہے۔ شاعری کے مقابلے میں یہ رجحان ان کے لیے ایک نیا میدان عمل ثابت ہوا۔ لیکن اس سے مصنف کی اسلام اور عالم اسلام سے دلی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ مصنف نے ادیبانہ رنگ کے ساتھ تاریخی حقائق بیان کرتے ہوئے تاریخ عالم کی ایک بڑی سازش کو بے نقاب کیا ہے۔

[1] ایضاً:300-301

باب چہارم

قیام اسرائیل اور مسئلہ فلسطین کے تناظر میں مطالعہ یہودیت

فصل اول: یہود کے ساتھ تعلقات پر علماء کا نقطہ نظر

فصل دوم: تحریک صیہونیت اور قیام اسرائیل

فصل سوم: قیام اسرائیل اور مسلم دنیا پر اس کے اثرات

فصل چہارم: اسرائیل: ردو قبول بارے علماء کے افکار و نظریات

اسلام کے لغوی معنی سلامتی اور امن کے ہیں۔ یہ دین تمام انسانیت کے لیے بلا امتیاز مذہب پر امن بقائے باہمی کا علمبردار ہے قرآن و سنت کی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت معاشرتی امن و سلامتی اور مختلف طبقات معاشرہ کے درمیان باہمی ہم آہنگی کو دی گئی ہے۔ مسلمانوں کے آپس کے باہمی تعلقات ہوں یا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے تعلقات اسلام معاشرہ کو فساد سے بچاتے ہوئے معاشرتی امن کو فروغ دیتا ہے۔ اسلام کے آغاز سے مسلمانوں کا مشرکین مکہ اور اہل کتاب یہود و نصاری سے باقاعدہ تعلقات کا آغاز ہوا۔

تحریک صیہونیت مذہبی تحریک نہیں بلکہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے۔ جس کا مقصد یہودیوں کی عالمی حکومت قائم کرنا ہے۔ یہ تحریک فکری پس منظر کے لحاظ سے سترھویں صدی میں شروع ہوئی۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے منظر عام پر آئی۔ تھیوڈور ہرزل نے اسے نیا تصور دے کر یہودیوں کو قومی وطن کے قیام پر ابھارا اور اس مقصد کے لیے صیہونی بینک اور بیت المال قائم کیا۔ اس نے سیاسی اثر ورسوخ کے ذریعے خلافت عثمانیہ سے سرزمین فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کی اجازت مانگی لیکن سلطان نے اسے دوٹوک انکار کر دیا۔

اسرائیل چونکہ بین الاقوامی قوانین اور ریاستوں کے وجود کے لیے جن اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کے تحت وجود میں نہیں آیا بلکہ یہودیوں نے دھوکہ دہی اور طاقت کے بل بوتے پر عربوں کو اعلانیہ بے دخل کر کے ریاست قائم کی ہے۔ فلسطینی قوم نے اسرائیل اور اس کے قبضے کو شروع سے ہی تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کریں گے کیونکہ یہودیوں نے "ارض موعود" پر قبضے کے خواب کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پورا کیا ہے۔

فصل اول:

یہود کے ساتھ تعلقات پر علماء کا نقطہ نظر

مسلمانوں کے یہود کے ساتھ تعلقات: اجمالی جائزہ

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالی نے اقوام عالم کی دینی پیشوائی عطا کی۔ آپؑ کے پوتے حضرت اسحاقؑ کے بیٹے ، حضرت یعقوبؑ سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور یہ نسل بعد میں یہودیت میں تبدیل ہوگئی۔ یہ ایک عرصے تک دین ابراہیم پر قائم رہے اور بعد میں آہستہ دین ابراہیم سے دور ہوتے گئے۔

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اللہ تعالی نے بے شمار ابنیاء کرام مبعوث فرمائے لیکن یہ سرکشی سے باز نہ آئے۔ اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کو ان کی طرف نبی مبعوث فرمایا جو کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو بھی ٹھکرا دیا اور اپنے تئیں ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ لیکن اللہ نے اپنی قدر کاملہ سے ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ یہاں ان میں سے ایک گروہ نکلا جو عیسائیت کے نام سے معروف ہے۔

اسلام کی آمد تک ان کے آپس کے تعلقات انتہائی خراب رہے۔ پہلے عیسائیوں کو یہودیوں نے رومیوں کے ساتھ مل کر تنگ کیا اور بعد میں قسطنطین کے قبول عیسائیت کے ساتھ ہی عیسائیوں نے آمد اسلام تک ان کا جینا حرام کیا۔ آمد اسلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں کے ساتھ مسلمانوں کا کچھ واسطہ پڑا۔ اوائل اسلام سے ہی یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات رہے۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ کوئی تعلقات پیدا نہیں ہوئے۔ البتہ قرآن میں بیان کردہ واقعات سے جن میں حضرت موسیٰؑ و فرعون کا ذکر، حضرت موسیٰؑ کی کامیابیاں اور فرعون کے برے انجام سے اہل مکہ یہود سے واقف ہو چکے تھے۔ البتہ مکہ والوں کے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے قدیم تعلقات تھے۔ اس لیے انہوں نے ان سے طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ ﷺ کی نبوت بارے سوالات کیے تھے۔[1]

---

[1]ندوی، نجیب اللہ، **اہل کتاب صحابہ و تابعین** (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2014ء): 64

لیکن آپ ﷺ کے مکی دور میں یہودیوں کے ساتھ تعلقات کی کوئی شہادت یا واقعات نہیں ملتے اور حقیقت یہی ہے کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات نہ ہونے کے برابر تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ سابقہ پڑا کیونکہ یہ لوگ بھی اصلا مسلمان ہی تھے اور یہ توحید، رسالت، وحی آخرت اور ملائکہ پر ایمان رکھتے تھے لیکن اصل دین سے دور تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے موجود تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد سے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے براہ راست تعلقات پیدا ہوئے اور یہ تعلقات یہود علماء کی مخالفت، حسد اور کینے کی وجہ سے یہود مسلمانوں کے دشمن ہو گئے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کے ساتھ معاہدہ میثاق مدینہ کیا جو کہ مذہبی رواداری کی اساس ہے۔ اس معاہدے سے غیر مسلموں اور مختلف مذاہب کے افراد و اقوام کے حقوق و فرائض اور مذہبی رواداری کے اصول وضع ہوئے۔

یہود نے بحیثیت مجموعی قریش مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ تعلقات خراب کرتے ہوئے جنگوں میں ان کے معاون رہے۔ مدینہ سے باری باری یہود کے بڑے قبیلوں کو ان کی شرارتوں اور نقض معاہدہ کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا اور یہ جا کر خیبر میں آباد ہوئے۔ یہاں تک کے غزوہ خیبر کے موقع پر حضور ﷺ نے ان کے ساتھ معاہدہ ہو گیا اور یہود کے ساتھ معمولات و تعلقات میں توازن آ گیا۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق کے دور خلافت میں مسلمانوں کو زیادہ تر سابقہ عیسائیوں سے رہا۔ البتہ یہودیوں نے جنگ قیساریہ[1] میں عربوں کی مدد کی اور شہر کے خفیہ راستوں کے متعلق اپنی جان و مال کے عوض جائے امان حاصل کی۔ اس طرح یہودیوں کو دوہرا فائدہ ہوا۔ ایک طرف انہوں نے مسلمانوں سے امان حاصل کی اور دوسری طرف روم کے عیسائیوں سے بد دیانتی کر کے اپنی قدیم دشمنی کا بدلہ لیا۔

دور عمر میں مسلمانوں نے روم اور فارس میں یہودیوں کو جو کہ عیسائیوں سے تنگ تھے، حقوق دیئے اور فتح بیت المقدس پر ان کو یروشلم میں عبادت کی غرض سے آنے جانے کی مذہبی آزادی دی گئی۔ بطور ذمی یہودیوں کے

---

[1] یہ جنگ مسلمانوں اور فلسطین کے یونانی مدافعین کے درمیان 13ھ میں اجنادین کے مقام پر ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کے سپہ سالار عمرو ابن العاص؄ اور یونانی فوج کے سپہ سالار قیصر روم ہرقل کا بھائی تھیوڈورس تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**: 1/1012

ساتھ مسلمانوں کا سلوک ایسے تھا کہ جنگ یرموک پیش آنے کے موقع پر جب مسلمان وہاں سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں قبضہ نہ کر پائیں گے۔[1]

حضرت عمر فاروق نے ایک بوڑھے یہودی جو کہ بھیک مانگ رہا تھا اور اس کی بصارت زائل ہو چکی تھی آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟ اس نے جواب دیا میں یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا۔ "بڑھاپے، حاجت مندی اور جزیہ کے باعث بھیک مانگ رہا ہوں ۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے لا کر اسے کچھ دیا۔ پھر آپ بیت المال کے خازن کو بلوایا اور ان سے کہا "اس کا اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ان کی جوانی میں ہم ان سے جزیہ وصول کر کے کھائیں اور بڑھاپا آئے تو بے سہارا چھوڑ دیں "۔انما الصدقات للفقراء والمساکین "اس آیت میں فقراء سے مراد مسلمان فقراء ہیں اور یہ آدمی اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔ پھر آپ نے اس آدمی اور اس جیسے دوسرے افراد کے سر سے جزیہ بھی ساقط کر دیا۔[2]

دور عثمان میں یہودیوں نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں میں ایسے فتنے اٹھائے کہ امت مسلمہ آج تک دوبارہ اس طرح اکٹھی نہ ہو سکی۔ عبد اللہ ابن سبا نے مسلمان ہونے کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں سیاسی و مذہبی تفریق پیدا کی جو کہ دور علی میں شدت اختیار کر گئی اور جس سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ان اہل کتاب کے حقوق کے تحفظ، عدل، ہمدردی اور حسن سلوک کی ایسی شاندار مثالیں رقم کی ہیں۔

بنو امیہ کے دور حکومت (حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں) خلافت راشدہ کی طرح ذمیوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھا گیا اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں کو اپنے عبادات و معاملات میں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ حضرت امیر معاویہ کو اپنے پیش رؤں کی نسبت عیسائیوں سے زیادہ واسطہ پڑا۔ اندلس میں یہودیوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بارے اشارے ملتے ہیں۔

---

[1] نعمانی، شبلی، **الفاروق** (کراچی: دارالاشاعت، ط، اول، 1991ء):121

[2] ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج** (بیروت: دارالمعرفہ، 1979ء):126

مولانا ریاست علی ندوی لکھتے ہیں: کہ

"مسلمانوں کے داخلے کے وقت اندلس میں صرف دو مذہب عیسائیت اور یہودیت قائم تھے۔ البتہ جنوبی فرانس میں بت پرستی کا رواج تھا۔ اسپین کے عیسائیوں اور یہودیوں میں تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ حالانکہ اندلس یہودیوں کے وجود سے خالی نہ تھا لیکن انہیں حکمران قوم کی حیثیت حاصل نہ تھی تاہم اپنی دولت و ثروت کے اعتبار سے وہ لوگ اس ملک میں اپنا نمایاں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔"[1]

فتح اندلس میں یہودیوں نے اپنی خدمات مسلمانوں کو پیش کیں۔ فاتح اندلس طارق بن زیاد نے اپنی فوج میں یہودی بھی بھرتی کئے ہوئے تھے۔ قرطبہ کی فتح کے بعد طارق بن زیاد نے یہودیوں کو یہاں آکر آباد ہونے کی دعوت دی۔ اس جزیرہ نما میں یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان دیرینہ کشمکش قائم تھی۔ وہ اس موقع پر اپنا انتقام لینے کے لیے مسلمان فاتحین کے بڑے جانثار اور وفادار دوست ثابت ہوئے اور بڑی تعداد میں یہاں آکر آباد ہو گئے۔[2]

مصطفی السباعی لکھتے ہیں:

"جس طرح اندلس کے شہروں میں مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ بہترین سلوک تھا اسی طرح یہودی اور عیسائی بھی مسلمانوں کے احساسات کا پورا پورا خیال رکھتے تھے مثلاً اولاد کا ختنہ کرواتے تھے اور خنزیر کا گوشت نہ کھاتے تھے۔"[3]

فتح اندلس میں مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا کہ اس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ شرعی حکم کے مطابق مال غنیمت لڑنے والے مسلمان سپاہیوں اور حکومت وقت میں بحصہ رسدی تقسیم ہوتا تھا۔ اس اصول سے عام ناخواندہ سپاہیوں کو جو دولت ملی اس سے اسپین کے شہری و دیہی مسلمان باشندے معاشی لحاظ سے نہایت فارغ البال ہو ئے۔ انہوں نے اپنی اس دولت سے بڑے حصے یہودیوں کے ہاتھ بیچے۔ جس سے یہود اتنے خوشحال ہوئے اس دولت

[1] ندوی، ریاست علی، **تاریخ اندلس** (لاہور: مکی دارالکتب، 2003ء): 27-26

[2] ایضاً: 91

[3] السبائی، مصطفی، **اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو**، مترجم، معروف شاہ شیرازی (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1969ء): 129

و ثروت کے اثر سے وہ مغرب کے سیاسی و معاشی معاملات پر اپنا اثرورسوخ اور اقتدار قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ جن کے مٹانے کی کوششیں آج تک جاری ہیں۔[1]

دور بنو امیہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات اچھے تھے خصوصا اندلس میں یہود بڑے خوش تھے۔ ان کو اسلامی حکومت میں عہدے اور مراتب حاصل تھے ان کے مذہبی معاملات ان کی کتابوں اور مذہبی عدالتوں کے ذریعے طے پاتے تھے۔ مسلمانوں کے یہودیوں (اہل کتاب) سے نکاح و ازدواج کے تعلقات ان کے مابین معاشرتی تعلقات کو فروغ دینے کا باعث بنے۔ اس طرح مسلمان ان کی خوشی و غمی میں شریک ہوتے۔ مسلمان ان کے تہواروں میں شرکت نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کی شرعی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ لیکن ان کے تہوار منانے میں حارج نہ ہوتے تھے ان کے تحفے قبول کرتے تھے۔

بنو عباس یہود کے لیے خوش قسمتی کا دور تھا۔ ان کے رئیس جالوت[2] کے درجہ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے از سرنو اس عہدے کو یہودیوں میں رائج کر دیا۔ عباسی دور میں حکومتی سرپرستی میں یونانی، فارسی، سنسکرت اور سریانی زبانوں سے عربی ترجمہ کی روایت شروع ہوئی۔ یہاں کے ادبی ماحول سے بہت سے یہودی عالموں اور فلسفیوں نے جنم لیا۔ عبرانی بائبل کا عربی ترجمہ ہوا یہودی قانون کو ترقی ملی اور یہودی کیلنڈر مستحکم کیا گیا۔[3]

صلیبی جنگوں میں یہودیوں کو عیسائیوں نے فلسطین سے بے دخل کر دیا۔ بعد ازاں صلاح الدین ایوبی نے جب دوبارہ بیت المقدس حاصل کیا تو انہیں یروشلم دیکھنے کی سہولت میسر ہوئی۔ عثمانیوں نے مذہبی رواداری کی ایک علیحدہ مثال قائم کی۔ انہوں نے غیر مسلموں کو بہت سی مراعات عطا کیں۔ یہودیوں کو شہری حقوق عطا کیے اور ارد گرد کے بہت سے علاقوں سے یہودی ہجرت کر کے قسطنطنیہ میں آباد ہو گے۔[4]

---

[1] ندوی، ریاست علی، **تاریخ اندلس**:118-117

[2] یہ درجہ ایک مدت سے یہودی حضرت داؤدؑ کے گھرانے کے ایک فرد کو دیا کرتے تھے۔ جو ایک طرح سے ان کے معاشرتی معاملات کو دیکھا کرتا تھا۔

[3] زوہیب احمد، **مطالعہ یہودیت** (لاہور: فروغ زبان پبلشرز، 2021ء): 72-71

[4] ایضا: 81

تاریخی ارتقاء سے معلوم ہوا کہ مسلم دور حکومت میں یہودیوں کو بڑی آسانیاں فراہم کی گئی۔ جبکہ عیسائیوں نے انہیں ظلم تشدد کا نشانہ ہی بنایا۔ مسلم حکومتوں کے زیر سایہ انہوں نے اپنی ثقافت و کلچر کو محفوظ بنائے رکھا۔ ان کے مذہبی لٹریچر کے تراجم ہوئے۔ ان کو مذہبی آزادی دی گئی۔ یہ امن و سکون کی زندگی گذارتے رہے۔

مسلمانوں کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات: فقہی تناظر

متقدمین و متاخرین علماء کرام کی جتنی بھی تصانیف ہیں ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کے تعلقات کو اکٹھے بیان کیا گیا ہے اور قرآن حکیم میں بھی دونوں گروہوں کو اہل کتاب سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ لہذا فقہی نقطہ نظر سے ذیل میں ہم یہود کے ساتھ تعلقات کو بیان کریں گے جو کہ عیسائیوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں۔

یہود کا ذبیحہ

یہود کا ذبیحہ حلال ہے چاہے یہ عربی ہو یا عجمی، ذمی ہو یا حربی، لیکن یہ اس وقت حلال سمجھا جائے گا جب مسلمان کے سامنے ذبح ہو اور معلوم ہو کہ یہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ

"﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾"[1]

ترجمہ: "اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔"

قرآن مجید میں اللہ عزوجل کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کو حلال قرار دے کر اسے کھانے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

"﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾"[2]

ترجمہ: "سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔"

---

[1] الانعام:121

[2] الانعام:118

عرب چونکہ مشرک تھے اور انہوں نے ذبیحہ کے جائز و ناجائز طریقے اپنائے ہوئے تھے۔وہ بتوں اور دیوتاوں کا نام لے کر ذبح کرتے تھے اور مردار کھانے میں بھی کراہت محسوس نہیں کرتے تھے۔لہذا ان جانوروں کا کھانا بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ارشاد ہے کہ:

"﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾"[1]

ترجمہ:"تم پر مردہ اور (بہاہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے۔"

مشرکین کے ذبیحہ کے برعکس یہود (اہل الکتاب) جو کہ خدا، وحی اور رسالت پر ایمان رکھتے تھے اور دعوی سے اپنے "ملت توحید" ہونے کا پرچار کرتے تھے۔اس لیے قرآن نے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا۔ارشاد ہے کہ

"﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ﴾"[2]

ترجمہ:"کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لیے حلال کی گیئں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔"

مندرجہ بالا آیت میں طعام سے مراد علماء کرام نے اہل کتاب کا ذبیحہ مراد لیا ہے۔حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ:

"((وقال ابن عباس:طعامهم ذبائهم))"[3]

ترجمہ:"حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: ان کے طعام سے مراد ان کے ذبیحے ہیں۔"

علامہ ابن کثیر نے تابعین کے نام ساتھ بیان کیا ہے کہ

---

[1] البقرہ:173

[2] المائدہ:5

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل الصحیح ،کتاب الذباح والصید، باب ذباح اہل الکتاب وشحومہا من اہل الحرب وغیرہم، ح:2097

"حضرت عبداللہ ابن عباس نے نے فرمایا :ابو امامہ ،مجاہد،سعید بن جبیر،عکرمہ ،عطا،حسن بصری،مکحول،ابراہیم النخعی،السدی اور مقاتل بن حیان جیسے حضرات نے اہل کتاب کے طعام سے مراد ان کا ذبیحہ لیا ہے۔اس مسئلے پر تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔"[1]

حربی وغیر حربی اہل کتاب

کتب فقیہ میں ایک سوال زیر بحث آیا ہے کہ کیا ذبیحہ صرف عرب اہل کتاب کا جائز ہو گا یا تمام دیگر اہل کتاب بھی اس حکم میں شامل ہیں۔؟

علامہ ابو بکر جصاص ایک قول نقل کرتے ہیں کہ

امام ابو حنیفہ ،امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا موقف یہ ہے کہ عرب اور عجم کے ہر یہودی اور عیسائی کا ذبیحہ حلال ہے۔بشرطیکہ اس نے اس پر اللہ کا نام لیا ہو۔[2]

مندرجہ بالا آراء کے مطابق یہود کا ذبیحہ اور حلال کھانے مسلمانوں کے لیے ہونے پر آئمہ اسلام متفق ہیں اور عصر حاضر میں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہود کا ذبیحہ کھانا جائز ہو گا۔

یہودی عورت سے نکاح

قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ارشاد ہے کہ:

"﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾"[3]

---

[1] ابن کثیر، عماد الدین ابی الفدا اسماعیل، **تفسیر القرآن العظیم** (القاہرہ: قرطبہ للطبع والنشر والتوزیع،2000ء):2/28

[2] الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، **احکام القرآن** (بیروت: داراحیاء التراث العربی،1994ء):3/322

[3] المائدہ:5

ترجمہ: "اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں۔ ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو، پوشیدہ بدکاری کرو، منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔"

امام ابو بکر جصاص اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ

صحابہ کی ایک جماعت اہل کتاب عورت سے نکاح کے جواز پر متفق ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے یہودی عورت سے نکاح کیا جبکہ تابعین میں سے حضرت حذیفہ بن یمان اور کعب بن مالک نے یہودی عورتوں سے شادی کی۔[1]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اہل کتاب عورتوں کے نکاح بارے لکھتے ہیں کہ:

"اکثر علماء کے نزدیک اس لفظ "المحصنت" سے مراد آزاد عورتیں ہیں جو باندیاں نہ ہوں، مومن ہوں یا نیک کردار کتابیہ ہوں یا بدکردار۔ حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ جب کے بعض علماء کے نزدیک المحصنت سے صرف پاک دامن عورتیں مراد ہیں خواہ آزاد یا باندی مسلمان عورتیں ہوں یا کتابی باندیاں۔"[2]

بعض علمائے کرام نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو ناپسند فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک یہ حکم خاص اسباب اور وجوہات کی بناء پر دیا ہوگا۔ بالعموم اس حکم کا مقصد مسلمان خاندانوں کو اہل یہود کے فتنہ فساد سے دور رکھنا مقصود ہو اور نکاح احتیاط اور پوری دیکھ بھال کر کے کرنا حکمت ہے۔ یہ علمائے کرام ناپسند تو کرتے ہیں لیکن حرام قرار نہیں دیتے۔

---

[1] الجصاص، **احکام القرآن**: 3/ 324

[2] المظہری، قاضی محمد ثناء اللہ، **تفسیر المظہری** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2004ء): 3/ 71

یہود سے تجارتی تعلقات

مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھنے سے منع نہیں فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے تجارتی تعلقات رکھے۔ آپ ﷺ نے خیبر کی کھیتی اور پھلوں پر یہود سے مشارکت کر رکھی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ

((عَامَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ)) [1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے پھل اور اناج کی آدھی پیداوار پر وہاں کے رہنے والوں سے معاملہ کیا تھا۔

یہ مشارکت سود سے پاک تھی اور آپ ﷺ نے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی ہوئی تھی تاکہ اس سے اپنے اہل عیال کے لیے جو حاصل کر سکیں[2]۔

لیکن یہ کاروباری شراکت یہود سے قلبی تعلق و محبت کا ذریعہ نہ بنے۔ ان کے ساتھ شراکت رکھتے ہوئے ان کے کام و انداز تجارت پہ خوب اور گہری نظر رکھی جائے کہ کہیں وہ سودی لین دین اور حرام کام میں ملوث نہ ہوں ۔ یا ان کو ایسا اسلحہ فروخت نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اسلام کے خلاف میدان جنگ میں قوت حاصل کریں۔ آج کل بین الاقوامی تجارت انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے مسلمان ممالک کو چاہیئے ک کہ وہ زیادہ تر مسلمان ممالک سے ہی تجارتی معاہدے کریں تاکہ اسلام اور اہل اسلام کو طاقت و قوت حاصل ہو۔

یہود کو سلام میں پہل کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہود کے ساتھ سلام میں پہل کرنے سے منع فرمایا۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔ کہ:

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل **الصحیح**، کتاب الحرث والمزرعۃ، ح:2329

[2] ابن قدامہ، احمد بن محمد، **المغنی** (سعودی عرب: دار عالم الکتب، 1999ء): 7/110

"السلام" اللہ سبحان و تعالی کا نام ہے اور اس کو کسی کلمے میں استعمال کرنا ویسا ہی مقدم ہے جیسے کہ سبحان اللہ ،الحمد اللہ یا اللہ اکبر کہنا، لیکن یہود اس کلمے کا مذاق اڑاتے تھے اور بالکل اس کے الٹ الفاظ بولتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلمان اس کلمے کو دعا کے لیے استعمال کرتے تھے اور یہود نے اس کو بد دعا کے لیے استعمال کیا۔ چنانچہ ان کی بد فطری کو دیکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ان سے سلام میں پہل کرنے سے روک دیا۔[1]

یہود نے یہ معمول بنالیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کو سلام کہتے تو بجائے "السلام علیک" کہنے کے "السام علیک "(نعوذ باللہ تجھے موت آئے) کہتے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ بھی موجود تھیں انہوں نے سنا تو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بولیں "کم بختو! تم کو موت آئے "تو حضور ﷺ نے فرمایا "نرمی سے لو"ہاں لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے وعلیک کہہ دیا۔[2]

اس میں حکمت یہ ہے کہ یہود کو مکمل سلام کا جواب نہ دینے کی بجائے صرف وعلیکم کہہ دیا جائے۔ مطلب یہ کہ اگر یہودی نے واقعتاً السام وعلیکم کہا ہے جس کے معنی ہیں تم پر موت آئے۔ تو اس کی بات اس پر لوٹ جائے گی اور اگر اس نے مکمل السلام علیکم کہا تو سلامتی کی دعا اس کو لوٹ جائے گی۔

مسلمانوں کو اہل یہود سے امتیاز کا حکم

مسلمانوں کو رسول کریم ﷺ نے یہود اور دوسری اقوام سے ممتاز رہنے کا حکم دیا ہے اور ارشاد ہے کہ

"((من تشبہ بقوم فھو منھم))"[3]

ترجمہ: "جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہو گا۔"

اسی لیے آپ ﷺ نے یہودیوں کے متبرک دن ہفتہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے لیے جمعہ کے دن کو پسند فرمایا۔

---

[1] ابن قیم، ابو عبد اللہ عبد الشمس، **احکام اھل الذمہ** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1995ء): 1/ 153

[2] نعمانی، شبلی، **سیرت النبی**: 1/ 398

[3] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داؤد** (الریاض: دالسلام، 1999ء) کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرہ، ح: 4031

یہود کی عیادت کرنا

یہود کی عیادت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی خیر اور حسن سلوک ہے۔اور مسلمانوں کو اس سے منع نہیں کیا گیا۔ایک حدیث مبارکہ ہے کہ:

((كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ : أَسْلِمْ ، فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ , وَهُوَ عِنْدَهُ ، فَقَالَ لَهُ : أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ : الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ))[1]۔

ترجمہ: ایک دفعہ نبی کریم ﷺ اپنے ایک یہودی غلام کی عیادت کو تشریف لے گئے۔آپ ﷺ اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور اس سے کہا "اسلام قبول کر لو" اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس کھڑا تھا۔اس کے باپ نے لڑکے سے کہا کہ ابو القاسم کی بات مان لے۔پس اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔نبی کریم ﷺ وہاں سے نکلے اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اس یہودی لڑکے کو آگ سے بچا لیا تھا۔

یہود کے جنازے میں شرکت اور تعزیت

یہود کے جنازے میں شرکت کے متعلق بیان ہے کہ جو شخص یہودی مرے اور اس کا بیٹا مسلمان ہو تو وہ سواری پر سوار ہو اور جنازے کے آگے آگے چلے۔اس کے پیچھے نہ چلے اور جب اس کو دفن کرنے کا ارادہ کریں تو لوٹ آئے[2]۔

یہود میں سے کسی شخص کے انتقال پر اس کے ورثاء سے ہمدردی یا تعزیت کے متعلق ایک روایت ہے کہ

"اثرم نے منصور بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ اگر تم اہل کتاب میں سے کسی کی تعزیت کرنا چاہو تو کہو کہ اللہ تمہارے مال اور اولاد میں کثرت فرمائے اور تمھاری عمر دراز کرے۔"[3]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، ح:1356

[2] ابن قیم، احکام اھل الذمہ:159/1

[3] ابن قدامہ، المغنی:387/3

جبکہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ کسی یہودی کی وفات پر جب بھی اس کا جنازہ گزرتا تو آپ ﷺ تعظیما کھڑے ہو جاتے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ

((مَرَّتْ جَنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا يَهُودِيَّةٌ فَقَالَ إِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَإِذَا رَأَيْتُمْ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا))[1]

ترجمہ: ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے کھڑے ہوگئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوگئے پھر ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو ایک یہودی عورت (کا جنازہ) ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "موت خوف اور گھبراہٹ (کا باعث) ہے، پس جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔"

آپ ﷺ نے اس میں کوئی تفریق نہیں برتی کہ مسلمان کے جنازے کے لیے کھڑے ہونا ہے اور باقی کے لیے نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ نے بلا تفریق جنازے کے احترام کا حکم دیا۔

مسلمانوں کے یہود کے ساتھ باقاعدہ تعلقات کا آغاز ہجرت نبوی ﷺ کے بعد شروع ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بالخصوص یہود کے ساتھ ایک معاہدہ "میثاق مدینہ" کے نام سے کیا۔ مدینہ میں قیام پذیر یہودیوں کے تین بڑے قبیلوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یکے بعد دیگرے مدینہ سے جلاوطن ہوئے اور خلافت راشدہ میں دور عمرؓ میں یہ عرب سے جلاوطن کر دیئے گے۔

دور بنو امیہ میں اندلس میں مسلمانوں کی افواج میں یہودی شامل تھے اور اسپین کی فتح میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ پہلے ہی سے دولت مند اور اثر و رسوخ کے حامل تھے اور اوپر سے ان کو مال غنیمت میں نمایاں حصہ ملا تو انہوں نے آہستہ آہستہ مغرب کے سیاسی و معاشی معاملات میں اپنا رسوخ قائم کر لیا جو آج تک بر قرار ہے۔

بنو عباس کے دور حکومت میں یہودیوں کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور ان میں نامور عالم اور فلسفی پیدا ہوئے۔ عبرانی بائبل کا عربی ترجمہ ہوا۔ صلیبی جنگوں میں ان کو بیت المقدس سے عیسائیوں نے جلاوطن کیا بعد میں

[1] القشیری، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح المسلم** (المکتبۃ الاسلامی: 1421ھ) کتاب الجنائز، باب القیام الجنائز، ح: 2222

صلاح الدین ایوبی نے انہیں دوبارہ یروشلم دیکھنے کی اجازت دی۔ دور عثمانیہ میں یہود اول درجے کے شہری تھے اور انہیں کاروبار کرنے، زمین خریدنے اور مذہبی آزادی سے رہنے جیسے حقوق حاصل تھے۔

شرعی طور پر مسلمانوں کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات میں مسلمانوں کے لیے یہودیوں کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے اور مسلمان یہودی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہود کی عیادت کرنا اور ان کے جنازے کی تعظیم کے حوالے سے اسلامی تعلیمات واضح طور پر ملتی ہیں۔ مزید شریعت اسلامیہ میں خاص وجہ سے یہود کو سلام میں پہل کرنے کی ممانعت اور ان سے امتیاز برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فصل دوم:

تحریک صیہونیت اور قیام اسرائیل

تحریک صیہونیت: تاریخی پس منظر

وجہ تسمیہ

صیہون یروشلم کا ایک پہاڑ ہے۔ یروشلم کا شہر دو متوازی پہاڑوں اور ان کی درمیانی وادی پر بسا تھا۔ مشرقی پہاڑ موریا ہے اور مغربی پہاڑ موریا سے بلند ہے اور عہد سلیمان سے یہودیوں کے لیے مقدس ترین پہاڑ ہے۔ اور اس پہاڑ پر حضرت داؤدؑ کا مزار ہے۔[1]

صیہونیت کی منظم تحریک کا آغاز سترویں صدی میں ہی ہو چکا تھا اور اس کا پہلا ہیڈ کوارٹر روی آنا تھا۔ عرصہ دراز تک یہودی متعدد طریقوں سے حصول مقاصد کی کوشش کرتے رہے۔ 1854ء میں لندن کے ایک یہودی نے اسی مقصد کے لیے ایک کمپنی قائم کی اور 1872ء میں جارج ایلیٹ نے "چول سان" کے نام سے ایک سوسائٹی بنائی ۔ جس کا مقصد فلسطین میں یہود کی زرعی نو آبادیاں قائم کرنا تھا۔[2]

یہ تحریک 1893ء میں منظر عام آئی لیکن یہ تحریک اپنی فکر کے اعتبار سے پہلے ہی موجود تھی۔

تاریخی پس منظر

ایک جرمن یہودی موسی ہیس (1875ء-1812ء) نے صیہونیت کا علم بلند کر دیا۔ اس نے "روم اور یروشلم" کے عنوان سے 1862ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے فلسفے، سوشلزم، سائنس اور مذاہب عالم کی بنیادوں پر اپنے فکر کی تعمیر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اب ساری دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں

---

[1] لیاقت، ممتاز، **تاریخ بیت المقدس** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ط: دوم، 1972ء): 238

[2] ایضا: 240

ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ وہ فوراً اپنی قومی آزادی کے لیے جدوجہد کر کے ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں وہ ساری دنیا کا احاطہ کر سکیں۔چاروں اطراف سے ان کے ساتھ بھی فوری رابطہ قائم ہو سکے اور مقام ان کے دلوں کا مرکز ،ان کی مقدس سرزمین،یہوا کی بادشاہت کا اصل وطن ارض فلسطین ہے۔[1]

یہودیوں کی فلسطین ہجرت کا آغاز

1880ء میں یہودی مہاجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور زیادہ تر مشرقی یورپ سے یہودی خاندان وہاں منتقل ہونے لگے۔[2]

تحریک صیہونیت کا مقصد فلسطین میں قومی حکومت قائم کی جائے اور یہ حکومت غلبہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہے۔اس لیے صہیونی یہودیوں سے مراد جو اس مقصد کے لیے کوشاں ہیں۔جبکہ یہودیوں کے کچھ فرقے اس کے قیام وبقا کے خلاف ہیں اور اس کے وجود کو غیر قانونی اور غیر اخلاقی قرار دیتے ہیں۔

تھیوڈور ہرزل۔(1860ء تا1904ء)

تھیوڈور ہرزل بدھاپسٹ میں 1860ء میں پیدا ہوا۔پیشے کے لحاظ سے صحافی تھا۔اس نے "The Jewish State" کتاب لکھ کر فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا۔یہی تحریک صیہونیت کا بانی ہے اور اس کے اہداف و منصوبے وضع کیے۔اسے بابائے صیہونیت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔اس مقصد کے لیے اس نے دوسرے یہودیوں کے ساتھ مل کر 27اگست 1897ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر بیبل میں صیہونی کانفرنس کی۔اس کانفرنس نے یہودیوں کے سامنے نصب العین رکھا اور اس کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے پر ابھارا ۔کانفرنس نے اعلان کیا کہ صیہونیت فلسطین میں یہودیوں کے لیے ہوم لینڈ حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز کرتی ہے اور اس مقصد کے لیے کانفرنس نے یہ طے کیا کہ:۔

---

[1] مارسڈن،وکٹر ای،**وثائق یہودیت**،مترجم،محمد یحیٰ خان(یوپی انڈیا:اتحاد بک ڈپو،2004ء):95

[2] مودودی،ابوالاعلی،**یہودیت قرآن کی روشنی میں**:292

1۔ فلسطین میں یہودی کسانوں، مزدوروں اور پیشہ وروں کی آبادکاری کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

2۔عالمی صیہونی تحریک کو مجموعی طور پر مختلف ممالک کے قوانین کو سامنے رکھ کر مقامی اور بین الاقوامی حیثیتوں میں از سر نو منظم کیا جائے۔

3۔یہودیوں میں نسلی تعصب، قومی شعور اور سب سے بالاتر ہونے کے احساس کو فروغ دیا جائے۔

4۔ حصول نصب العین کے لیے مختلف حکومتوں کی تائید حاصل کی جائے۔[1]

خلافت عثمانیہ اور یہودی

فلسطین سلطان سلیم اول کے دور حکومت میں عثمانیوں کی عمل داری میں آیا۔ عثمانیوں نے حلب کے قریب "مرج دابق" کے معرکہ میں ممالیک پر فتح حاصل کی اور فلسطین میں داخل ہوئے اور فلسطین چار صدیوں تک عثمانیوں کے کنٹرول میں رہا۔

"دخلت فلسطين تحت الحكم العثماني في عهد السلطان سليم الاول بعد معركة "مرج دابق"عام ١٥١٦م"[2]

یہودی اپنی فتنہ پرور ذہنیت اور سازشوں کی وجہ سے ہمیشہ معتوب رہے۔ان سازشوں کی وجہ سے انہیں در بدر بھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن جب بھی ان کو سکون ملا انہوں نے دوبارہ پھر سازشوں کے تانے بانے بنے۔ خلافت عثمانیہ میں یہودی بڑے سکون کی زندگی گذارتے رہے۔ ممتاز لیاقت لکھتے ہیں۔

"یہودی اپنی شرارتوں اور سازشوں کی بنا پر مختلف ادوار میں نفرت و حقارت کا نشانہ بنتے رہے اور ہر ملک نے کبھی نہ کبھی ان کو اپنی حدود سے ضرور نکال باہر کیا۔ان سازشوں کی ہی بنا پر یہ 627ء میں سرزمین حجاز سے اور 890ء میں شام سے نکالے گئے۔ پرتگال کو جائے پناہ بنایا۔ لیکن وہاں سے بھی 920ء میں سپین کو پناہ گاہ بنانے پر مجبور ہو گے۔1110ء میں

[1] لیاقت، ممتاز، **تاریخ بیت المقدس**:241

[2] اوزدمیر، حسین، **فلسطین فی العهد العثمانی** (القاہرہ: دار النیل للطباعة والنشر،2013ء):24

سپین نے بھی نکال دیا۔1290ء میں انگلینڈ سے نکلے اور فرانس پہنچے ۔لیکن فرانس صرف سولہ سال میں بھر پایااور 1306ء میں انہیں اپنی حدود سے باہر دھکیل دیا۔وہ بیلجیم پہنچے۔1394ء میں زیکوسلاویکہ آئے"[1]۔

سلطان عبدالحمید ثانی اور تحریک صیہونیت

سلطان عبدالحمید دولت عثمانیہ کے سلاطین میں چونتیسواں سلطان تھا۔چونتیس سال کی عمر 1876ء میں تخت نشین ہوا۔[2]

عالمی صیہونی یہودی تحریک کالیڈر تھیوڈور ہرزل یہودی مسئلہ میں یورپ کے عیسائی ممالک جرمنی،برطانیہ اور فرانس سے تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ان ملکوں سے دولت عثمانیہ پر دباؤ ڈلوایا۔تاکہ سلطان عبدالحمید سے ملاقات کرے اور اس سے فلسطین کا مطالبہ کرے۔اس مقصد کے لیے اس نے سلطان کے دوست نیولنسکی جو کہ اخبار "بریدہ الشرق"کا مدیر اعلی تھااور سلطان کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم تھے۔اس سے گفتگو کی اور اسے کہا کہ ہماری ملاقات سلطان عبدالحمید سے کروادے اور اگر سلطان ہمارے مطالبات مان لے تو ہم ترکی کو بے تحاشادولت دیں گے۔

"نیولنسکی اور سلطان کے ساتھ مذاکرات ہوئے سلطان نے نیولنسکی سے کہا: کیااس بات کا امکان ہے کہ یہودی فلسطین کے علاوہ کسی اور علاقے میں قیام پذیر ہو جائیں ؟نیولنسکی نے جواب دیا:فلسطین یہودیوں کے لیے پہلی گود کی حیثیت رکھتا ہے،اس وجہ سے یہودی صرف فلسطین کی طرف لوٹنے کی خواہش رکھتے ہیں۔سلطان نے اس کے جواب میں کہا:فلسطین صرف یہودی نسل کی ہی پہلی گود نہیں بلکہ یہ تمام ادیان کے لیے پہلی گود کی حیثیت رکھتا ہے۔نیولنسکی نے کہا:اگر فلسطین یہودیوں کو نہ دیا گیاتوان کی پوری کوشش ہی ہو گی کہ وہ ارجنٹائن چلے جائیں۔"[3]

سلطان عبدالحمید نے اس کے دوست نیولنسکی کے ذریعے ہرزل کے نام اپنا خط ارسال کیااور کہا:اپنے دوست ہرزل کو بتادو کہ اب اس موضوع پر مزید بات نہیں ہو گی کیونکہ میں مقدس زمین کی ایک بالشت سے بھی دستبردار نہیں ہو

---

[1] لیاقت،ممتاز،**تاریخ بیت المقدس**:240-239

[2] الصلابی،علی محمد،**سلطنت عثمانیہ**،مترجم،محمد ظفر اقبال کلیار(لاہور:ضیاء القرآن پبلی کیشنز،2008ء):449

[3] ایضا:452

سکتا کیونکہ یہ میری ملکیت نہیں بلکہ میری قوم کی ملکیت ہے، اس زمین کی خاطر میرے آباؤاجداد نے جنگیں لڑی ہیں اور اسے اپنے خون سے سینچا ہے۔ یہودی اپنے کروڑوں روپے اپنے پاس رکھیں جب میرا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا تو انہیں فلسطین بغیر معاوضے کے مل جائے گا۔ لیکن اس ملک کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہمارے جسم کو ریزہ ریزہ کیا جائے، ہاں جیتے جی میں اپنے جسم کو ریزہ ریزہ نہیں ہونے دونگا۔[1]

تھیوڈور ہرزل کی یہ کوشش ناکام ہوگئی۔ بعد ازاں اس نے اور حربے بھی آزمائے کہ وہ کسی طرح فلسطین کی زمین حاصل کر سکے۔ لیکن وہ سلطان کی وجہ سے ہمیشہ ناکام رہا۔

تھیوڈور ہرزل کی سلطان عبد الحمید سے ملاقات

تھیوڈور ہرزل جو کہ متعدد بار سلطان سے ملاقات کی کوشش کر چکا تھا تاکہ سلطان کو اپنے مؤقف سے آگاہ کرے۔ آخر کار تھیوڈور کی مسلسل کوشش سے اس کو یہ موقع مل گیا۔1899ء۔1901ء "قصر یلدر" کے بڑے ملازمین کی معیت میں عبد الحمید کے ساتھ براہ راست ملاقات کا موقع مل گیا۔ اس نے سلطان سے دو گھنٹے کی ملاقات کی، ہرزل نے سلطان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ دولت عثمانیہ کی مدد سے یورپ میں ایک بہت بڑا مالدار بینک قائم کرے گا بشرطیکہ سلطان فلسطین میں یہودیوں کو بسنے کی اجازت دیں، اس کے علاوہ اس نے اس بات پر زور دیا کہ وہ دولت عثمانیہ کے تمام قرض بھی ادا کرے گا اور یہ بات 1881ء سے لے کر اب تک کے قرضہ جات کے بارے میں تھی۔ ہرزل نے وعدہ کیا کہ وہ عبد الحمید کے ساتھ ہونے والی اس خفیہ میٹنگ کو کسی پر عیاں نہیں ہونے دے گا۔

سلطان عبد الحمید اس ملاقات کے دوران خاموش رہا اور ہرزل کو کھل کر بات کرنے کا موقع دیا۔ عبد الحمید دراصل یہ چاہتے تھے کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے، خیالات، تجاویز، منصوبے وہ باتوں باتوں میں کہہ ڈالے تاکہ اس کے مافی الضمیر سے آگاہی ہو جائے۔ سلطان کی اس خاموشی سے ہرزل کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ اس مہم میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن آخر میں اسے یہ معلوم ہوا کہ عبد الحمید کے ساتھ اس کی گفتگو ناکام رہی اور وہ اس کے ساتھ ایک بند راہ پر چلتا رہا۔

---

[1] الصلابی، علی محمد، **سلطنت عثمانیہ**:454

سلطان عبد الحمید کی معزولی

سلطان فلسطین میں یہودیوں کو بسنے سے روکنا چاہتے تھے۔ کیونکہ انہیں ان کی سازشوں وعیاریوں کا پتہ تھا ۔ان کے خیال میں اگر ان کو وہاں بسنے دیا گیا تو وہ وسائل پر قبضہ کر لیں گے۔ اب جب تھیوڈور ہر طرح کی کوشش کر چکا اور ناکام ہوا تو صیہونیوں نے سلطان کو متعدد دھمکیاں دیں۔ سلطان کے مخالفین کو اکٹھا کر کے سلطان کو معزول کرنے کے ہتھکنڈے اپنائے گئے۔ آخر کار وہ کامیاب ہو گئے۔ سلطان کو 1909ء میں معزول کر دیا گیا۔

صیہونی بینک اور بیت المال کا قیام

تھیوڈور ہرزل 1902ء میں مر گیا۔ مگر اپنی موت سے قبل وہ صیہونی آبادی بنک اور یہودی بیت المال قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ بنک 1901ء میں قائم ہوا جس کا راس المال تیس لاکھ پونڈ مقرر ہوا۔ پہلے ہی سال چار لاکھ پونڈ کی رقم جمع ہو گئی۔ ڈاکٹر ہرزل کے بعد صیہونی تحریک کا صدر مقام کرلون منتقل ہو گیا اور 1904ء میں خفیہ طور پر اس کی ایک شاخ فلسطینی بندرگاہ یافا میں بھی قائم کر دی گئی۔

جنگ عظیم اول اور برطانوی پالیسی

پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی کی مدد کی۔ سلطنت عثمانیہ پہلے ہی سیاسی واقتصادی بحران کا شکار تھی لہذا فلسطین ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مغربی حکومتیں خصوصا برطانیہ، فرانس اور روس پہلے ہی فلسطین میں یہودی آبادکاری کے حق میں تھے۔ اب دولت عثمانیہ سے علیحدگی فلسطین پر متحرک ہوئے۔ ان مغربی حکومتوں نے تحریک صیہونیت کا مکمل ساتھ دیا۔

سائیکس پیکو معاہدہ(Sykes-Picot Agreement)

برطانیہ صیہونی منصوبہ پوری پشت پناہی کر رہا ہے۔ انہوں نے نہایت ہوشیاری سے شریف مکہ سے عثمانی خلافت کے خلاف مذاکرات کیے اور ساتھ ہی دوسری طرف عراق اور شام کے مستقبل کے لیے فرانس کے ساتھ ہی

معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ مئی 1916ء میں ہوا۔ یہ معاہدہ فرانس کے نمائندہ جارج پیکو(Georges-Picot)اور برطانوی نمائندہ سرمارک سائکس(Sir Mark Sykes)کے درمیان ہوا۔ اس لیے اس کو سائکس پیکو معاہدہ کہا جاتا ہے۔

اس معاہدہ میں طے ہوا کہ عراق کا اکثر حصہ، مشرقی اردن اور فلسطین میں حیفا کا علاقہ برطانیہ کو ملے گا اور لبنان اور شام فرانس کے حصے میں آئیں گے۔ فلسطین پر چونکہ متعدد یورپی سامراجوں کی نظر تھی اس لیے مختلف دعویداروں سے بچنے کے لیے یہ طے کیا گیا کہ اسے کسی ملک کو دینے کی بجائے بین الاقوامی نگرانی میں رکھا جائے۔[1]

بالفورڈیکلریشن۔(Balfour Declaration)

Balfour Declaration (November 2,1917)statement of British support for “the establishment in Palestine of a national home for the Jewish People”. It was made in a letter from Arthur James Balfour ,the British foreign secretary ,to Lionel Walter Rothschild 2nd Baron Rothschild (of Tring) ,a leader of the Anglo-Jewish community.[2]

ترجمہ:"اعلان بالفور(2نومبر 1917ء)فلسطین میں یہودیوں کے لیے قومی وطن کے قیام کے لیے برطانوی حمایت کا اعلان۔ یہ برطانوی وزیر خارجہ آرتھر جیمز بالفور کی طرف سے لیونل والٹر رتھ شائلڈ، دوسرے بیرن رتھ شائلڈ (ٹرنگ کو) لکھے گے ایک خط میں بنایا گیا تھا، جو اینگلو یہودی کمیونٹی کا رہنما تھا۔"

یہ ایک خفیہ خط تھا لیکن بعد میں منظر عام پر آیا۔ یہ تحریک صیہونیت اور یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کے متعلق تھا اور یہ یاد رہے کہ اس وقت فلسطین پر برطانیہ کے زیر نگیں نہیں آیا تھا۔

فلسطین پر برطانوی قبضہ

فلسطین میں برطانوی فوج عرب فوجوں کے تعاون سے 11 دسمبر 1948ء کو داخل ہوئیں۔ برطانوی فوج کا قائد جنرل النبی(Allenby)تھا اور عربی فوج شاہ فیصل اول کے زیر قیادت تھی۔[3]

---

[1] ندوی، سید واضح رشید، **مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام** (لکھنؤ: دارالرشید، 2011ء):15

[2] Encyclopedia of Britannica(Balfour Declaration united kingdom-1917) https://www.britannica.com/event/Balfour-Declaration

[3] ندوی، سید واضح رشید، **مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام**:16

"ستمبر 1918ء میں برطانوی فوجیں شمالی فلسطین پر قابض ہو گئیں اور اکتوبر 1918ء تک انہوں نے شرق اردن، شام اور لبنان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے برطانیہ نے منظم طور پر عملاً سرزمین فلسطین کو یہودیوں کے حوالہ کرنا شروع کر دیا اور برطانیہ فرانس کو اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ سائیکس پیکو معاہدہ میں فلسطین کو بین الاقوامی نگرانی میں دینے کی جو بات طے ہوئی تھی وہ اس سے دست بردار ہو جائے۔ 10 جنوری 1920ء کو برطانیہ کے طاقتور حلیفوں کے اتفاق رائے سے فلسطین کو برطانوی مینڈیٹ (تصرف اور کنٹرول) میں دے دیا گیا اور پھر ستمبر 1922ء میں اقوام متحدہ نے بھی اس فیصلہ کی توثیق کر دی۔"[1]

اس توثیق کے فوراً بعد برطانوی عملداری میں آنے سے یہودیوں کو مزید آسانیاں ہوئیں اور برطانیہ نے باقاعدہ طور پر ارض فلسطین کی طرف یہودیوں کے لیے راہیں ہموار کیں۔

فلسطین رائل کمیشن(Palestine Royal Commission)

1936ء میں یہ ایک برطانوی شاہی وفد تھا جو کہ فلسطین میں موجود بدامنی کی صورتحال کی وجوہات کی تحقیق کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ کمیشن نے 7 جولائی 1937 میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد فلسطین کو یہودی اور عربی دو ریاستوں میں تقسیم کرنے اور شہر قدس اور حیفا کو برطانوی مینڈیٹ کے تحت قائم رکھنے کی سفارش کی۔ لیکن یہودیوں اور عربوں نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔[2] عرب جانتے تھے کہ اس کمیشن کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہودیوں کو زبردستی عربوں پر مسلط کرنے کی کوئی تدبیر نکالی جائے۔[3]

قرطاس ابیض 1939ء

برطانیہ نے مارچ 1939ء میں مسئلہ فلسطین پر ایک یک طرفہ پالیسی بنائی اسے قرطاس ابیض کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ اعلان کیا گیا کہ دس سال کے اندر فلسطین کی ایک آزاد مملکت قائم کی جائے۔ جس کی حکومت میں عرب

[1] ندوی، سید واضح رشید، **مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام**:17

[2] ایضا:18

[3] لیاقت، ممتاز، **تاریخ بیت المقدس**:251

اور یہود دونوں ایسے طریق پر حصہ دار ہوں گے۔ جو دونوں فرقوں کے مفادات اور حقوق کے تحفظ کی ضامن ہو گئی ۔مزید یہ کہا گیا کہ پانچ سال بعد فلسطینی اور برطانوی حکومت کے نمائندے آئندہ نظام سیاسی کا فیصلہ اور آزاد ریاست فلسطین کے لیے آئین تیار کریں گے۔ نیز قرطاس ابیض کی رو سے یہودیوں کی درآمد کو کسی حد تک مسدود کر دیا گیا تھا۔[1]

قرطاس ابیض کی شرائط سے عرب کچھ مطمن تھے کیونکہ اس میں مسئلہ فلسطین پر عربوں کی کچھ حمایت تھی ۔لیکن عرب اس بات پر مطمئن نہیں تھے کہ اس پر عمل کیسے کروائیں گے مزید یہ کہ صیہونی اس کو تبدیل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

جنگ عظیم دوم(1939ءتا1945ء)

دوسری جنگ عظیم میں جرمنی میں موجو دیہودی جرمن نازی پارٹی کے لیڈر ہٹلر نے یہودیوں کا قتل عام کیا ۔یہودیوں نے ان حالات سے بہت فائدہ اٹھایا اور دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس بات کا خوب پروپیگنڈا کیا کہ ان کے لیے دنیا میں کوئی جائے امن نہیں۔ان کے زندہ رہنے یعنی بقا کا راستہ فلسطین میں ان کے قومی وطن کا قیام ہے۔انہوں نے یہ بھی پروپیگنڈا کیا کہ یہودیوں کی مدد عیسائیوں کا مذہبی فرض اور انسانی ہمدردی کا تقاضہ ہے۔[2]

بلتیمور کانفرنس(Biltmore Conference)

جنگ عظیم دوم میں یہودیوں کی کوئی کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔لہذا یہودیوں نے جو کہ قرطاس ابیض کی وجہ سے برطانیہ سے ناامید ہو چکے تھے انہوں نے اپنا سارا زور نئی ابھرتی طاقت امریکہ سے لگا لیا۔اس مقصد کے لیے انہوں نے پہلے ترحم حاصل کرنے کے لیے جرمن مظالم کا پرچار کیا۔پھر امریکہ کے بڑوں کو ساتھ ملا کر ان کی

[1] لیاقت، ممتاز، **تاریخ بیت المقدس** :252

[2] ندوی، سید واضح رشید، **مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام**:18

ہمدردیاں حاصل کیں۔اس مقصد کے لیے نیو یارک میں 6 سے 11 مئی 1942ء میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا ۔جسے صیہونیت کانگریس بلتیمور کانفرنس کانام دیا گیا۔[1]

اس معاہدہ کے ذریعے انہوں نے امریکہ کی ڈیموکریٹک اور ریپبلیکن دونوں پارٹیوں کی تائید اور حمایت حاصل کرلی اور قرطاس ابیض کو کالعدم قرار دے دیا۔اور عربوں کے تحفظات سچ ثابت ہوئے جو قرطاس ابیض کے سامنے آنے پر انہوں نے ظاہر کیے تھے۔

اینگلوامریکن کمیٹی

امریکہ میں بلتیمور کانفرنس کے انعقاد کے ساتھ فلسطین میں امریکی مداخلت کا آغاز ہو گیا۔4جنوری 1946ء میں امریکہ اور برطانیہ نے مشترکہ طور پر ایک انکوائری کمیٹی بنائی۔جس کا مقصد فلسطین میں یہودی آباد کاری کے مسئلے پر سیاسی،معاشی و معاشرتی حالات کا جائزہ لینا اور جرمن میں ان پر ہونے والے ظلم کے نتیجے میں ان کو فلسطین میں آباد کرنا تاکہ وہ امتیازی سلوک اور جبر سے آزاد رہ سکیں۔[2]

سید واضح رشید ندوی لکھتے ہیں۔

"اس کمیٹی نے 1946ء میں فلسطینی اراضی کی منتقلی اور یہودیوں کے ہاتھ ان کو فروخت کرنے کی آزادی دے کر ایک لاکھ یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کی سفارش کی (1939ء۔1945ء)میں بانوے(92)ہزار یہودیوں نے فلسطین ہجرت کی،اس کے بعد(1939ء۔1945ء)میں اکسٹھ(61)ہزار یہودی مختلف ملکوں سے ہجرت کر کے فلسطین میں بس گئے اور270ہزار ایکڑ زمین حاصل کرلی اور 73 نئی کالونیاں بنالیں۔"[3]

---

[1] Zionist conference The Biltmore Conference(Jewish Virtual Library.org) https://www.jewishvirtuallibrary.org/the-biltmore-conference-1942

[2] Anglo American committee of Inquiry(www.avab law. Yale . edu) https://avalon.law.yale.edu/20th_century/angch01.asp

[3] ندوی،سید واضح رشید،**مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام**،ص:19

فلسطینی مزاحمت

فلسطین میں فلسطینی مزاحمت "اعلان بالفور" کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ لیکن یہ غیر منظم رہی۔ اس لیے اس کے ثمرات واضح نہ ہو سکے۔ فلسطینی قوم نے برطانیہ کے غاصبانہ قبضے اور صیہونی منصوبے کو ٹھکرا دیا اور آزادی کا مطالبہ کیا، آزادی کی تحریکیں برابر چلتی رہیں، جن میں قوم پرست تحریکیں بھی تھیں اور اسلام پسند بھی ،اسلامی قیادت کے اہم ناموں میں "موسی کاظم" اور "الحاج امین الحسینی" کی شخصیات معروف ہیں، یہ اور ان کے رفقاء عوامی بیداری، سیاسی کاوشوں اور انقلابی تحریکوں کے روح رواں تھے، برطانیہ کے خلاف کی بغاوتیں ہوئیں، جن میں اہم ترین یہ ہیں: 1920ء میں القدس کی بغاوت، 1921ء میں "یافا" کی بغاوت، 1929ء میں "البراق" کی بغاوت، اکتوبر 1933ء کی بغاوت، اسی طرح شیخ عزالدین القسام کی قیادت میں جہادی تحریک کا آغاز ہوا، عبد القادر حسینی کی قیادت میں "مقدس جہاد" کے نام سے تحریک شروع ہوئی۔[1]

شیخ عزالدین القسام کی قیادت و تحریک بارے ممتاز لیاقت لکھتے ہیں۔

"شیخ عزالدین القسام جیسا ساٹھ سالہ معمر پیر و مرشد اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مریدوں سے بیعت علی الموت لی اور اپنی خانقاہ سے نکل کر میدان میں آ گیا۔ شیخ نے لڑ کر جان دے دی۔ اور ان کی یہ شہادت مستقل پیغام بن گئی۔ ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ عوام نے چوکیوں، سٹیشنوں پر سخت یلغار کی اور جب شیخ کا جنازہ لے کر نکلے تو یہ ہجوم لشکر جرار بن چکا تھا۔ جس پر برطانوی طیاروں نے زبردست بمباری کی۔

اس کش مکش کے بعد برطانیہ نے 1936ء میں فلسطین کو مجلس قانون ساز وعطا کی اور مجلس قانون ساز میں بائیس میں سے صرف گیارہ مسلمان تھے۔ اس بے انصافی اور حق تلفی پر عرب تلملا اٹھے۔ انہوں نے بنی نوع انسان کو عربوں کے دل ناتواں کی آواز سنانے کے لیے 19 مارچ 1936ء کو ہڑتال کر دی۔ یہ آگ دو ہی دن میں سارے فلسطین میں پھیل گئی اور شرق اردن، شام، عراق تک جا پہنچی۔ انھوں نے بھی امدادی ہڑتال کر دی۔ درآمد شدہ یہودیوں اور درآمد کنندگان کی تجارت گاہیں متزلزل ہو گئیں۔ دفاتر ویران ہو گے۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ ایک تہلکہ مچ گیا

---

[1] لیاقت، ممتاز، **تاریخ بیت المقدس**:91

۔ہڑ تال کی شدت میں اضافہ کے ساتھ برطانوی عفریت نے حق پرستوں پر پنجہ استبداد کی گرفت سخت کرنا شروع کر دی۔ مصر سے فوج بلائی گئی۔ مگر عربوں نے سر نہ جھکایا۔ ہڑتال کی رہنمائی کے لیے ایک لجنتہ العلیاء عرب ہائی کمان قائم ہوئی۔ مفتی اعظم فلسطین، احمد حلمی پاشا، عبد اللطیف الصلاح، یعقوب فراج اور یعقوب الفصین اس کے ارکان تھے۔ کمیٹی نے نعرہ لگایا

"زندہ رہنا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"

ہڑتال نے ایک تباہ کن صورتحال اختیار کرلی۔ سول نافرمانی شروع ہوگئی لگان نہ ادا کرنے کی تحریک چل پڑی۔ ایک دنیا ہل گی۔ لیکن برطانیہ نے عربوں کو ان کا قومی حق دینے اور یہود کی درآمد پر پابندی لگانے کے بجائے تشدد کی راہ اپنائی۔ جنگ آزادی شروع ہوگئی۔ دنیا کی عظیم قوتوں کے خلاف نہتی قوم کی جنگ۔۔۔ ریلوں کی پٹریوں کو اکھاڑا گیا ۔تارلائنوں کو منقطع کیا گیا۔ عام تباہی اور توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

فوزالدین فاؤقجی، سعید بک العاص اور شیخ محمد الاشمر نے شہر نابلس کی پہاڑیوں میں اپنا مستقر قائم کر کے باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ برطانیہ، ٹینک اور طیارے میدان میں لے آیا۔ تحریک کے اہم مرکز کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیا گیا۔ لیکن ہڑتال پھر بھی ختم نہ ہوئی۔ یہودی اور انگریز بھوکوں مرنے لگے۔ تو خود انگریز افسروں نے برطانوی طرز عمل کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ مسٹر ہاپنکز کمانڈر شمالی کمان، مسٹر کروسی کمانڈر جنوبی کمان اور ناظم اعلی حکومت مسٹر ہوور نے ہائی کمشنر فلسطین کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا۔ انگریزوں نے نیا فریب کھیلا اور عرب سربراہوں کو درمیان میں لے آئے۔ چنانچہ عرب شیوخ اور شاہوں کی مداخلت پر 16 اکتوبر 1936ء کو ہڑتال ختم ہوگئی۔ یہ ہڑتال پورے دس ماہ جاری رہی۔"[1]

اس کے بعد برطانیہ نے پیل وفد بھیجا۔ جس نے فلسطین کی تقسیم ناگزیر ہے بیان جاری کیا بعد میں برطانیہ نے 1939ء میں قرطاس ابیض پیش کیا۔ جس کی رو سے آئندہ دس سالوں میں فلسطین میں آزاد ریاست قائم کی جائے گی کا معاہدہ ہوا۔ لیکن 1946ء میں اینگلو امریکن کمیٹی کے قیام کے بعد برطانیہ اس معاہدہ سے پھر گیا۔

---

[1] لیاقت، ممتاز، **تاریخ بیت المقدس** :250-249

تقسیم فلسطین

29نومبر1947ءکو اقوام متحدہ کی قرارداد(۱۱)181منظور کی گئی۔جس کے مطابق فلسطین میں دوریاستیں بنائی جائیں گی۔ایک عرب ریاست اور دوسری یہودی ریاست اوریروشلم بین الاقوامی حکومت کے تحت ہو گا۔

"Independence Arab and Jewish states and the special International Region for the city of Jerusalem."[1]

پہلی مرتبہ اس قرارداد کو مسترد کیا گیا۔جبکہ دوسری مرتبہ سیاسی تعلقات اور دباؤ استعمال کرکے اسکی منظوری دے دی گی۔انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں۔کہ:

"The proposel to partition Palestine,based on a modified version of the UNSCOP majority report ,was put to General Assembly vote on November 29,1947.The fate of the proposal was initially uncertain,but,after a period of intence lobbying pro-jewish groups and individuals ,the resolution was passed with 33 votes in favour ,13 against ,and 10 abstentions"[2].

ترجمہ:"یواین ایس سی اوپی کی اکثریتی رپورٹ کے ترمیم شدہ مسودہ کی بنیاد پر فلسطین کی تقسیم کی تجویز کو29نومبر 1947ءکو جنرل اسمبلی کے ووٹ کے لیے پیش کیا گیا تھا۔اس تجویز کی قسمت پہلے غیر یقینی تھی،لیکن حامیوں کی طرف سے شدید لابنگ کے بعد،یہود نواز گروہوں اور انفرادی طور پر،قرارداد کے حق میں 33ووٹ،مخالفت میں 13اور10ووٹوں میں غیر حاضری کے ساتھ منظور کیا گیا۔"

سید قاسم محمود کے مطابق۔

" 15مئی 1947ءکو اقوام متحدہ نے ایک خصوصی کمیٹی برائے فلسطین قائم کی۔اس گیارہ رکنی کمیٹی میں سے کینڈا،چیکو سلواکیہ ،گوئٹے مالا،نیدرلینڈ ،پیرو،سویڈن ،یوراگوئے وغیرہ نے تقسیم فلسطین کا حل پیش کیا اور

---

[1] United nations Resolution 181(11),Future Govt: of Palestine. https://unispal.un.org/dpa/dpr/unispal.nsf/0/7f0af2bd897689b785256c330061d253 Access Date: 17-3-2022

[2] United nations Resolution 181.Britannica.com. https://www.britannica.com/topic/United-Nations-Resolution-181 Access Date: 17-3-2022

ہندوستان، ایران اور یوگوسلاویہ نے وفاقی حل تجویز کیا۔ جبکہ آسٹریلیا غیر جاندار رہا۔ اس پر 31 اگست کو دو نئی کمیٹیاں تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نمبر ایک کو تقسیم کے منصوبے کی تفصیلات طے کرنے کے لیے کہا گیا، جبکہ کمیٹی نمبر دو جو پاکستان، سعودی عرب، افغانستان، عراق، مصر، لبنان، شام اور یمن پر مشتمل تھی، تقسیم کی تجویز کی سخت مخالفت کی۔ مگر انصاف وامن کی علمبردار اس انجمن نے 29 نومبر 1947ء کو ایک قرار داد کے ذریعے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ تینتیس ملکوں نے اس کے حق میں ووٹ دیا، جبکہ تیرہ مخالف اور دس غیر حاضر تھے۔ امریکہ اور روس نے تقسیم کی زبردست حمایت کی۔"[1]

تقسیم فلسطین کے معاملہ میں مندرجہ بالا قرار داد کو قانونی حیثیت نہیں دی گئی اور یہ قرار داد اقوام متحدہ کے میثاق کے خلاف بھی تھی۔ اس میثاق کی رو سے ہر خطے کی عوام کو آزادی اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی حق خود ارادیت حاصل ہے جب کہ اس قرار داد کے متعلق فلسطینیوں کو نہ اعتماد میں لیا گیا اور نہ ہی رائے شماری کی گئی۔ لہذا یہ قرار داد ایک جانب دار حیثیت کی حامل ہے۔ جس میں یہودیوں کو اصل باشندوں کے معاملے میں زیادہ اور بہتر حصے سے نوازا گیا۔

قیام اسرائیل

14 مئی 1947ء کو اسرائیل نے خود ہی اپنی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ فلسطین کے برطانوی انتداب میں ایک نئی ریاست قائم کر دی گئی۔ یہ اعلامیہ برطانوی انتداب کے خاتمے سے ایک دن پہلے تل ابیب میں واقع "تل ابیب میوزیم آف آرٹ" میں منعقدہ "وادلیومی" (یہودی قومی کونسل) کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا اور منظور کیا گیا۔[2]

تحریک صیہونیت کا اپنا ایک سیاسی منظر نامہ اور مقاصد ہیں۔ جن پر یہ تحریک اپنے آغاز سے ہی عمل پیرا ہے۔ اس کا آغاز اٹھارویں صدی میں ہوا اور اس کے جھنڈے تلے یہودیوں نے باقاعدہ ارض فلسطین کی طرف پیش قدمی شروع کی اور مشرق و مغرب کے یہودی فلسطین میں آباد ہونے لگے۔ تھیوڈور ہرزل نے اس تحریک میں نئی

---

[1] محمود، سید قاسم، **شاہکار انسائیکلوپیڈیا**:156

[2] بٹ، محمد احسن، **جدید اسرائیل کی تاریخ** (لاہور: دارالشعور، 2007ء):16-15

جان پیدا کی اور اپنے سیاسی اثر ورسوخ کے ذریعہ یہودیوں کی مہاجرت کو قانونی حیثیت دینے کی کوشش کی لیکن عثمانی خلیفہ سلطان عبد الحمید کے سامنے اس کی یہ کوششیں بارآور نہ ہو سکیں۔

جنگ عظیم اول میں یہودیوں نے برطانیہ، فرانس اور روس کی باقاعدہ مدد کی۔ جس کے نتیجے میں انہیں بالفور ڈیکلیریشن کے ذریعہ فلسطین میں آباد کاری کا حق دیا گیا۔ برطانوی انتداب کے زیر سایہ یہود دی سرزمین فلسطین میں بڑی تعداد کے ساتھ آباد ہو گئے۔ فلسطینیوں نے بھی ان کی آباد کاری پر آواز اٹھائی اور تحریک مزاحمت شروع کی جس پر برطانوی رائل کمیشن بیٹھا اور برطانیہ نے قرطاس ابیض جیسی یہود نواز پالیسی بنائی۔ جس کے مطابق دس سال کے اندر فلسطینی آزاد مملکت قائم کی جائے گی۔

جنگ عظیم دوم میں یہودیوں نے مقتدر طاقتوں کو ہٹلر کے مظالم دکھا کر اپنے لیے ہمدردیاں سمیٹیں اور اپنی بقا کے لیے قومی وطن کے کے قیام کا راگ الاپا۔ 1947ء میں اقوام متحدہ کی قرارداد 181 کے مطابق فلسطین میں دو ریاستیں یعنی عرب ریاست اور یہودی ریاست بنانے کا اعلان ہوا تو اس قرارداد کو زبردستی تسلیم کروالیا گیا۔ اس قرارداد کے تسلیم ہونے کے ساتھ ہی 14 مئی 1948ء کو اسرائیل نے اپنے قیام کا اعلان کر دیا۔

فصل سوم:

قیام اسرائیل اور مسلم دنیا پر اس کے اثرات

فلسطین میں برطانوی انتداب کے دوران یہودیوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور فلسطینی باشندوں کو ظلم کا نشانہ بناتے ہوئے جبراجلاوطن کیا۔ فلسطینیوں نے بھی مزاحمت شروع کی تو برطانوی حکومت نے مصالحت کے لیے کمیشن اور مختلف پالیسیاں بنوائیں۔ جس کا براہ راست یہودیوں کو زیادہ فائدہ تھا۔ جنگ عظیم دوم میں امریکہ نے مسئلہ فلسطین میں مداخلت شروع کر دی۔ 1948ء میں اقوام متحدہ نے ایک قرارداد میں فلسطین میں دو ریاستوں کے قیام کی تجویز پیش کی جس کی زبردست مخالفت سامنے آئی۔ لیکن امریکہ وروس نے اس تجویز کی پرزور حمایت کی اور اگلے ہی روز یہودیوں نے اپنی ریاست "اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔

قیام اسرائیل سے پہلے ہی یہودیوں اور فلسطینی باشندوں میں فسادات شروع ہو گئے تھے۔ کیونکہ یہودیوں نے ان کو بے گھر کر کے ان کی جائیدادوں پر قبضہ شروع کیا ہوا تھا۔ فلسطینی بھی اپنی مزاحمت جاری رکھے ہوئے تھے۔ قیام اسرائیل کے بعد پڑوسی عرب ممالک نے فلسطین کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اسرائیل جو جنگی قوت میں بے پناہ اضافہ کر چکا تھا۔ عرب ممالک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ بلکہ اس کشمکش کے بعد اسرائیل اٹھہتر فیصد رقبہ پر قبضہ کر چکا تھا۔

عرب اسرائیل جنگ 1948ء

1947ء میں اقوام متحدہ کے اعلان کے بعد یہودیوں اور عربوں کے لیے ایک ایک ریاست قائم کی جائے گی۔ عربوں نے اقوام متحدہ کے طریقہ تقسیم فلسطین ماننے سے انکار کر دیا اور وہ متحدہ آزاد فلسطین کے مطالبے پر قائم رہے۔ قیام اسرائیل کے بعد صیہونیوں نے دہشت گردی شروع کر دی اور جو علاقے اقوام متحدہ نے عربوں کے لیے

مختص کیے تھے ان پر قبضے کرنے شروع کر دیئے ۔ فلسطینی عربوں کی حمایت میں دیگر عرب ممالک مصر،شام ،عراق،اردن،لبنان اور سعودی عرب نے اسرائیل پر حملہ کر دیا۔[1]

مصر،شام اور اردن آزاد ممالک تھے مگر ان کی فوجی طاقت برائے نام تھی۔ صرف اردن کی عرب لیجن تربیت اور جدید اسلحہ کی وجہ سے کسی حد تک منظم فوج کہی جاسکتی ہے۔ لیکن عرب لیجن کی کمان انگریز افسروں کے ہاتھ میں تھی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب لیجن اپنا مؤثر کردار ادانہ کر سکی۔ دوسری طرف اسرائیل چونکہ ابھی وجود میں آیا تھا اس لیے ان کی عسکری قوت دو عناصر پر مشتمل تھی۔ ایک،ایسے یہودی جو برطانوی فوج میں تھے انہوں نے جدید ترین اسلحہ کی تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ دوم یہودی دہشت پسند تنظیموں کے ہزاروں کارکن تربیت یافتہ تھے۔ جن کے پاس جدید اسلحہ وافر موجود تھا۔[2]

واقعات

اردن اور سعودی عرب کی عرب فوجیں پیش قدمی کرتے ہوئے تل ابیب سے تیرہ میل پیچھے پہنچ گئی [3]۔ جبکہ عراق اور شام کی فوجوں نے اسرائیلی فوج پر دباؤ ڈال رکھا تھا۔ مصری فوج اپنے محاذ پر خاص کامیابی نہ دکھا سکی ۔ لیکن جیسے ہی اردن کی فوج مصری فوج سے ملی تو انہوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ تل ابیب اسرائیلی دارالحکومت ان سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ عراق،شام اور لبنان کی فوجیں بھی بہادری کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اسرئیلی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اسرائیل کے حامی مغربی ممالک اسرائیل کی ناکامی سے سخت پریشان تھے۔ لہذا اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے جنگ بندی کی ہدایت کی۔ بڑی طاقتوں نے فریقین کا اسلحہ بند کر دیا۔ چونکہ عربوں کے اسلحے کا انحصار تمام تر بڑی طاقتوں پر تھا جس سے عرب فوج بے حد متاثر ہوئی۔ جبکہ اسرائیل کے پاس اپنے وسیع اسلحہ ذخائر موجود تھے اور انہوں نے جنگ کے دوران چیکوسلواکیہ سے اسلحہ بھی حاصل کیا۔ اس کے نتیجے میں اسرائیل کو کامیابی حاصل ہوئی۔

---

[1] منور مادیوان، **عرب اور اسرائیل** (نئی دہلی: افروایشین پبلیکیشنز، س-ن):27

[2] محمود جاوید، **المیہ فلسطین** (کراچی، کتب خانہ جمہوریہ، س:ن):161-160

[3] ملک، محمد آصف، تمکین انجم، **جدید دنیائے اسلام** (لاہور: پبلیشرز ایمپوریم، س:ن):16

اثرات

عرب اسرائیل جنگ 1948ء کے بعد مشرق وسطی کی صورتحال تبدیل ہوگئی۔اس لیے اس جنگ میں یہودیوں کا پلہ بھاری رہا۔لہذا اسرائیل کو یقین تھا کہ عرب اب دوبارہ کبھی بھی اسرائیل پر حملہ نہیں کریں گے۔اردن نے دریائے اردن کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا۔جبکہ مصری فوج غزہ کی پٹی پر قابض ہو گئیں۔یہودیوں نے یروشلم پر قبضہ کر کے تل ابیب کی جگہ یروشلم کو دالحکومت قرار دے دیا۔ایران اور ترکی نے اسرائیل کو تسلیم کر کے عربوں کی مخالفت مول لی۔جبکہ پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس سے پاکستان اور اسرائیل کی دشمنی کی بنیاد پڑی۔

مصر اسرائیل جنگِ 1956ء

عرب اسرائیل جنگ 1948ء کے بعد مصر میں انقلابی جدوجہد شروع ہوئی۔جو کہ آہستہ آہستہ چلتی رہی جس کے نتیجے میں 1952ء میں فوجی انقلاب رونما ہوا اور مصر کے صدر جمال عبدالناصر منتخب ہوئے۔جمال عبدالناصر نے مصر کی عسکری طاقت میں بے پناہ اضافہ کیا اور ملک میں دورس معاشی و معاشرتی اصلاحات کیں۔[1] دریائے نیل پر اسوان بند کی تعمیر سے مصر میں اقتصادی نظم آنا تھا اور معیشت مضبوط ہونی تھی۔برطانیہ و امریکہ نے اس مقصد کے لیے مالی معاونت کا وعدہ کیا تھا مگر بعد میں وعدہ خلافی کی۔اس کی تعمیر مصر کے فوجی وقار کا مسئلہ تھا اس لیے انہوں نے اپنے وسائل سے سرمایہ حاصل کرنے کی غرض سے نہر سویز کو قومیانے کا فیصلہ کیا۔جو کہ اس کا اخلاقی، قانونی اور ملکیتی حق تھا۔

واقعات

یہ جنگ مصر اور اسرائیل تک محدود نہ تھی بلکہ برطانیہ اور فرانس اپنی ساری عسکری قوت کے ساتھ نہر سویز کی حفاظت کے بہانے اسرائیل کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گیا۔[2] مصری فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔اسرائیل

[1] محمود جاوید، **المیہ فلسطین**:163

[2] منور مادیوان، **عرب اور اسرائیل**:36

پہلے ہی حملے میں غزہ کی پٹی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن مزید آگے پیش قدمی نہ کر سکا اسرائیل حملے کے ایک دن بعد فرانس اور برطانیہ مصر کے خلاف جنگ میں شامل ہوئے۔ جبکہ یہ واضح تھا کہ حملہ اسرائیل کی طرف سے ہوا ہے۔ 31 اکتوبر کو فرانس اور برطانیہ کی افواج نے مصری مورچوں پر ہوائی حملے شروع کر دیئے اور اس طرح مصر بیک وقت تین طاقتوں کے مدمقابل لڑا۔ سلامتی کونسل نے ایک قرار داد کے ذریعے اسرائیل کو جارح قرار دے کر اپنی سرحدوں پر واپس جانے کا حکم دیا مگر برطانیہ اور فرانس نے اس قرار داد کو ویٹو کر دیا۔ اس کے بعد جنرل اسمبلی نے 2 نومبر کو فوری جنگ بندی کا حکم دیا لیکن اس حکم کی تعمیل بھی نہیں کی گئی۔ حالانکہ مصر اس جنگ بندی پر راضی تھا۔

برطانیہ اور فرانس کو مکمل یقین تھا کہ امریکہ اس جنگ میں اسرائیل کا ساتھ دے گا۔ لیکن اس کے برعکس امریکہ اس جنگ سے دور رہا۔ اسرائیلی فوج نے جزیرہ نمائے سینا کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا جبکہ فرانس اور برطانیہ پورٹ سعید پر قابض ہو گئے[1]۔ دوسری طرف مصر کے ساتھ فرانس اور برطانیہ کی زیادتی دیکھی تو اس نے دھمکی دی کہ اگر انہوں نے فوری طور پر جنگ بندی نہ کی تو روس اس جنگ میں مداخلت کر کے مصر کا ساتھ دے گا۔ اس دھمکی کے اثر سے بالآخر 24 نومبر کو جنگ بند ہو گئی۔ مصر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے لیا۔[2]

اثرات

برطانیہ اور فرانس کے اس اقدام پر عالمی رائے عامہ نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ روس کی مداخلت سے مقبوضہ علاقے خالی کر دیئے گے۔ انہوں نے مصر سے اپنی افواج کا انخلاء کیا جبکہ اسرائیل نے غزہ اور سینا کا علاقہ خالی کر دیا۔ مصر کو نہر سویز پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا۔ جنگ کے بعد مصر میں تمام فرانسیسی و برطانوی املاک قبضے میں لے لی گی اور مغربی ممالک کے تین ہزار باشندوں کو مصر سے نکال دیا گیا۔ جنگ میں دیگر عرب ممالک کو چھیڑا نہ گیا کیونکہ اردن برطانیہ کے ساتھ فوجی معاہدے میں منسلک تھا۔ جبکہ عراق سینٹو میں مغربی بلاک کے ساتھ شامل

---

[1] چودھری، ہدایت اللہ خاں، **جدید دنیائے اسلام** (لاہور: مکتبہ کارواں، 1973ء):123

[2] ملک، محمد آصف، تمکین انجم، **جدید دنیائے اسلام**:17

تھا۔جنگ کے نتیجے میں جمال عبدالناصر کی مقبولیت میں کافی اضافہ ہوا اور عربوں کی نظر میں ان کا وقار بلند ہوا۔ مغربی ممالک نے مصر کا بائیکاٹ کیا لیکن جمال عبدالناصر نے روس سے مالی امداد حاصل کی۔

عرب اسرائیل جنگ 1967ء

مسئلہ سویز کے بعد مصر اسرائیل کے لیے بہت بڑا خطرہ بن چکا تھا۔یہودیوں کو امریکہ کی بھرپور فوجی طاقت مل رہی تھی جبکہ روس مصر کی مدد کر رہا تھا۔اردن کے شاہ حسین نے فوجی قوت بڑھانے کے لیے بھرپور تیاریاں کیں اور اپنی اس قوت میں اضافہ کیا۔ فلسطین میں یہودیوں کے بے پناہ ظلم و تشدد کی وجہ سے فلسطینی عرب اپنا وطن چھوڑ کر اردن اور شام میں پناہ لینے پر مجبور تھے۔ فلسطینی عرب جن ممالک میں پناہ گزین تھے، فلسطین کی آزادی میں ان ممالک کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔جبکہ دوسری طرف اسرائیل مغربی طاقتوں سے اسلحہ حاصل کر رہا تھا تاکہ عرب ممالک کو سبق سکھا سکے۔نیز اس جنگ کا ایک اور مقصد آبنائے تیان کو کھولنا تھا۔جو کہ جمال عبدالناصر نے 5 مئی 1967 کو ایک اعلان کے ذریعے اسرائیلی بحری جہازوں کے لیے بند کر دی گئی تھی۔

واقعات

جنگ کا آغاز 5 جون 1967ء کو ہوا جب اسرائیل نے بیک وقت چار محاذوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا ۔اسرائیلی فضائی حملے مصر، اردن، شام اور عراق کے ہوائی اڈوں پر ہوئے۔جس سے مصر کی فضائیہ مکمل طور پر تباہ ہو گئی۔ جبکہ اسرائیلی زمینی فوج نے صحرائے سینا پر فتح حاصل کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔7 جون کو اردن کو مغربی کنارے پر شکست کا سامنا ہوا جبکہ 9 جون کو اسرائیل نے شام کی گولان پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔[1] یہ جنگ 6 دن جاری رہی ۔عرب ممالک کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔11 جون 1967ء کو جنگ بندی کے بعد اسرائیل عربوں کے بڑے علاقے پر قبضہ کر چکا تھا۔جن میں غزہ، سینائی، یروشلم، بیت الحم، الخلیل، دریائے اردن اور بیت المقدس کے علاقے شامل تھے۔[2]

---

[1]سید اطہر، **ارض مقدس فلسطین** (اورنگ آباد: چنتامنی پرنٹنگ پریس، 2003ء):79

[2]ملک، محمد آصف، تمکین انجم، **جدید دنیائے اسلام**:18

اثرات

اس جنگ میں عربوں کو ناقابل تلافی شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اسرائیل کی سرحدیں بے حد وسیع ہو گئیں۔[1] مصر نے نہر سویز کو بند کر دیا اور شکست کے بعد مصر کے جمال عبد الناصر نے استعفی دے دیا۔ جبکہ شدید عوامی دباؤ کے بعد اپنا استعفی واپس لے لیا۔ عرب ممالک سے بہت سے یہودیوں کو بے دخل کر دیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ہنگامی اجلاس کے ذریعے اسرائیلی حکومت پر زور دیا کہ وہ اب ایسا کوئی اقدام نہیں کرے گا جس سے بیت المقدس شہر کی حیثیت بدلنے کا امکان ہو۔ لیکن اسرائیل نے نہ مانتے ہوئے القدس کو اپنا دارالحکومت بنانے کا اعلان کر دیا۔ 22 نومبر 1967ء کو سلامتی کونسل نے اسرائیل سے مقبوضہ علاقے خالی کرانے کے لیے ایک قرارداد منظور کی لیکن اسرائیل نے اس قرارداد کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔

عرب اسرائیل جنگ 1973ء

عرب اسرائیل جنگ 1967ء کے بعد اسرائیل کا اعتماد کافی بحال ہوا اور اس نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو نہ مانتے ہوئے مقبوضہ علاقے نہ چھوڑے۔ جس سے عرب اسرائیل کے مابین کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ 1970ء میں جمال عبد الناصر انتقال کر گئے اور مصر کے نے صدر انور السادات بنے۔ انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ اسرائیل سے مقبوضہ علاقے واپس لیے جائیں گے۔ شام، عراق اور اردن بھی 1967ء کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے عرب دنیا کو منظم کر رہے تھے۔

دوسری طرف اسرائیل بھی 1967ء کی فتح کے بعد فلسطینیوں پر عرصہ حیات تنگ کیے ہوئے تھا اور اردگرد کے ممالک پر جارحانہ اقدامات سے باز نہیں آرہا تھا۔ مثلاً، 21 فروری 1973ء کو اسرائیل کے لڑاکا طیاروں نے لیبیا کا ایک مسافر طیارہ گرا دیا جس سے 113 جانیں ضائع ہو گئیں۔ پھر 10 اگست کو اسرائیلی طیاروں نے عراق کا ہوابازی طیارہ زبردستی اسرائیلی ہوائی اڈے پر اتار لیا[2]۔ 6 اکتوبر 1973ء کو شام اور مصر نے اپنے علاقے اسرائیل سے آزاد کرانے

---

[1] ایڈورڈ سعید، **مسئلہ فلسطین**، مترجم، شاہد حمید (لاہور: ایلفا براوو، 1991ء): 117

[2] محمود جاوید، **المیہ فلسطین**: 169

کی غرض سے اسرائیل پر حملہ کیا۔ مصر نے اپنی کاروائی نہر سویز کے ساتھ شروع کی۔ جس کے نتیجے میں مصر نہر سویز پر قبضہ کرنے کے بعد جزیرہ نمائے سینا میں کافی آگے تک چلا گیا جبکہ شامی محاذ پر عربوں کو فتح ملی۔[1]

اب اسرائیل کی مدد کے لیے امریکہ نے مداخلت کی اور اسرائیل نے گولان پہاڑیوں سے بھرپور حملہ کیا اور بعض دوسری جگہوں پر مصری فوج کی پیش قدمی روک دی۔ دیگر عرب ممالک عراق، سعودی عرب ،اردن، مراکش اور تیونس کی فوجیں آجانے سے حالات کنٹرول ہوئے۔[2]

11نومبر 1973ء کو اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کی کوششوں سے یہ جنگ بند ہوگئی اور 18 جنوری 1974ء کو مصر اور اسرائیلی نمائندوں میں فوجوں کی واپسی کا معاہدہ طے پایا۔ شام اور اسرائیل میں عارضی مصالحت ہوئی لیکن اسرائیل بدستور گولان پہاڑیوں پر قابض رہا۔

اثرات

اس جنگ میں عربوں کی عسکری تنظیم اور فوج کی اعلی تربیت کے ساتھ ان کا اتحاد مثالی تھا۔ شاہ فیصل نے عربوں کی تیل کی دولت کو قومی مفاد کے لیے استعمال کیا۔[3] جو یورپی ممالک اسرائیل کے حامی تھے ان کی تیل کی سپلائی بند کر دی۔ جس سے وہ ممالک صنعتی بحران کا شکار ہوگئے۔ عرب ممالک نے امریکہ پر دباؤ ڈال کر اسرائیل کو راستے پر لانے کی کوشش کیں۔ جس کے نتیجے میں اسرائیل نے نہر سویز کا مشرقی کنارہ اور گولان پہاڑیوں کا کچھ حصہ خالی کر دیا۔ امریکہ نے اسرائیل اور شام میں عارضی مصالحت کروادی۔ مصر اسرائیل میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کروانے میں کامیاب ہوا۔ اس طرح مصر کی پالیسی عربوں سے الگ ہوگئی۔

---

[1] ملک، محمد آصف، تمکین انجم، **جدید دنیائے اسلام**:19

[2] سید اطہر، **ارض مقدس فلسطین**:81

[3] محمود جاوید، **المیہ فلسطین**:174

اسرائیل لبنان جنگ 1982ء

اس جنگ سے قبل اسرائیل کا نشانہ عام طور پر عرب ممالک تھے۔ جہاں انہوں نے دہشت گردی کی پالیسی کو اپنایا ہوا تھا۔ انہوں نے مصر اور شام کے ساتھ معاہدات کر کے ان کو عرب دنیا سے علیحدہ کر دیا۔ اسی طرح اسرائیل اپنی جارحانہ پالیسیوں سے عرب دنیا کو نشانہ بنا کر پھر ان کو معاہدات کا پابند کر دوسرے عرب ممالک پر حملے کر دیتا اور خود وہ معاہدات کی پرواہ کیے بغیر اپنی جارحیت جاری رکھتے۔ لبنان جنگ 1982ء میں بھی انہوں نے یہی کیا ۔ بیروت پر حملے کے دوران شام بھی ان کی جارحیت سے محفوظ نہ رہا۔ حالانکہ شام کا اسرائیل کے ساتھ معاہدہ تھا۔

واقعات

1982ء میں لندن میں اسرائیل کے سفیر پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ انہوں نے اس حملہ کی آڑ لے کر لبنان پر 30 ہزار فوج کے ساتھ چڑھائی کر دی۔ چھ جون 1982ء کو پہلا حملہ بیروت کے ہوائی اڈے پر ہوا۔ جس سے ہزار سے زائد لوگ شہید ہوئے۔ اس میں زیادہ تر لوگ تنظیم آزادی فلسطین کے تھے اور انہی کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر کے ان کو ہی نشانہ بنایا گیا تھا۔ 8 جون کو اسرائیل نے لبنان پر اپنی فوجیں اتار دیں۔[1]

پاکستان کے نامور شاعر فیض احمد فیض اس وقت بیروت میں تھے۔ وہ اس بارے لکھتے ہیں کہ:

> "اس کے بعد ہر روز مسلسل دو تین گھنٹے کے بعد کبھی صبح کبھی شام اسرائیل کی طرف سے حملے ہوتے رہے ، بمباری ہوتی رہی اور شہر تباہ ہوتا رہا۔ وہ صرف پی۔ ایل۔ او کے دفاتر پر ہی حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ شہری آبادی کو بھی نشانہ بناتے تھے۔ یہ ان کی دہشت گردی اور ہراس پھیلانے کی حکمت عملی تھی۔ جنوبی لبنان میں جہاں فلسطینیوں کے کیمپ ہیں وہاں کچھ دیہات ہیں۔ اسرائیلیوں کو ان دیہات میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔ انہوں نے ان کیمپوں اور دیہات کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے ان پر مسلسل بمباری کی جس کا

---

[1] قاسم، نعیم، حزب اللہ، مترجم، محمد یحیٰی خاں (لاہور: نگارشات پبلشرز، 2009ء):122

مقصد یہ تھا کہ وہاں پر مقیم لوگ بھاگ جائیں یا مر جائیں یا جب وہاں پر بالکل کوئی نہ رہے اس وقت وہ وہاں داخل ہوں۔یہی انہوں نے کیا۔"[1]

اسرائیل کا لبنان پر حملہ ایران عراق کی جنگ کی وجہ سے نفسیاتی طور پر بہترین قدم تھا کیونکہ اس جنگ سے عربوں کی توجہ ایران عراق پر تھی اور ان میں اختلافات بھی آ گئے تھے۔اول تو عرب پہلے بھی اسرائیل کے سامنے اتنے طاقتور نہیں تھے کہ ان کے جدید ہتھیاروں کا مقابلہ کرتے۔دوسرا عراق ایران جنگ میں ایرانی خطرہ کی وجہ سے یہ اور بھی منقسم اور کمزور ہو گئے۔لہٰذا ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسرائیل نے اپنی تینوں طاقتوں بری، بحری اور فضائی سے لبنان پر بھرپور حملہ کیا۔ان کا مؤقف یہ تھا کہ جنوبی لبنان کے فلسطینیوں کے مراکز سے اسرائیل پر حملے ہوتے ہیں۔اس لیے وہ دونوں ملکوں کے درمیان پچیس میل کا علاقہ خالی کرانا چاہتے ہیں تاکہ گلیلی کے اسرائیلی علاقوں پر گولہ باری ممکن نہ رہے۔

6جون کو اسرائیل نے ساٹھ ہزار فوجیوں اور پانچ سو ٹینکوں کے ساتھ لبنان کی طرف پیش قدمی کی۔انہوں نے شام کو یہ پیغام دیا کہ وہ ان کے ساتھ لڑنا نہیں چاہتے۔لیکن بیروت کے گھیرے کے ساتھ دمشق شاہراہ بھی خطرے میں پڑی تو شام اسرائیل کا تصادم ہو گیا۔جس کے نتیجے میں اسرائیل نے جدید ہتھیاروں سے شامی فضائیہ پر حملے کیے۔جس سے شام کا کافی نقصان ہوا اور اسے ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔البتہ زمینی لڑائی میں شامی فوج نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ان کے درمیان جنگ کے تیسرے دن جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا۔

یہ جنگ اسرائیل اور فلسطینی و لبنانی تنظیموں (پی ایل او، امل، فتح) اور شام کے درمیان ہوئی۔اس میں اسرائیل کے 76ہزار فوجیوں نے حصہ لیا جبکہ عربوں کے صرف 37ہزار فوجی مقابلے پر تھے۔اسرائیل کا جانی نقصان 670 فوجیوں کا ہوا جبکہ عربوں کے 9800افراد شہید ہوئے۔[2]

شام کی جنگ بندی کے بعد اسرائیل نے لبنان پر پوری توجہ سے حملہ کیا اور مطالبہ کیا کہ فلسطینی ہتھیار ڈال دیں اور بیروت سے نکل جائیں۔لیکن فلسطینیوں نے مزاحمت جاری رکھی اور ہراساں نہ ہوئے۔جس کے نتیجے میں یہ مغربی

---

[1]فیض، احمد فیض، **روزنامہ جنگ**، 18، فروری، 1983ء

[2]مرزا نصرت، **چھٹی عرب اسرائیل جنگ** (لاہور: جنگ پبلشرز پریس، 1993ء):362

بیروت میں داخل نہ ہو سکے۔اس کے علاوہ انہوں نے علاقے کی بجلی کاٹ ڈالی اور پانی کی فراہمی بند کر دی۔ لیکن مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے۔

اثرات

اسرائیل حملے کی وجہ سے جنوبی لبنان میں فلسطینیوں کی قوت قریب قریب ختم ہو گئی۔شام کے فضائی اڈے تباہ ہوئے۔ فلسطینیوں اور شامیوں کے دوست عرب ممالک ان کی مدد کے لیے نہیں آئے اور عرب لیگ بھی اس کے متعلق کوئی اجلاس نہ منعقد کر سکی۔ جبکہ مغربی بیروت میں فلسطینی مہاجرین کے دو کیمپوں "صابرہ"اور "شتیلا" میں قتل عام ہوا۔ جس میں بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔اس قتل عام میں اسرائیلی حکومت پوری طرح ملوث تھی۔

عرب اسرائیل معاہدات

اسرائیل نے اپنے جارحانہ مقاصد کے حصول کے لیے ایک حکمت عملی یہ اپنائی کہ انہوں نے مختلف عرب ریاستوں کے ساتھ معاہدات کا سلسلہ شروع کیا۔اس کا سب سے پہلا اثر یہ ہوا کہ عرب ریاستوں میں آپس میں اختلافات آگئے۔ دوسرا اسرائیل کی طرف سے ان ریاستوں، جن کے ساتھ معاہدات ہوئے تھے۔ وہ دوسری عرب ریاستوں کے آمنے سامنے آگئیں اور اس داخلی کمزوری کی وجہ سے تحریک فلسطین کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف اسرائیل نے کبھی بھی ان معاہدات کی پرواہ نہیں کی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان پر دوبارہ چڑھائی سے باز نہیں آئے۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ

عرب اسرائیل تنازعات میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ ایک تاریخی تبدیلی کا سبب بنا۔ پہلی مرتبہ کسی عرب ریاست نے دشمن کے ساتھ بیٹھ کر ایک معاہدے پر دستخط کر کے اس کے وجود کو قانونی حیثیت دے دی۔ 1978ء کو امریکی

صدر جمی کارٹر کے نے اسرائیل اور مصر کے درمیان ایک معاہدہ کروایا[1]۔اس معاہدے کے نتیجے میں ان کے مطابق عرب اسرائیل کشمکش اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔یہ معاہدہ مشرق وسطی میں ان قائم کرنے میں سنگ میل کی حیثیت رکھے گا۔اس معاہدے کے نتیجے میں دونوں فریقین کو بہت سی چیزوں سے دستبردار اور بہت سی چیزوں کا پابند ہونا پڑا۔

فلسطینیوں کی عربی شناخت اور اس میں عربوں کے تاریخی حق سے دستبرداری عمل میں آئی۔مصر نے اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔اس معاہدے کے مطابق مغربی کنارے کی غزہ کی پٹی کے باشندوں کو مکمل اختیارات دینے کی یقین دہانی کرائی گئی۔مزید یہ کہ اسرائیل تین سال کے عرصہ میں صحرائے سینا خالی کر دے گا اور نہر سویز اور آبنائے تیان کی مشرقی پٹی مصر کے پاس رہے گی۔[2]

اثرات

مصر عربوں کے درمیان اپنا سیاسی مقام کھو کر عرب برادری سے علیحدہ ہو گیا۔عرب اسرائیل کشمکش سے مصر نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔عرب دنیا میں مصر پہلا اسلامی ملک تھا جس نے اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کو قانونی وجود عطا کیا۔اس معاہدے سے مصر تو اسرائیل سے محفوظ ہو گیا لیکن مصر عربوں کے مدمقابل آگیا۔اس معاہدے کی بہت سی شرائط مصر اور عربوں کے مفاد میں نہیں تھیں۔سب سے اہم اثر یہ ہوا کہ اس معاہدہ سے مسئلہ فلسطین اور فلسطینی جدوجہد کمزور ہو گئی۔[3]

اوسلو معاہدے

تحریک آزادی فلسطین اور پیشتر عرب ممالک نے اسپین کے شہر میڈرڈ میں اکتوبر 1991ء میں اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کے سلسلے کا آغاز کیا۔دو برس تک معاہدوں میں کوئی خاص پیشرفت نہیں سامنے نہیں

[1] ایڈورڈ سعید، **مسئلہ فلسطین**:508

[2] ملک، محمد آصف، تمکین انجم، **جدید دنیائے اسلام**:264

[3] ندوی، عنایت اللہ، **بیت المقدس اور فلسطین**:104

آئی۔ دسمبر 1992 میں ناروے کے شہر اوسلو میں عرب نمائندوں اور اسرائیل میں کچھ خفیہ مذاکرات ہوئے۔ جو آگے چل کر اوسلو معاہدوں کی شکل میں سامنے آئے۔ 13 ستمبر 1993ء کو واشنگٹن میں عرب اور اسرائیلی نمائندوں میں اوسلو معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ ان کو غزہ اور اریحا کے معاہدے بھی کہتے ہیں۔[1]

ان معاہدوں کی وجہ سے عرب قیادت نے اسرائیل کو جائز ریاست تسلیم کرتے ہوئے فلسطینی اراضی کے 77 فیصد حصے پر اسرائیل کا قبضہ جائز تسلیم کر لیا۔ اسرائیل کے ساتھ مسلح کاروائی غیر قانونی قرار دیتے ہوئے تحریک انتفاضہ کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ اسرائیل کو نقصان پہچانے والے کسی بھی عمل کو غیر قانونی مانتے ہوئے پوری عرب قیادت آزادی فلسطین کے متفقہ مطالبے سے دستبر دار ہو گئی۔ تمام مسائل کے حل کو امن مذاکرات کے ذریعہ حل کرنے پر اتفاق ہوا۔[2]

اثرات

اوسلو معاہدوں سے فلسطین کی تحریک آزادی، اس کے اہداف و مقاصد اور میثاق کا خاتمہ ہو گیا۔ تحریک آزادی فلسطین کی قیادت کو اصل فلسطینی نمائندہ قرار دے دیا گیا۔ اسرائیل نے غزہ اور مغربی کنارے کے بعض حصوں پر فلسطینی قیادت کو محدود سطح پر آزادی دینے کا وعدہ کیا اور بہت سے دیگر مسائل کو پانچ سال میں حل کرنے پر اتفاق رائے کیا گیا۔ ان معاہدوں کی دیگر عرب ریاستوں اور عالم اسلام کی طرف سے زبردست مخالفت سامنے آئی۔ عرب قیادت جنہوں نے اس معاہدے پر دستخط کیے تھے ان کو ذمہ دار قرار دے کر اعلان برأت کر دیا گیا۔

اردن معاہدہ

اردن اور اسرائیل کے مابین امن معاہدہ 1994ء میں طے پایا۔ امریکی صدر بل کلنٹن کی موجودگی میں اردن کے صدر شاہ حسین اور اسرائیلی صدر یزاک رابن نے معاہدے پر دستخط کر کے سفارتی تعلقات قائم کر

[1] ندوی، عنایت اللہ، **بیت المقدس اور فلسطین**:107

[2] ملک، محمد آصف، تمکین انجم، **جدید دنیائے اسلام**:384

لیے۔اردن مصر کے بعد دوسری عرب ریاست تھی جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا۔اس معاہدے کے نتیجے میں اسرائیل کے دو سرحدی علاقوں "تزوفر" اور "بقورا" پر اردن کا حق تسلیم کیا گیا۔

متحدہ عرب امارات معاہدہ

13 اگست 2020ء کو عرب ریاست متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کے مابین واشنگٹن میں امن معاہدہ ہوا۔امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی موجودگی میں معاہدے پر متحدہ امارات کے صدر عبداللہ بن زید النہیان اور اسرائیلی صدر نیتن یاہو نے 15 ستمبر 2020ء کو دستخط کیے[1]۔اس موقع پر بحرین نے بھی شمولیت کرکے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ خلیجی ریاستوں میں متحدہ عرب امارات پہلا ملک ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم کر کے ان کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔

1947ء میں اقوام متحدہ نے فلسطین پر برطانوی انتداب ختم کر کے اسے یہود اور عرب دو مملکتوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔اس اعلان کے ساتھ ہی یہودیوں نے اپنے قومی وطن اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا ۔عرب ممالک نے اسرائیل کے قیام کی مخالفت کی اور 1948ء میں دوسرے عرب ممالک کے تعاون سے اسرائیل پر حملہ کر دیا۔امریکہ اور برطانیہ کی مدد کی وجہ سے اسرائیل کو عربوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔

1956ء میں نہر سویز کے مسئلہ پر مغربی ممالک نے اسرائیل اور مصر کو آمنے سامنے کر دیا۔برطانیہ اور فرانس نے اسرائیل کا ساتھ دیا۔لیکن عالمی رائے عامہ سے شدید ردعمل پر مصر کو کسی حد تک کامیابی ملی اور نہر سویز بدستور ان کے قبضہ میں رہی۔1967ء میں اسرائیل نے مصر اور شام پر حملہ کر دیا۔چھ دن میں اسرائیل نے غزہ ،جزیرہ نمائے سینا، گولان کی پہاڑیاں اور اردن کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا اور عربوں کو اس جنگ میں ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔

1973ء میں مصر نے اسرائیل سے اپنے علاقے خالی کروانے کے لیے اسرائیل پر حملہ کیا۔پہلے مصری فریق غالب رہا بعد ازاں امریکی مداخلت سے مصر کی پیش قدمی رک گئی۔اس جنگ میں عرب ممالک نے سیاسی فتح

[1]https://www.bbc.com/urdu/world-58689073 /Accesed Date 28-8-22

حاصل کی اور عرب ممالک کا اتحاد اس کی واحد وجہ تھا۔ عرب اسرائیل کا پانچواں معرکہ لبنان جنگ 1982ء میں ہوا لیکن فلسطینی مزاحمت کی وجہ سے اسرائیل مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔

اسرائیل نے جنگوں کے دوران ہی مختلف عرب ممالک سے معاہدات کرنے شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے اسرائیل نے مصر کے ساتھ سفارتی تعلقات کا آغاز کیا۔ جس سے عرب برادری نے مصر سے علیحد گی اختیار کر لی۔ اس کے بعد اسرائیلی قیادت اور فلسطینی قیادت میں معاہدے ہوئے جو کہ اوسلو معاہدے کہلائے۔ بعد ازاں اردن کے ساتھ معاہدہ 1994ء میں ہوا۔ جبکہ 2020ء میں متحدہ عرب امارات اور بحرین نے معاہدات کیے۔

بیسویں صدی میں مسلم امہ بہت سے داخلی و بیرونی مسائل کا شکار رہی۔ نو آبادیاتی نظاموں کے زیر اثر مسلمانوں کی سوچ پہلے ہی بدل گئی تھی اور سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد یہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ قیام اسرائیل سے عالم اسلام عمومی جبکہ عرب دنیا خاص طور پر متاثر ہوئی۔ اس کے نتیجے میں مسلم دنیا میں افکار و تحریکات نے جنم لیا۔ جس سے ملت اسلامیہ کی ذہنی و سیاسی زندگی پر اثرات قائم ہوئے۔ مشرق وسطی بلکہ عالمی سیاست پر دیرپا اثرات مرتب ہوئے۔ قومیت کا تصور مسلمانوں میں گہرا ہوا اور وہ مختلف قوموں میں بٹ گئے۔ اسلام جو ماضی میں ان کے سیاسی و سماجی اتحاد کی بنیاد تھا ان کی عملی زندگی سے نکل گیا۔

فصل چہارم:

قیام اسرائیل اور مسلم دنیا میں ردو قبول کے مباحث

بیسویں صدی کے شروع میں یہودی آبادکاری فلسطین میں جاری تھی اور اعلان بالفور کے ساتھ ہی یہودیوں کو وہاں رہنے کا حق دے دیا گیا۔ تو وہاں ان کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا۔ دنیا بھر کے یہودی فلسطین میں آباد ہونے لگے۔ فلسطینیوں نے بھی مزاحمت کی لیکن بڑی طاقتوں کے سامنے منظم جدوجہد نہ ہونے کی صورت میں ان کو خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ 1916ء سے فلسطین برطانوی انتداب کے زیر سایہ تھا۔ یہ برطانوی انتداب 1948ء میں ختم ہوا اور اس کے 7 گھنٹوں بعد یہودیوں نے اپنی ریاست اسرائیل کا اعلان کر دیا۔ اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی فلسطین کی علیحدہ ریاست کا اعلان بھی تھا جو کہ نہ بنائی گئی بلکہ اس کے برعکس یہودیوں نے فلسطین کے لیے نامزد زمین کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔

قیام اسرائیل کے ساتھ ہی اسرائیل نے پاکستان کی طرف سفارتی تعلقات کا ہاتھ بڑھایا گیا۔ لیکن اسرائیل کی بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ تعلقات قائم نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں پاکستان اور اسرائیل کے وزرائے اعظم کی ملاقاتیں بھی ہوئیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بحث شروع ہوئی لیکن شدید عوامی ردعمل کے خوف کی وجہ سے یہ معاملہ باتوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔

پاکستان میں جیسے ہی کوئی سیاسی بحران پیدا ہوتا ہے اسی وقت یہ مسئلہ دوبارہ شروع ہو جاتا ہے اور اس مسئلہ کے متعلق مختلف آراء سامنے آنے لگتی ہے۔ بیشتر علماء اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو مذہبی مسئلہ قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ علماء و اسکالر اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو سیاسی و سفارتی قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ پر پاکستان کے مختلف ٹی وی پروگراموں میں بحث ہوتی ہے اور مختلف اخبارات میں اس مسئلہ کے متعلق کالم لکھے جاتے ہیں۔ جبکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں الیکٹرانک میڈیا پر عوام بھی براہ راست اپنی آراء کا اظہار کرتی ہے۔

پاکستان اسرائیل تعلقات

14 اگست 1947ء کو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جنوری 1948ء میں اسرائیل کے صدر وائزمین نے پاکستانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کو ایک خط لکھا جس میں نئی وجود میں آنے والی فلسطینی ریاست اور پاکستان میں پائی جانے والی مماثلتوں کی طرف اشارہ کیا گیا اور یہ امید ظاہر کی گئی کہ یہ نئی ریاست پاکستان کی تقلید کرے گی۔ خط میں کہا گیا کہ ہمارے درمیان بہت سی اقدار مشترک ہیں۔ لہذا اس بات کا قوی امکان کے ہے کہ ہم سب مل جل کر پر امن طریقے سے رہ سکتے ہیں۔[1]

اس سلسلے میں پاکستانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان اور اسرائیلی سفیر ایبا ایبان کی 1952ء میں واشنگٹن میں ملاقات ہوئی۔ بعد میں جنوری 1953ء میں ایک ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔[2]

حامد میر لکھتے ہیں۔

"پاکستان میں اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات کی بحث جنرل ضیاء الحق کے دور اقتدار میں شروع ہوئی تھی جب امریکہ نے "آپریشن سائیکلون" کے ذریعہ افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف مزاحمت کرنے والے مجاہدین کو اسلحہ فراہم کرنے کے لیے پاکستان کے ساتھ اسرائیل کی خدمات حاصل کیں۔"[3]

جنرل ضیاء الحق پاکستان اور اسرائیل کو مماثل قرار دیتے تھے انہوں نے 1981ء میں ایک بیان میں کہا کہ پاکستان اسرائیل کی طرح ایک نظریاتی ریاست ہے یہودیت کو اسرائیل سے نکال دینے سے پیچھے کچھ نہیں بچتا جبکہ پاکستان میں سے اسلام نکال دیا جائے تو یہ ایک سیکولر ریاست تصور ہو گی۔[4]

جنرل ضیاء الحق نے 1970ء میں فلسطینی مجاہدین کے خلاف اردن کی فوج میں بحیثیت بریگیڈیئر شرکت کی ۔ جس میں انہوں نے فلسطینیوں کی بغاوت کچلنے میں ان کی مدد کی۔ اردن کے شاہ حسین نے ضیاء الحق نے کی خدمات کا

---

[1] P.R.Kumaraswamy, ***Beyond the Veil: Israel –Pakistan Relations*** ,JCSS, Tel Aviv University ,2000:30-31

[2] Ibid,p:31

[3] میر، حامد، ""**روزنامہ جنگ**"7 مارچ، 2019ء

[4] سوامی، پی آر کمار، **پاکستان اسرائیل تعلقات کی خفیہ کہانی** (لاہور: فیکٹ پبلی کیشنز، س۔ن):59-58

اعتراف بھی کیا۔اس واقعہ کو بلیک ستمبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مصر کو اسلامی دنیا میں واپس آنے کا سہرا بھی جنرل ضیاء الحق کے سر ہے۔کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد مصر کو عرب لیگ اور او آئی سی سے نکال دیا گیا تو جنرل ضیاء الحق نے ان کے لیے مصر واپسی کی راہ ہموار کی۔[1]

1990ء کے بعد سرد جنگ کا خاتمہ، بھارت اسرائیل سفارتی تعلقات کی بحالی اور پاکستان مین جمہوریت کے آجانے سے پاکستان اسرائیل تعلقات کا نیا دور شروع ہوا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتوں نے کئی بار پاکستان کی اسرائیلی پالیسی بارے نظر ثانی کی کوششیں کیں۔نومبر 1995ء میں اسرائیلی صدر اسحاق رابن کے قتل پر پاکستانی حکومت نے سرکاری سطح پر مذمت کی۔ جنوری 1996ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے اسرائیلی روزنامہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ امن کے حل میں پیشرفت اور دوسرے عرب ممالک کی رضامندی سے پاکستان اپنی پالیسی تبدیل کرسکتا ہے۔[2]

2 فروری 2005ء میں ترکی کے تعاون سے پاکستان کے وزیر خارجہ خورشید احمد قصوری نے اسرائیلی وزیر خارجہ سیلون شالوم سے ملاقات کی اور اس ملاقات کو خفیہ رکھا گیا تاکہ پاکستان میں اس کی وجہ سے کوئی انتشار نہ پیدا ہو۔خورشید احمد قصوری اپنی کتاب "Neither A Hawk Nor A Dove" میں لکھتے ہیں:

“I met Silvan Shalom, then Israel Deputy Prime Minister and its Foreign Minister. In order to preserve the secrecy of the mission, I flew in special six seater Lear Jet 60 from Malta, where I had gone for a bilateral visit, accompanied by DGFMO director general, foreign minister s office Khalid Mahmood. Even he did not know until the last moment about our destination until I told him about our planned trip for a meeting in Istanbul. While this visit was being planned, as an elected representative of the people, I was aware that this was a politically hazardous move. I knew instinctively that the religious and right wing political circles would try and derive maximum political benefit and criticize the decision. It was, however, decided at the highest level that Pakistan s national interest demanded that we go head with the decision.”[3]

---

[1] میاں، انعام الرحمن، **پاکستان، اسرائیل اور مسئلہ فلسطین**، ماہنامہ الشریعہ (گجرانوالہ: اکتوبر، 2005ء): 11

[2] ایضا: 12

[3] Kasuri,Khurshid Mahmud, ***Neither A Hawk Nor A Dove***,Penguin Books,2015:436

ترجمہ: میں نے سیلون شالوم سے ملاقات کی، جو اس وقت اسرائیل کے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ تھے۔ مشن کی رازداری کو برقرار رکھنے کے لیے، میں نے مالٹا سے خصوصی 6 نشستوں والے لئیر جیٹ 60 میں اڈان بھری۔ جہاں میں دوطرفہ ددورے پر گیا تھا۔ اس کے ساتھ ڈی جی ایف ایم او کے ڈاریکٹر جنرل، وزیر خارجہ خالد محمود تھے۔ حتی کہ اسے بھی آخری لمحہ تک ہماری منزل کا پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے استنبول میں ایک میٹنگ کے لیے ہمارے طے شدہ سفر کے بارے میں بتایا۔ جبکہ اس دورے کی منصوبہ بندی کی جارہی تھی۔ عوام کے منتخب نمائندے کے طور پر میں جانتا تھا کہ یہ ایک سازشی طور پر خطرناک ہے میں جانتا تھا کہ مذہبی اور دائیں بازو کے سیاسی حلقے زیادہ سے زیادہ سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور اس فیصلے پر تنقید کریں گئے تاہم یہ فیصلہ اعلی ترین سطح پر پاکستان کے قومی مفاد میں کیا گیا اور ہم سے مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس فیصلے پر عمل کریں۔

14 ستمبر 2005ء کو پاکستانی صدر پرویز مشرف نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 60 ویں اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں پر پرویز مشرف نے اسرائیلی صدر ایریل شیرون کے ساتھ مصافحہ کیا اور بعد ازاں جیوش نیشنل کانگریس سے خطاب بھی کیا۔[1]

بانیان پاکستان اور مسئلہ فلسطین

مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے دنیا بھر کے قائدین نے اپنی اپنی کوششیں کیں۔ مصور پاکستان علامہ محمد ڈاکٹر اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی نصیب ہوئی۔ دونوں شخصیات صرف برصغیر ہی نہیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں اور اسلام کو درپیش چیلنجوں پر نظر رکھتی تھیں۔ ان کی اس دور میں عالمی مسائل بارے جو بھی آراء سامنے آئیں وہ آج بھی بعینہ سچ ثابت ہو رہی ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح اور مسئلہ فلسطین

قائداعظم محمد علی جناح بہت اعلی پایہ کے سیاسی مدبر تھے۔ ان کی سیاسی فکر کی بدولت ارض مقدس پاکستان کی سرزمین کا حصول ممکن ہوا۔ وہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے بلکہ پوری دنیا

[1] میاں، انعام الرحمن، **پاکستان، اسرائیل اور مسئلہ فلسطین**، ماہنامہ الشریعہ: 13

میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل کو اپنی دورس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ برطانوی حکومت کی طرف سے اعلان بالفور کے سامنے آنے سے قائداعظم کی اس معاملے میں دلچسپی شروع ہوگئی تھی۔ اور انہوں نے فلسطین اور فلسطینی مسلمانوں کے مستقبل میں درپیش آنے والے خطرات کو محسوس کر لیا تھا۔ اعلان بالفور کے بعد ان کا پہلا ردعمل سامنے آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ:

"میں برطانوی حکومت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ مسئلہ فلسطین کو اگر منصفانہ اور آبرومندانہ طریقے سے حل نہ کیا گیا تو سلطنت برطانیہ کے لیے یہ تبدیلی کا نقطہ آغاز ہوگا۔ برطانیہ نے فلسطینی عربوں کی رائے عامہ کو طاقت و جبر سے کچلنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم برصغیر کے مسلمان اس موڑ پر عرب موقف کے حامی ہیں اور ان کی منصفانہ جدوجہد میں ہم ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ عرب مسلمان اپنے جائز حق کی جدوجہد میں ضرور کامیابی حاصل کریں گے۔"[1]

فلسطینی رپورٹ پر قائداعظم نے بیان دیا کہ:

"فلسطین رپورٹ عربوں کے ساتھ بے حد شدید ناانصافی کرتی ہے اور اگر برطانوی پارلیمان نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی تو برطانوی قوم عہد شکنی کی مرتکب ہوگی۔ ایسا کام جو سراسر ناانصافی پر مبنی ہو غلط ہوتا ہے اور صرف اس لیے کہ اس سے زحمت کم سے کم ہو جائے گی یا یہ کچھ خصوصی مفاد کے حسب حال ہے۔ برطانیہ عظمی کو اپنے عہد بے خوفی کے ساتھ پورے کرنے چاہیے۔"[2]

آل انڈیا مسلم لیگ کے 25ویں اجلاس جو کہ 15 نومبر 1937ء کو لکھنو میں منعقد ہوا۔ اس میں مسئلہ فلسطین پر قائداعظم نے سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے برطانوی حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا تھا انہوں نے فرمایا:

"برطانوی حکومت کی ساری حکمت عملی عربوں کے ساتھ بے وفائی تھی۔ ان کی بھروسہ کرنے کی فطرت کا بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔ برطانیہ عظمی نے عربوں کے لیے جو اعلانات کیے ان کی خلاف ورزی کی گئی۔ ان کے

---

[1] منصور، جعفر، **بانیان پاکستان اور اسرائیل**، انڈیپینڈنٹ اردو، 5 دسمبر، 2020ء
https://www.independenturdu.com/node/55411

[2] صدیقی، اقبال احمد، **قائداعظم: تقاریر و بیانات** (لاہور: بزم اقبال، ط: اول، 1997ء): 2/147

ذریعہ اور جنگ عظیم کے دباو کے تحت اس بات کی ضمانت دی گئی کہ عرب علاقوں کو مکمل آزادی دی جائے گی اور ایک عرب کانفیڈریشن قائم کر دی جائے گی۔ جھوٹے وعدے کر کے اور عربوں کو استعمال کرنے کے بعد خود رسوائے زمانہ اعلان بالفور جو کہ ناقابل مصالحت تھا اور جس پر بیک وقت عملدرآمد بھی ناممکن تھا، انتدابی قوت کی گدی پر متمکن ہو گئے اور یہودیوں کو وطن فراہم کرنے کی حکمت عملی اپنانے کے بعد برطانیہ عظمی اب فلسطین کی تقسیم کرنے کی تجویز پیش کر رہا ہے اور شاہی کمیشن کی سفارشات نے المیہ کی تکمیل کر دی ہے۔ اگر اس جامہ عمل پہنا دیا گیا تو اس کا نتیجہ پہنا دیا گیا تو اس کا نتیجہ عربوں کی ان کے اپنے وطن میں ہر جائز امنگ کی مکمل تباہی اور بربادی کی شکل میں ظاہر ہو گا۔"[1]

7 اکتوبر 1938ء کو مسلم لیگ نے فلسطین کانفرنس جو کہ قاہرہ میں منعقد ہوئی تھی اس میں ایک وفد بھیجا جو کہ عبد الرحمن صدیقی، خلیق الزماں اور مولوی مظہر الدین پر مشتمل تھا۔[2]

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 1938ء میں جو کہ پٹنہ میں 26 دسمبر تا 29 دسمبر منعقد ہوا تھا کہ جلسہ صدارت میں مسئلہ فلسطین پر مسلمانان ہند کی فلسطینی عربوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانان برصغیر اپنے عرب بھائیوں کی جدوجہد آزادی برائے خود مختار ریاست ان کی مدد سے ہرگز ہرگز گریز نہ کریں گے۔[3]

8 اکتوبر 1925ء کو مسئلہ فلسطین پر امریکہ و برطانیہ کی روش پر احتجاج کرنے کے لیے مسلم لیگ کا ایک جلسہ بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں عراقی و مصری جنرل قونصل نے شرکت کرنے کے ساتھ تقریریں بھی کیں۔ نیز قائد اعظم نے بھی ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"فلسطین اس وقت ایک تاریک اور نازک زندگی کے دور سے گزر رہا ہے۔ جب 1914ء کی لڑائی شروع ہوئی تو برطانوی حکومت نے نہایت سنجیدگی سے تمام عرب ممالک کے ساتھ وعدے کیے کہ اگر وہ اس کی مدد کریں گے تو ان ممالک میں جنگ کے بعد خود مختار اور آزاد حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔ ان ملکوں میں فلسطین بھی تھا

---

1 صدیقی، اقبال احمد، **قائداعظم: تقاریر و بیانات** :2/167

2 جعفری، رئیس احمد، **قائداعظم اور ان کا عہد** (لاہور: مقبول اکیڈمی، س۔ن):632

3 صدیقی، اقبال احمد، **قائداعظم: تقاریر و بیانات**:2/281

۔ان تمام ملکوں نے اپنا خون بہا کر اور اپنی جانیں نچھاور کر کے انگریزوں کی امداد کی۔ مسلمان جو وعدہ کر لیں پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی۔ وہ اپنی جان دے دیتے ہیں لیکن اپنے الفاظ نہیں دیتے۔ جب جنگ ختم ہوئی اور برطانوی حکومت کو قدرت نے فتح کا منہ دکھایا تو ان ملکوں نے اپنی آزادی اور خود مختاری کا حسب وعدہ مطالبہ کیا۔ مگر وہ مواعد اور پیمان شرمندہ وفانہ ہوئے۔ ان سادہ لوح عربوں کے حصے بخرے کر دیئے گے ۔کچھ فرانس نے سنبھالے اور کچھ انگریزوں نے۔"[1]

قیام پاکستان کے بعد 1948ء میں اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے قائد اعظم محمد علی جناح کے نام ایک تار بھیجا جس میں اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا اظہار کیا گیا۔ لیکن قائد اعظم نے اس تار کا کوئی جواب نہ دیا۔[2]

علامہ اقبال اور مسئلہ فلسطین

مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال پاکستان کے قومی شاعر ہیں۔انہوں نے اعلی تعلیم مغرب سے حاصل کی۔انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلمانان برصغیر میں آزادی کی تازہ روح پھونکی اور پاکستان کا تصور پیش کیا۔ علامہ اقبال عالمی وحالات وواقعات پر دقیق نظر رکھتے تھے۔

علامہ اقبال مسئلہ فلسطین پر اضطرابی کیفیت میں تھے ان کے خیال میں خاتمہ خلافت کے بعد دنیائے اسلام کے لیے مذہبی اور سیاسی نوعیت کا یہ پہلا عالمی مسئلہ تھا اور یہ مسئلہ شدت کے ساتھ پوری مسلم امہ کو متاثر کرے گا۔[3]

علامہ اقبال کے بیانات، ان کے خطوط اور ان کی شاعری سے مسئلہ فلسطین کے متعلق ان کے دلی جذبات کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔ اگست 1929ء میں جب فلسطین میں بڑے پیمانے پر مسلم کش فسادات ہوئے تو ہندوستانی مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور اس سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ علامہ اقبال نے صدارتی خطبہ دیتے ہوئے اس مسئلہ کا تاریخی پس منظر بیان کیا۔ اس کے بعد برطانیہ کی حکمت عملی اور یہودیوں کے عزائم کی مذمت کی

---

1 جعفری، رئیس احمد، **قائد اعظم اور ان کا عہد**:634

2 ساجدی، ابوزہرا، "**ہم اسرائیل کو کیوں تسلیم کرسکتے ہیں**" تسنیم نیوز، 15 مئی 2020ء
https://www.tasnimnews.com/ur/news/2020/05/15/2266463/

3 خان، حمید اللہ، **حرف اقبال** (لاہور: المنار اکیڈمی، 1945ء): 240

۔برطانیہ کی یہودنوازی کے حوالے سے ان فسادات کی تحقیقات کے لیے برطانوی کمیشن پر مسلمانوں کے عدم اتحاد کا اظہار کیا۔[1]

مفتی اعظم فلسطین سے اقبال کے جو روابط تھے اور ہندوستانی مسلمانوں میں اقبال کی جو حیثیت تھی اس کی بناء پر 1931ء میں یروشلم میں ہونے والی موتمر عالم اسلام کی کانفرنس میں اقبال بھی مدعو کیے گئے۔اس دوران اقبال لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی شریک ہوئے اور وہاں ایک نجی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کا ذکر بھی کیا۔اس میں انہوں نے کہا کہ انگریزوں کو بحیرہ مردار کے مالی ذخائر اور دوسرے معاملات کا خیال ترک کر کے اخلاقی حیثیت سے اہل فلسطین کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ بالفور کا اعلان منسوخ کر دیا جائے۔اقبال اس بات کا شدت سے اظہار کرتے تھے کہ فلسطین پر یہودیوں کا حق نہیں ہے کیونکہ یہودیوں نے اس علاقہ کو عربوں سے فلسطین پر قبضہ سے بہت پہلے رضامندانہ طور پر خیرباد کہہ دیا تھا۔[2]

گول میز کانفرنس میں شمولیت کے بعد اقبال برطانیہ سے اٹلی اور مصر سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچے۔وہاں پر انہوں نے موتمر اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی۔اس کے بعد مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے کے ساتھ عمائدین سے تبادلہ خیال بھی کیا۔موتمر کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ فلسطین عربوں کا ملک ہے ہم کسی صورت اسے یہودیت و صیہونیت کا مرکز بنا دینا برداشت نہیں کریں گے۔موتمر میں شریک مندوبین کا مثبت رویہ دیکھ کر اقبال بڑے پر امید تھے کہ فلسطین کو یہودی بنانے کا منصوبہ بالآخر ناکام ہو جائے گا۔[3]

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق

ہسپانیہ پر حق کیوں نہیں اہل عرب کا[4]

---

[1] افضل، محمد رفیق، **گفتار اقبال** (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، 1977ء):94-92

[2] عقیل، معین الدین، اقبال اور **جدید دنیائے اسلام** (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ط: اول، 1986ء):331

[3] ایضا:332

[4] اقبال، علامہ محمد، **ضرب کلیم** (مکتبہ۔ندارد، ط: چہارم، 1944ء):159

علامہ اقبال یہود کی تاریخ سے واقف تھے اور انہیں معلوم تھا یہ یہود فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں۔ وہ یہود کی اس بات پر کہ یہ ہماری "ارض موعود" ہے اور اس پر ہمارا حق ہے دلیل دیتے ہیں کہ اگر ارض مقدس فلسطین پر ان کا حق ہے تو پھر مسلمانوں کا بھی ہسپانیہ پر اسی طرح کا حق بنتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے بھی ہسپانیہ کو بزور شمشیر فتح کیا تھا۔

مسئلہ فلسطین پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے متعدد جلسوں کا اہتمام کیا جا چکا تھا۔ اسی طرح ایک جلسہ اہتمام برطانوی پارلیمنٹ کی جانب سے منظور کی گئی ایک رپورٹ جس میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا تھامنعقد ہوا۔ عرب دنیااور اور مسلمانان ہند میں اس کی وجہ سے ہیجان و اضطراب برپا تھا۔ گو کہ آپ اس جلسہ میں علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ لیکن آپ نے اپنا ایک پیغام بھیجا جو کہ جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کا اہم حصہ درج ذیل ہے۔

> "یہ فیصلہ مسلمانان عالم کو ایک موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کریں کہ وہ مسئلہ جس کا حل برطانوی سیاست دان تلاش کر رہے ہیں۔ محض قضیہ فلسطین ہی نہیں بلکہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا شدید اثر تمام دنیائے اسلام پر ہو گا۔"[1]

اہل پاکستان اپنی عمومی زندگی اور پاکستان کی داخلہ پالیسی کے حوالے سے ان بانیان پاکستان کی فکر و سوچ کو اپنے لیے لائحہ عمل کے مطابق دیکھتے ہیں۔ بعینہ خارجی معاملات کے متعلق بھی ان کے خیالات و افکار اہل پاکستان کے لیے قول فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں شخصیات کے خطابات، خطوط اور ان کی قیادت میں مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے منظور کی گئی قراردادوں کے حوالے سے ان کا مسئلہ فلسطین پر اصولی موقف سامنے آتا ہے۔

---

1 جعفری، رئیس احمد، **اقبال اور سیاست ملی** (کراچی: اقبال اکیڈمی، س۔ن):125

اسرائیل کو تسلیم کرنا: مسلم دنیا

- اسماعیل راجی الفاروقی (1921-1986) بیسویں صدی میں مسلم دنیا کے نامور علماء میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے دنیا کی بہترین جامعات میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ وہ امریکہ میں اسلامی علوم کی ترقی اور بین الاقوامی سطح پر بین المذاہب مکالمے کے علمبردار تھے۔

اسماعیل راجی الفاروقی نے مسئلہ فلسطین پر ایک کتاب "اسلام اور مسئلہ اسرائیل" کے عنوان سے لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے یہودیوں کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے ساتھ صیہونیت کی تاریخ بھی بیان کی ہے اور اس تحریک کو یہودیوں نے کیسے زندہ رکھا اس بارے بھی تفصیلا گفتگو کی گئی ہے۔ وہ اسرئیل کو نہ ہی جدید استعمار سمجھتے تھے اور نہ ہی اسے صلیبی جنگوں کی بحالی کے طور پر دیکھتے تھے بلکہ وہ اسے ان دونوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔[1] اس کتاب میں انہوں نے فلسطین کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے سوال کا بھی بھرپور علمی جواب دیا ہے۔

اسماعیل راجی الفاروقی اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر عظیم اقبال اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں۔

"Ismail al –faruqi being an opponent of Zionism, viewed the conflict between Zionism and Palestine national aspirations from an Islamic point of view, believed that the "dismantling" of Israel was a both a corporate religious obligation (fard kifayah) for the Islamic community and a personal obligation (fard ayn)for every able Muslim adult, and called for holly war (jihad)against the Zionist state."[2]

ترجمہ: اسماعیل الفاروقی صیہونی مخالف ہونے کے ناطے، صہیونیت اور فلسطین کے تنازعہ کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسرائیل کو ختم کرنا اسلامی برادری کے لیے ایک مذہبی فریضہ (فرد کفایہ) ہے۔ جبکہ ہر عاقل و بالغ مسلمان کے لیے یہ ذاتی فریضہ (فرض عین) ہے۔ انہوں نے صیہونی ریاست کے خلاف جہاد کا مطالبہ کیا۔

اسماعیل راجی الفاروقی اسرئیل کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اسے استعمار کی جدید ترین شکل کہا ہے۔ وہ امت مسلمہ کے اسرائیل کے ساتھ جہاد کو مذہبی فرض گردانتے تھے۔

---

[1] Azeem Iqbal,***Ismail Raji Al Faruqi's contribution to Islamic thought***,India,Aligarh Muslim University,2013:37

[2]Ibid:166 ,see also, Al Faruqi,Ismail Raji,*Islam and the problem of Israel*, Islamic council of Europe, 1980:74-88

- ڈاکٹر محمد خلیفہ حسن پاکستان کے نامور اسکالر ہیں اور جامعہ القاہرہ مصر میں "کلیہ الاداب" کے پروفیسر ہیں۔انہوں نے تقابل ادیان پر بہت سی کتب تحریر کیں ہیں اور ان کتب کی زیادہ تر تعداد "یہودیت" پر ہیں۔ان کتب میں انہوں نے یہودیت کے قدیم مصادر کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔

ڈاکٹر محمد خلیفہ حسن کے مطابق عالم اسلام کو ہم عصر یہودیت کے مکالمہ میں جو سب سے بڑی مشکل پیش آتی ہے وہ یہ کہ دین یہودیت کے مصادر بدل چکے ہیں کیونکہ موجودہ یہودی مصادر اصل میں صیہونی مصادر ہیں جو کہ قدیم یہودی کتب کے مطابق نہیں ہیں۔وہ صیہونیوں اور یہودیوں کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ان کے مطابق یہودیوں اور صیہونیوں کی تاریخ علیحدہ علیحدہ ہے۔مزید یہ کہ صیہونیوں نے یہودیوں کی بہت سی چیزوں کو بدل دیا اور جامعات میں ایسی فکری سوچ پیدا کی جو کہ یہود کے خلاف تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہود سے کسی طریقہ سے نجات پائی جائے۔[1]

مندرجہ بالا بیان سے یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر محمد خلیفہ حسن اسرائیل کو بطور صیہونی ریاست تسلیم نہیں کرتے کیونکہ صہیونی اصل میں یہودی نہیں ہیں اور یہ (صیہونی) اسرائیل کو ایک مذہبی یہودی ریاست قرار دیتے ہیں۔

اسرائیل کو تسلیم کرنا: مذہبی مسئلہ

پاکستان میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے بیشتر مذہبی علماء ودانشور پاکستان اسرائیلی تعلقات کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے ساتھ تعلقات کو مذہبی مسئلہ قرار دیتے ہیں چند علماء کی آراء درج ذیل ہے۔

- سید ابوالاعلی مودودی مسئلہ فلسطین کو اسلام اور مسلمانوں کا مسئلہ سمجھتے تھے۔ان کے مطابق اب تک غلطی یہ کی گئی ہے کہ فلسطین کے مسئلہ ایک عرب مسئلہ بنائے رکھا گیا ہے۔یاد رہے کہ اس وقت اسرائیل کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کی بحث ابھی منظر عام پر نہیں آئی تھی۔[2]

---

[1] خلیفہ، محمد حسن، **علاقہ الاسلام بالیہودیہ** (القاہرہ : دارالثقافہ للنشر والتوزیع، 1988):73-70

[2] مودودی، ابوالاعلی، **القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم**:23

- جمعیت علماء اہلسنت والجماعت کے امیر مولانا عبدالماجد صدیقی نے اسلامک ریسرچ سنٹر میں جمعیت کی مجلس عاملہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: "کہ ہر دور اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے مہم چلا کر مسلمانوں کی ایمانی غیرت کا معیار چیک کر کے پھر خاموشی اختیار کرلی جاتی ہے۔ مگر ایجنڈا وہیں رہتا ہے کچھ لوگ اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ کو عرب اسرائیل تنازع کے انداز سے دیکھتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ عرب قوم یا عرب سیاست کا مسئلہ نہیں بلکہ خالص مذہبی مسئلہ ہے۔"[1]
- ڈاکٹر اسرار احمد نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بیان پر پہلے اس مسئلہ کا تاریخی و علمی اعتبار سے جائزہ لینے کے بعد فرمایا۔ "اس وقت اسرائیل کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے جو بحث جاری ہے، اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اصول پرستی اور ابن الوقتی کا مقابلہ ہے۔ اصول کی بات کی جائے تو اسرائیل کو کسی قیمت پر تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر گیڈر کی سوسالہ زندگی کو بہتر سمجھتے ہوئے ابن الوقتی کو اپنائیں تو اسرائیل کو تسلیم کرنے میں فائدے ضرور ہیں مگر دیرپا نہیں۔ دراصل یہ جنگ یہودیوں اور عربوں کی نہیں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہے۔"[2]
- پاکستان علماء کونسل کے چیرمین علامہ طاہر محمود اشرفی کا کہنا ہے کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا، اسرائیل کو تسلیم کرنے پر پاکستان پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔ فلسطین اور کشمیر صرف پاکستان ہی نہیں پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ ایک دن حل ہو کر رہے گا۔[3]
- جامعہ کراچی کی شعبہ بین الاقوامی تعلقات کی پروفیسر ڈاکٹر شائستہ کا کہنا ہے کہ پوری دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے وہاں پر اسلامی ممالک کو ان مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے۔ یعنی اس لحاظ سے مسئلہ فلسطین ایک مذہبی مسئلہ بھی ہے۔[4]

---

[1] صدیقی، عبد الماجد، "**اسرائیل کو تسلیم کرنے کی باتیں، پاکستان سے غداری ہے**" نوائے وقت، 31 دسمبر، 2020
https://www.nawaiwaqt.com.pk/31-Dec-2020/1271174

[2] اسرار احمد، **بصائر**:89

[3] انصاری، منیر عقیل، "**اسرائیل کو تسلیم کیا تو کشمیر کے لیے کوئی حمایت نہیں کرے گا**" 30 نومبر، 2020ء
https://www.jasarat.com/2020/11/30/201130-01-33/

[4] ایضا

اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو مذہبی مسئلہ سمجھنے والے علماء مسلمان امت کو جسد واحد کی حیثیت سمجھتے ہیں لہذا پوری امت مسلمہ کے مسائل تمام مسلمانوں کے مشترکہ مسائل ہیں۔لہذا جہاں ان کے ساتھ زیادتی ہو گی وہاں مسلمان مظلوم مسلمانوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔لہذا اس تناظر میں علماء اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو مذہبی نوعیت گردانتے ہیں۔

اسرائیل کو تسلیم کرنا:سیاسی یا سفارتی مسئلہ

پاکستان کے چند علماء، دانشور اور میڈیا کے بہت سے لوگ اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے حامی ہیں۔وہ مذہبی علماء کے دلائل کو رد کرتے ہیں اور پاکستان اسرائیل تعلقات کو سیاسی یا سفارتی مسئلہ قرار دیتے ہیں اسرائیل کے ساتھ سفارتی یا سیاسی مسئلہ قرار دینے والے علماء کی آراء درج ذیل ہے۔

- جاوید چودھری پاکستان کے نامور کالم نگار اور ایکسپریس نیوز کے ٹی وی پروگرام "کل تک" کے میزبان ہیں ۔اپنے ٹی وی پروگراموں اور کالموں میں ملکی و بین الاقوامی معاملات پر اپنی آراء کا باقاعدگی سے اظہار کرتے ہیں۔اگست 2020ء میں انہوں نے یکے بعد دیگرے تین کالم "بات اس طرف جارہی ہے"، "ایک اور بند گلی" اور "پلیز مجھے بتادیں" کے عنوانات سے لکھے۔ان میں انہوں نے پاکستان اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو سیاسی و سفارتی بتایا ہے۔ان کے مطابق:

> "ہم اسرائیل کو مانیں نہ مانیں لیکن یہ فیصلہ سفارتی ہونا چاہیے مذہبی نہیں، کیوں؟ کیونکہ ہم نے اگر اسے مذہبی ایشو مان لیا تو بیت المقدس پر پہلا حق یہودیوں اور دوسرا حق عیسائیوں کا ہو جائے گا۔ہم کسی جگہ سٹینڈ نہیں کریں گے۔دوسرا جب سفارتی اور سیاسی ایشو مذہب سے جڑ جاتے ہیں تو پھر واپسی کا راستہ نہیں بچتا۔"[1]

[1] چودھری، جاوید، "ایک اور بند گلی" روزنامہ ایکسپریس، 27 اگست، 2020ء
http://javedch.com/javed-chaudhry-urdu-columns/2020/08/27/707304

- محمد خان شیرانی اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق سربراہ ہیں انہوں نے پشتو زبان میں بیان دیا کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کا معاملہ بین الاقوامی مسئلہ ہے میں اس کے حق میں ہوں کہ اسرائیل کو تسلیم کیا جائے۔[1]
- ایک نامور صحافی سلیم جاوید بیان کرتے ہیں کہ فلسطین کا مسئلہ کم از کم اہل اسلام کے لیے کوئی مذہبی ایشو نہیں ہے۔اگر یہ مذہبی ایشو ہو بھی تو اسے یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین ہونا چاہیے۔کہ یروشلم ان دونوں کے نزدیک ہی اپنے اپنے طور پر مقدس سرزمین ہے۔۔۔۔پاکستان اگر مسئلہ فلسطین ایشو بارے کوئی منطقی کردار ادا کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس مسئلہ کو درست تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرے۔یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے جس کی بنیاد عرب قومیت پر رکھی گئی ہے۔[2]

سیاسی یا سفارتی مسئلہ کی نوعیت مندرجہ بالا علماء کی آراء سے یہ بات سامنے آئی کہ یہ مسئلہ اگر مذہبی ہو تو سب سے پہلے یہ مسئلہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین ہونا چاہیے۔جبکہ امت مسلمہ کا یہ مسئلہ بعد میں ہو گا۔مسئلہ فلسطین صرف عربوں کا مسئلہ ہے لہذا پاکستان کو اسرائیل کے ساتھ سفارتی بنیادوں پر تعلقات قائم کرنے چاہیئں۔

اسرائیل کو تسلیم کرنا:چند احتمالات۔

پاکستان کے بہت سے علماء جن میں چند میڈیا کے لوگ بھی شامل ہیں پاکستان اسرائیل تعلقات قائم کرنے پر کچھ احتمالات رکھتے ہیں ان کے مطابق اگر پاکستان اسرائیل کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے تو درج ذیل چیزوں سے اس کو دستبردار ہونا پڑے گا۔

1۔پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور اسرائیل کو تسلیم کرنے سے مراد اپنے نظریاتی تشخص کو ختم کرنا ہے۔اس کی ایک وجہ تو اعلان بالفور کو تسلیم کرنا ہے۔کیونکہ اعلان بالفور میں برطانوی حکومت نے یہودیوں کو فلسطینیوں کی

[1] بلوچ، ہزار خان، **اسرائیل سے متعلق مولانا شیرانی کے بیان پر تنقید**، انڈی پینڈنٹ اردو، 21 دسمبر، 2020ء
https://www.independenturdu.com/node/55726
[2] جاوید، سلیم، **ہمیں فلسطین پالیسی پر نظر ثانی کی ضرورت ہے**، ہم سب ڈاٹ کام، 9 جنوری، 2018ء
https://www.humsub.com.pk/97876/salim-javed-37/

رائے اور رضامندی کے بغیر ایک قومی وطن کے قیام کی منظوری دی۔ اس وقت پوری دنیا اور خصوصا اہل اسلام بالفور ڈیکلیریشن کے خلاف سراپا احتجاج تھے۔ دوسری وجہ تحریک صیہونیت کو قبول کرنا ہے۔ جس کے مقاصد میں فلسطین میں یہودی آبادی کو فروغ دینا، صیہونی قومی و نظریاتی اساس کو اجاگر کرنا اور اسرائیل کا قیام شامل تھا جس کی وہ تکمیل کر چکے ہیں۔[1]

2۔ اسرائیل ایک غاصب اور نسل پرست ملک ہے۔ انہوں نے فلسطینیوں کے ملک پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے یہ اعلانیہ دوسرے ممالک پر جارحیت کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے اعلانیہ غصب کی وجہ سے اس کو تسلیم کرنا ناانصافی ہے۔ یہ ایک "لینڈ مافیا" ہے۔[2]

3۔ پاکستان کا اسرائیل کو تسلیم کرنے سے مراد مسئلہ کشمیر سے دستبرداری ہے۔ اگر فلسطینیوں کے حقوق کو قربان کر کے ہم اسرائیل کو تسلیم کریں گے تو یہ فیصلہ ہمارے کشمیری مسئلہ پر اثرانداز ہو گا۔ پھر دنیا کے دوسرے ممالک کس بناء پر کشمیریوں کی حمایت کریں گے۔ ہم اس کے بعد اخلاقی اور سیاسی طور پر مسئلہ کشمیر سے دستبردار ہو جائیں گے۔[3]

4۔ بین الاقوامی اور ریاستوں کے وجود کے اصولوں کے مطابق اسرائیل غیر قانونی ریاست ہے کیونکہ اقوام متحدہ کے تحت 29 نومبر 1947ء کو اسرئیل کے قیام کے لیے فلسطین کی تقسیم کے بغیر فلسطینی باشندوں کی رضامندی کے قطعا غیر قانونی تھی۔ بین الاقوامی قانون کے دیانتدار ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ فیصلہ اقوام متحدہ کے اختیار میں ہی نہیں تھا کہ وہ کسی علاقے کو اس میں صدیوں سے بسنے والی قوم کی مکمل رضامندی اور شمولیت کے بغیر تقسیم کر کے علاقے کا کوئی حصہ دوسری قوم کو عطا کر دے۔ مستقبل میں اسرائیل کی غیر قانونی حیثیت کو یہ چیلنج ضرور اٹھے گا ۔ اسے کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ ظاہر جو ممالک اسرائیل کو تسلیم کر لیتے ہیں وہ یہ نکتہ نہیں اٹھا سکیں گے۔[4]

---

1 علی، سلطان احمد، **اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی 30 وجوہات**،، ماہنامہ مرآۃ العارفین (لاہور: ستمبر 2020ء):5

2 سید، رضی الدین، **صیہونیت کی زد میں عالم تمام**:151

3 مصطفی، مولانا اعجاز، **اسرائیل کو تسلیم کرنا۔ جذباتیت یا حقیقت پسندی**، ماہنامہ بینات (کراچی، محرم الحرام 1442ھ):8
https://www.banuri.edu.pk/bayyinat-detail/

4 ہزاروی، محمد شریف، **اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے؟** (لاہور: جمعیۃ پبلیشرز، 2004ء):224-223

5۔اسرائیل کو تسلیم کرنے میں کچھ رکاوٹیں ہیں کہ جسے دور کیے بغیر اسے تسلیم کرنا قطعی طور پر ناانصافی کی بات ہوگئی۔وہ یہ کہ ایک، فلسطینی باشندوں کو اپنے مستقبل کا آزادانہ فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔دو،اسرائیل اپنے حدود واربعہ کا تعین کرے اور تیسرا،اسرائیل بیت المقدس کے مؤقف پر نظر ثانی کرے۔[1]

6۔علاقائی و عالمی اتحادات(Regional and International Alliances) میں اگر دنیائے اسلام کی بات کریں توپاکستان اپنے نظریہ کی وجہ سے عالم اسلام میں بے پناہ عزت کا حامل ہے۔اسرائیل کو تسلیم کرنے سے پاکستان دنیا بھر کے عامتہ المسلمین میں اپنا وقار کھو دے گا۔جبکہ دوسرا عصر حاضر میں علاقائی بلاک / اتحاد بنائے جا چکے ہیں۔ہمارے خطے جنوبی ایشیاء میں اسرائیل اپنے مستقل دوست بنا چکا ہے جنہوں نے آج تک پاکستان کا وجود تسلیم نہیں کیا۔اس لیے اسرائیل کو تسلیم کرنا پاکستان کے لیے مزید مشکلات پیدا کر دے گا۔[2]

7۔اسرائیل کو تسلیم کرنا اسرائیل کے مظالم کو تسلیم کرنا ہے۔یہودیوں وصیہونیوں نے ہزاروں فلسطینیوں کو بے دردی سے شہید کیا،لاکھوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا اور سینکڑوں قصبے،شہر اور گاؤں کو خالی کروا کر ملیامیٹ کر دیئے گئے اور یہ مظالم آج تک جاری ہیں۔[3]

8۔فوجی و سول حکومتوں کو اس امر پر بھی متوجہ ہونا ضروری ہے کہ یہودیوں نے پوری دنیائے یہودیت کو اسرائیل میں آباد ہونے کی پیشکش کی ہے لیکن انہوں نے فلسطین کے اصل باشندوں پر فلسطین کے دروازے بند کیے ہوئے ہیں۔اگر اسرائیل کو تسلیم کرنا ہے تو اسرائیل سے یہ مطالبہ منوایا جائے کہ فلسطینی باشندوں کو ان کے آبائی گھروں میں آباد کیا جائے۔[4]

---

[1] زاہد الراشدی،ابوعمار،**یہود و نصاری کے ساتھ تعلقات اور اسرائیل کی حیثیت**،ماہنامہ الشریعہ (گجرانوالہ، ستمبر 2020ء):21

[2] علی،سلطان احمد،**اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی 30 وجوہات**:7-6

[3] ایضا

[4] سید،رضی الدین،**صیہونیت کی زد میں عالم تمام**:152

مندرجہ بالا احتمالات کسی حد تک درست ہیں۔ مثلا اس سے مسئلہ کشمیر اور پاکستان کا نظریاتی تشخص متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ پاکستانی علماء کی اکثریت اس طرح کے احتمالات رکھتی ہے۔ ان کے مطابق اگر اسرائیل ان احتمالات و خدشات کو رفع کرنے کی کوششیں کرتا ہے تو ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پاکستانی رہنماؤں اور مقتدر طبقہ کی طرف سے پاکستان اور اسرائیل کے مابین باضابطہ تعلقات کی ہمیشہ تردید سامنے آئی۔ لیکن قیام اسرائیل کے بعد پاکستان اور اسرائیل کے مابین کچھ نہ کچھ پیش رفت ہوتی آئی ہے۔ 90ء کی دہائی کے بعد اس پیش رفت میں اضافہ ہوا اور پرویز مشرف کے دور میں اعلانیہ پاکستان اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی خبریں منظر عام پر آئیں۔ لیکن اس مسئلہ کی نزاکت اور شدید عوامی دباو کی وجہ سے پاکستانی قائدین نے ہمیشہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ اسرائیل کے قریب نہیں ہو رہے۔

اسرائیل کو تسلیم کرنے یا اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کے ضمن میں پاکستان کو چاہیے کہ ان تعلقات کو کچھ حقائق و شرائط سے مشروط کر دے۔ وہ حقائق و شرائط درج ذیل ہیں۔

1۔ اسرائیل اور فلسطین اپنے تمام مسائل اس طریقہ سے حل کریں کہ تمام فلسطینی اس پر رضامند ہوں۔

2۔ اسرائیل بین الاقوامی قوانین کا احترام کرتے ہوئے اپنی حدود اربعہ کا تعین کرے۔

3۔ یروشلم کے بارے اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے۔

اس حوالے سے پاکستان دیگر اسلامی ممالک کے ذریعہ اسرائیل کو اپنی شرائط و حقائق سے آگاہ کرے۔ یہ حقائق پریکٹیکل اور عملی ہیں اور اگر ان کا کوئی قابل عمل حل نکل آئے تو پاکستان بے شک اسرائیل کو یہودی ریاست کے طور پر تسلیم کرلے۔ جس طرح ہم بہت سے مسیحی ممالک کو تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ میری رائے کے مطابق اس حوالے سے بات ان معروضی حقائق کو سامنے رکھ کر ہونی چاہیے۔ علمی و نظری مباحث میں یہ مسئلہ مزید پیچیدہ ہو جائے گا۔

خلاصہ بحث

بنی اسرائیل کی تاریخ کا آغاز حضرت یعقوبؑ سے ہوتا ہے۔ یہ اس زمانے کی ہدایت یافتہ قوم تھی اور اللہ تعالی نے ان پر عظیم احسانات فرمائے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ قوم اپنی بداعمالیوں اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے احکام خداوندی کو پس پشت ڈال کر اپنی من مرضی کرنے لگی۔ قرآن حکیم نے ان کی بداعمالیوں پر ایک مفصل نوٹ دیاہے کہ کیسے انہوں نے خدائی نافرمانی کر کے اللہ تعالی کے عذاب کے سزاوار ٹھہرے۔

حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے بعد ہی یہ ایک جگہ نہیں ٹھہرے بلکہ اپنی نافرمانی کی سرشت کے باعث بار بار مار پڑتی رہی۔ آخرکار یہ ارض فلسطین سے 70ء میں جلاوطن کر دیئے گئے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد انہیں پوری دنیا میں جہاں انہیں جگہ ملی بس گئے۔ دور اسلام میں ان کو بدعہدی کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

اسلام دوسرے مذاہب اور قوموں کے ساتھ رواداری کا قائل ہے۔ مسلمانوں نے اس مقصد کے لیے دیگر مذاہب کے عقائد اور افکار و نظریات کا مطالعہ کیا اور تقابلاتی اسلوب کے ذریعہ تنقید و تنفیذ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو واضح کرتے ہوئے ایک بے مثال روایت کا آغاز کیا۔ برصغیر پاک و ہند جو کہ بہت سے مذاہب کا منبع و گڑھ ہے اس میں اسی اسلامی روایت کو قائم رکھا گیا۔ مختلف مذاہب کی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ سامنے آیا۔ جس میں یہودیت کی کتب کا بھی قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔

برصغیر و پاک و ہند میں جہاں بہت سے مذاہب کے لوگ پائے جاتے ہیں وہاں یہودیت مذہب کے ماننے والے بھی موجود ہیں۔ لیکن عصر حاضر میں ان کی تعداد کافی کم ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد اسرائیل بننے کے بعد ہجرت کر گئی۔ البتہ ان کے آثار و نقوش اب بھی باقی ہیں۔

سید ابوالاعلی مودودی برصغیر کے نابغہ تھے۔ انہوں نے اپنی فکر کے اعتبار سے ایسا ورثہ چھوڑا ہے جس نے نہ صرف برصغیر کے مختلف طبقہ ہائے فکر کو متاثر کیا ہے بلکہ پوری دنیا پر انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔

مطالعہ یہودیت پر مولانا ابولاعلی مودودی ہمیں ایک بڑے مؤرخ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے یہودیت کی تاریخ پر بڑی بالغ نظری سے کام کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید، عہد نامہ عتیق، عہد نامہ جدید، قدیم مصر کی تاریخ اور

مغربی قدیم و جدید علوم کے ذریعہ تاریخ بنی اسرائیل پر روشنی ڈالی ہے۔ خصوصا بیسویں صدی میں یہود کی موجودہ حالت پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے ساتھ ماضی کی روشنی میں مستقبل میں یہود کا لائحہ عمل بھی بتایا ہے۔اور مسلمانوں کو آپس میں یک جہتی کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز مسئلہ فلسطین کا حل بھی تجویز کیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد برصغیر پاک وہند کے عظیم داعی قرآن تھے۔انہوں نے پاکستان کے خواندہ طبقہ کو بے حد متاثر کیا۔ان کی تفسیر بیان قرآن جو کہ ان کے خطبات پر مشتمل ہے برصغیر پاک وہند میں بہت سراہا گیا۔ بعد ازاں اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو کتابی شکل دی گئی۔ آپ اسلامی خلافت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عظیم علمبرداروں میں سے ہیں۔ آپ نے تقریبا تمام اسلامی موضوعات پر خطبات دیئے۔ آپ کی تیار کردہ جماعت کے کارکنان نے آپ کے ان خطبات کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ ان کی کتابی شکل میں آنے والی نسلوں میں منتقل کیا۔

مطالعہ یہودیت کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد نے یہود کے مستقبل کو خاص طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے مستقبل کے عزائم بارے امت مسلمہ کو خبردار کیا ہے۔امت کو اجتماعی توبہ کی تلقین کی ہے۔یہودیوں کے ایجنڈے بیان کرنے کے ساتھ ان کی آخری صلیبی جنگ کی تیاری بارے امت مسلمہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔یہودیوں کے گریٹر اسرائیل کے منصوبے کو بے نقاب کرنے کے ساتھ یہود و نصاری کا آپس میں گٹھ جوڑ کو بیان کیا ہے۔

رضی الدین سید کا نام مطالعہ یہودیت کے ضمن میں معروف ہے۔ عصر حاضر میں آپ یہودیت کے حوالے سے درست اور مستند معلومات مسلم مفکرین اور جدید مغربی مصادر سے اخذ کر کے منظر عام پر لاتے ہیں۔ وہ مختلف اخبارات و رسائل میں جدید موضوعات جیسے یہودیت و نصرانیت، تحریک نسواں اور الحاد و دہریت پر مضامین تحریر کرتے ہیں۔

رضی الدین سید نے یہود کی سازشوں اور منصوبوں کو آشکار کیا ہے۔ خصوصا انہوں نے اتاترک کی یہودی فرد اور ہالوکاسٹ کو فرضی قصہ قرار دیا ہے۔ان کے مطابق دنیا میں فحاشی و عریانی کے ذمہ داران یہود ہیں۔ ہیکل یروشلم کو یہودیوں کا نفسیاتی مسئلہ گردانتے ہیں۔ مسئلہ فلسطین پر تحریک صیہونیت کے آغاز سے لے کر عالمی حکومت

کے قیام تک بڑے چشم کشا انکشافات کرتے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کو یہودیوں کے محسن گردانتے ہوئے یہود قوم کی خوبیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے سفارشات بھی دی ہیں۔

محمد یوسف ادبی دنیا میں یوسف ظفر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ابتدائی زندگی میں بڑے دکھ اور مصیبتوں کا سامنا کیا۔ حصول تعلیم کے لیے بہت سی مشکلات دیکھیں لاہور میں زندگی کا پیشتر حصہ گزارا۔ اپنے دور کے نامور شعراء سے کسب فیض کا موقع ملا۔ آخری عمر میں تصوف کی طرف مائل ہوئے اور شاعری کے علاوہ نثر میں بھی کتب تحریر کیں۔

محقق ہونے کی حیثیت سے آپ نے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور ایک تحقیقی تصنیف یہودیت کے نام سے لکھی۔ یہود کی تاریخ اور عزام پر صریر آرائی فرمائی۔ مغربی طاقتوں کا اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ بیان کیا۔ قیام اسرائیل کے بعد کے واقعات کو ادبی طرز کے ساتھ واشگاف الفاظ میں یہود کے مقاصد کو عیاں کیا ہے۔ یہودیوں کو محسن کش قوم گردانتے ہوئے فلسطینی مزاحمت پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مسئلہ فلسطین بیسویں صدی کے بڑے مسئلوں میں شامل ہے۔ اس کا براہ راست تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ جہاں اس مسئلے کی وجہ سے فلسطین کے مسلمانوں کو ناقابل تلافی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا وہاں دنیا بھر کے مسلمانوں میں مسئلہ فلسطین پر اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی۔ مسئلہ فلسطین پر مسلمان ملکوں میں فلسطینی مسلمانوں کے جائز حقوق کے حصول کے لیے مظاہرے، مارچ اور یک جہتی کا اظہار کیا گیا لیکن مغربی طاقتوں کی پشت پناہی کی وجہ سے اور عرب ممالک کی نااتفاقی کی وجہ سے اب تک فلسطینیوں کو جائز حقوق نہیں ملے۔ بلکہ لاکھوں فلسطینی مسلمان قبلہ اول اور فلسطین کی حفاظت کی خاطر شہید ہو گئے۔ مسئلہ فلسطین کے حل بارے اقوام متحدہ کی طرف سے کچھ قراردادیں پیش ہوئیں لیکن اسرائیل نے ان قراردادوں کو کبھی نہیں مانا۔

اسرائیل نے کبھی بھی سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی پاسداری نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ ان کی اپنے مفادات و مقاصد کے مطابق تاویل کرتا رہا۔ اسرائیل نے کبھی بھی بین الاقوامی تحقیقاتی کمیشنوں کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ ان جگہوں کا معائنہ کر سکیں جہاں سے یہودیوں کی جارحیت کا آغاز ہوا تھا۔ اس سے صاف طور پر ظاہر

ہو تا ہے کہ اسرائیل نے غیر مسلح علاقوں اور مقبوضہ علاقہ کی اگلی بستیوں سے ہزاروں عرب باشندوں کو ان کے گھروں اور جائیدادوں سے بے دخل کیا اور ان پر قبضہ جمالیا اور اب ان پر اپنی ملکیت کا دعوی بھی کر رہا ہے۔

پاکستان اسرائیل تعلقات کی نوعیت سفارتی ہو یا مذہبی لیکن پاکستان میں عوامی اکثریت اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی حامی نظر نہیں آتی۔اس مسئلے پر پاکستانی عوام کا شدید رد عمل سامنے آتا ہے۔بہت سارے پڑھے لکھے علماء کی آراء بین بین نظر آتی ہے۔ان کے احتمالات ہیں جو کہ بڑی حد تک درست ہیں۔ان کے مطابق کہ جب تک اسرائیل کی طرف سے یہ احتمالات واشکالات دور نہیں ہو جاتے تب تک اسرائیل کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلقات کی پیش رفت ممکن نظر نہیں آتی۔

نتائج

- قرآنی شہادت اور تاریخی ثبوتوں کے ذریعہ یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہود بحیثیت مجموعی وعدوں کی پاسداری نہیں کرتے اور یہ نقض عہد کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن ہوئے۔ البتہ ان میں کچھ اچھی خوبیوں کے حامل لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔
- یہود کی اپنی ایک معلوم تاریخ ہے جو ان کے پاس محفوظ ہے جبکہ دنیا کی پیشتر کتب میں یہودیت کی تاریخ ،عقائد اور فلسفہ کے متعلق مواد بھی موجود ہے۔ جس سے ان کی فکر کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔
- برصغیر میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر تھی۔ جو اسرائیل کے قیام کے بعد یہاں سے ہجرت کر گئی اور وہاں برصغیر کی بنی اسرائیل یہودی کمیونٹی کو "ہودیم" کہا جاتا ہے۔ یہاں پر ان کا تہذیبی ورثہ بھی موجود ہے۔
- عصر حاضر میں اکثر علماء بشمول سید ابو الاعلی مودودی، ڈاکٹر اسرار احمد، رضی الدین سید اور یوسف ظفر نے مسلمانوں کو یہودیوں سے خبردار رہنے اور متحد ہونے کا درس دیا ہے۔
- "رد سامیت" یا "سامیت کش" (Anti-Semitism) کی اصطلاح کے معنی "یہودیوں سے دشمنی یا نفرت" کے ہیں۔ دنیا میں پائے جانے والے تمام یہودیوں نے جہاں بھی انہیں کوئی ہلکی سی گزند پہنچی یا یہ جلاوطن ہوئے انہوں نے اس اصطلاح کو استعمال کیا۔ برصغیر کے علماء کے افکار و خیالات کے تجزیہ سے اصطلاح "رد سامیت" یا "سامیت کش" بے معنی نظر آتی ہے یہ یہود کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی ایک کوشش ہے۔
- زیر نظر تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قیام اسرائیل کے بعد یہود کے عزائم پورے نہیں ہوئے بلکہ یہ پوری دنیا پر ایک عالمی حکومت کے خواہاں ہیں۔ گریٹر اسرائیل کے منصوبے کے تحت اسرائیل اردن، شام، عراق اور سعودی عرب پر دعوی تولیت رکھتا ہے۔

- تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تحریک صیہونیت یہود کی سیاسی تحریک ہے اور ان کا ایک خاص ایجنڈا ہے۔ انہوں نے فلسطین کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا۔ بیسویں صدی میں پوری دنیا کے امن کو تباہ کرنے کے پیچھے یہودی تھے۔
- یہ تحقیق اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ سیاسی سطح پر اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی کوششیں بھی ہوئیں ہیں۔ بلخصوص مشرف دور میں ان کوششوں میں اضافہ ہوا۔
- مسلم علماء کی ایک بڑی تعداد بشمول سید ابوالاعلی مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی مخالفت کرتی ہے۔ جبکہ رضی الدین سید مشروط حمایت کرتے ہیں۔
- تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ کچھ علماء، دانشور اور میڈیا کے لوگ اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی حمایت بھی کرتے ہیں جن میں مولانا محمد خان شیرانی اور جاوید چودھری قابل ذکر ہیں۔
- اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت جو بھی (مذہبی یا سفارتی) ہو۔ جب تک اسرائیل بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کرنا شروع کر دے اور فلسطینیوں کا جائز حق انہیں دے دے تو اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہو سکتے ہیں۔

سفارشات

- اس تحقیق میں مطالعہ یہودیت پر برصغیر کے علماء کی آراء کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ مزید یہ کہ مغربی اور عرب اسکالرز کے مطالعہ یہودیت پر افکار کا جائزہ لیا جائے۔
- قیام اسرائیل کے مسلم دنیا پر سیاسی، معاشرتی، سماجی اور مذہبی اثرات کا وسیع تناظر میں خصوصی جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے۔
- قیام اسرائیل کے بعد اسرائیل کی بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اوراس کے توسیع پسندانہ منصوبے میں پیشرفت کو بھی موضوع تحقیق بنایا جاسکتا ہے۔
- دور حاضر میں یہود کی سرگرمیاں اور ان کے نتائج واثرات کو موضوع بحث بنایا جائے۔
- عصر حاضر میں یہود کے ساتھ اسلامی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے فکری، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی بنیادوں پر مکالمہ کیا جاسکتا ہے۔
- کوئی بھی تہذیب اپنے اندر نقصانات کے ساتھ فوائد بھی رکھتی ہے اسی طرح یہودی تہذیب بھی اپنے اندر فوائد سمیٹے ہوئے ہے۔ لہذا حکومت کو چاہیے کہ یہودی تہذیبی آثار کی حفاظت کا مناسب بندوبست کرے تاکہ یہ تہذیب و کلچر محفوظ رہ سکے۔
- اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات کے سلسلے میں پاکستان کی پوزیشن واضح نہیں ہے۔ اس ضمن میں قومی و مذہبی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم کا مکالمہ کروایا جاسکتا ہے۔

فہارس

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ	الفاتحہ	7	17
2	وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا --- تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ	البقرہ	40-141	20
3	إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ	〃	173	217
4	أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا	〃	246	38
5	نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ--- النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ	آل عمران	3-21	21
6	مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا	〃	67	32
7	لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ	〃	111	20
8	ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ	〃	112	21،134
9	لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ	〃	113	22
10	يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ	〃	114	22
11	الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ --- يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا	النساء	37-52	21
12	يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ --- الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا	〃	153-157	21
13	الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	المائدہ	5	218,217
14	وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ --- أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ	〃	12-31	22
15	قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا	〃	24	37
16	إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا --- مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ	〃	44-59	22
17	فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ --- وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ	الانعام	118-121	221،216

18	وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ	〃	163	32
19	وَقَالَ مُوسَى يَا فِرْعَوْنُ --- فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ	الاعراف	103-107	17
20	ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى --- فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ	یونس	75-93	18
21	وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا --- بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ	ھود	96-99	18
22	وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ	الرعد	7	16
23	إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ	الحجر	9	196
24	إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ	〃	53	177
25	وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ --- وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ	النحل	6-8	
26	وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ --- جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا	بنی اسرائیل	2-8	18
27	وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أ --- وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا	الکھف	60-101	19
28	وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى--- وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا	طٰہٰ	9-98	18
29	وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ --- أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ	الانبیاء	78-93	20
30	وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	النور	55	129
31	وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ ---سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	النمل	15-44	18
32	إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ --- وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ	القصص	3-48	18
33	فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ	الصفت	101	177
34	يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ	ص	26	17،130
35	وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا --- وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ	المؤمن	23-31	20
36	وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ	حم السجدہ	45	19
37	وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا	الشوری	14	19
38	وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ	الجاثیہ	16	19
39	قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ	الاحقاف	10	19

40	وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ --- عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ	الصف	5-14	22
41	إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى	المزمل	15	16
42	صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى	الاعلی	19	17

فہرست کتاب مقدس

نمبر شمار	متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1	حضرت یعقوب اکیلے رات بھر۔۔زور آزمائی کی اور غالب رہا۔	کتاب پیدائش32:24-28	33
2	یعقوب کی اولاد کے 67افراد اس کے ساتھ مصر منتقل ہوئے۔	کتاب پیدائش46:22۔27	36
3	اس وقت ابرام 75سال کا تھا اس کے ساتھ۔۔۔کنعان آئے۔	کتاب پیدائش5:12	94
4	تو اس وقت ملک کنعان میں۔۔۔اور میں ان کا خدا ہوں گا۔	کتاب پیدائش8:17	95
5	ہیکل سلیمانی سلیمانؑ نے اپنی۔۔۔سات سال میں مکمل ہوا۔	سلاطین38:7	96
6	بنوکد نضر نے اللہ کے گھر کی تمام چیزیں۔۔وہ تمام تباہ ہوئیں۔	کتاب تواریخ19:36-18	97

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1	عامل النبی ﷺخیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او ذرع	بخاری	220
2	لا خرجن الیهود،والنصاری من جزیرة العرب حتی لا ادع الا مسلما	مسلم	30
3	من تشبہ بقوم فهو منهم	ابی داوٗد	221
4	وقال ابن عباس:طعامهم ذبائهم	بخاری	214
5	کان غلام یهودی یخدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ---انقذہ من النار	بخاری	222
6	مرت جنازة فقام لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم----فقوموا	مسلم	223

فہرست اصطلاحات

صفحہ نمبر	اصطلاح	نمبر شمار
3،8،10،12،51،55،58،135،148،156،173،179 ،198،208،210،225،230،233،268	صیہونیت	1
5،113،132،145،273	نشاۃ ثانیہ	2
22،156	متوازن	3
26،44،212،223	میثاق مدینہ	4
36،37	خروج	5
38	دور قضاۃ	6
41،126،127،144	دور انتشار	7
42,43,278	مکالمہ بین المذاہب	8
4,9,10,256-251,266,270,274,278	سفارتی	9
4-6,8,48,216	ارتقاء	10
129,162,163,172,179,273	ہالوکاسٹ	11
61-63,66,70	سیناگاگ	12
54,80,81,85,88,92,108	ترجمان القرآن	13
232-234,236,239	قرطاس ابیض	14
44,85,86,91,198,246,252	دستور	15
86,88,91	قادیانیت	16
39-41,59,96-98,101,102,137,140, 160,161-164,281	ہیکل سلیمانی	17
98,193	دیوار گریہ	18
56,100,102,238,240,252,254,259	انتداب	19
96,101,105	میراث	20

100,106,110,126,127,140,159,179,206,254 ,258,259,267	اعلان بالفور	21
114,115	اسلامی جمعیت طلباء	22
160,161,170,179,199,200,208	فری میسن	23
199,200,208	حشاشین	24
135	فنانشل کلونیلزم	25
181,186,193	حلقہ ارباب ذوق	26
246,249,256	کیمپ ڈیوڈ	27
145,153,164,165	نائن الیون	28

مصادر و مراجع

الہامی کتب

القرآن الکریم

القرآن، اردو ترجمہ، محمد جوناگڑھی (مدینتہ المنورہ: مجمع الملک فہد لطباعتہ المصحف الشریف، س۔ن)

کتاب مقدس

بائبل (جیولنکس ریسورس کنسلٹینٹس)، اردو ترجمہ (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 2015ء)

عربی مصادر

ابن حزم،، ابو محمد علی بن احمد، الفصل فی الملل والاھواء النحل، (بیروت: دار الجیل، ط: الثانیہ، 1996ء)

ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبری (بیروت: دار صادر، 1985ء)

ابن قدامہ، احمد بن محمد، المغنی (سعودی عرب: دار عالم الکتب، 1999ء)

ابن قیم الجوزیہ، ابی عبد اللہ محمد بن ابی، ھدایتہ الحیاری فی اجوبتہ الیھود والنصاری، (جدہ: دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع، س۔ن)

ابن قیم، ابو عبد اللہ عبد الشمس، احکام اھل الذمہ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1995ء)

ابن کثیر، عماد الدین ابی الفدا اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم (القاہرہ: قرطبہ للطبع والنشر والتوزیع، 2000ء)

ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، (بیروت: دار الفکر، 1410ھ)

ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن (الریاض: دار السلام للنشر التوزیع، 1999ء)

ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج (بیروت: دار المعرفہ، 1979ء)

احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ الشیبانی، المسند (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1991ء)

اعظمی، ضیاء الرحمن، دراسات فی الیہودیہ والمسیحیہ (المدینہ المنورہ: مکتبہ الدار، ،1988ء)

اوزدمیر، حسین، فلسطین فی العہد العثمانی (القاہرہ: دار النیل للطباعتہ والنشر، 2013ء)

بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (الریاض: دار اسلام، س:ن)

الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام لقرآن (بیروت: داراحیاء التراثالعربی، 1994ء)

حسن، محمد خلیفہ، علاقہ الاسلام بالیہودیہ (القاہرہ: دارالثقافہ للنشر والتوزیع، 1988ء)

حسن، محمد خلیفہ، تاریخ الادیان (القاہرہ: دار لثقافتہ العربیہ، 2002)

حسن، محمد خلیفہ، تاریخ الدیانتہ الیھودیہ (القاہرہ: دار قبا، 1998ء)

حسن، محمد خلیفہ، الحرکہ الصیہونیہ (القاہرہ: دار المعارف، ط: اولی، 1981ء)

حسن، محمد خلیفہ، ترجمہ متن التلمود (القاہرہ: مکتبہ النافذہ، ط: اولی، 2008ء)

سعید الاحمد، سامی، تاریخ فلسطین القدیم (بغداد: مکتبہ المھتدین، س۔ن)

شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل (بیروت: دار المعرفتہ، 1993)

شیبتہ الحمد، عبد القادر، الادیان والفرق والمذاہب المعاصرہ (الریاض: مکتبہ فہد الوطنیہ اثناء النشر، ۱۴۳۳)

الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل القرآن (القاہرہ: دار ہجر، ط: اول، 2001ء)

القشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم (المکتبۃ السلامی، 1421ھ)

المظہری، قاضی محمد ثناء اللہ، تفسیر المظہری (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2004ء)

معجم الوسیط، کبار علماء مصر، (بیروت: دار الحیاء التراث، 1997ء)

المغلوث، سامی بن عبد اللہ بن احمد، اطلس الادیان (الریاض: شرکہ مکتبہ، 2007ء)

ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ (بیروت: دار الکتاب العربی، 1990ء)

اردو مصادر

ابو عمار، زاہد الراشدی، اسلام اور انسانی حقوق (گوجرانوالہ: الشریعہ اکیڈمی، 2009ء)

احمد، بشیر، فری میسنز: اسلام مخالف خفیہ یہودی تنظیم (راولپنڈی: 2001ء)۔

احمد، افتخار، سید ابو الاعلیٰ مودودی (فیصل آباد: المیزان پبلیشرز، 2001ء)،

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ط: اول، 1383ھ)

اسرار احمد، تفسیر بیان القرآن (پشاور: انجمن خدام القرآن، 2013ء)

اسرار احمد، استحکام پاکستان (لاہور: تنظیم اسلامی، س:ن)

اسرار احمد، پاکستان میں نظام خلافت، کیا، کیوں اور کیسے؟ (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: سوم، 2005)

اسرار احمد، تاریخ اسلامی کا ایک گمشدہ باب (لاہور: تنظیم اسلامی، س:ن)

اسرار احمد، تاریخ جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ (لاہور: تنظیم اسلامی، 2008ء)

اسرار احمد، تنظیم اسلامی کی دعوت (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن)

اسرار احمد، توبہ کی عظمت اور تاثیر (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: اول، 2011ء)

اسرار احمد، حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: سوم، 2005ء)

اسرار احمد، عظمت قرآن (لاہور: تنظیم اسلامی، ط: ہفتم، 2011ء)

اسرار احمد، قرآن کا لائحہ عمل (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن)

اسرار احمد، خطبات خلافت (لاہور: انجمن خدام القرآن، ط: دوم، 1997ء)

اسرار احمد، ڈاکٹر، بصائر (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن)

اسرار احمد، سابقہ اور موجودہ امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل (لاہور: انجمن خدام القرآن، ط: نہم، 2009ء)

اسرار احمد، سیرت خیر الانام (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س:ن)

اسرار احمد، عزم تنظیم (لاہور: تنظیم اسلامی پاکستان، ط: دوم 1991ء)

اسرار احمد، عیسائیت اور اسلام (لاہور: انجمن خدام القرآن، ط: سوم، 2007ء)

اسرار احمد، قرآن حکیم اور ہم (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: چہارم، 2015ء)

اسرار احمد، موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ط: اول، 2013ء)

اسرار حمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی، ایک تعارف (کراچی: انجمن خدام القرآن، ط: اول، 2012ء)

اسرائیل شحاک، اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی، مترجم، محمد احسن (لاہور: جمہوری پبلیکیشنز، 2004ء)

اسلم، محمد، خفتگان کراچی (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، 1991ء)

اصلاحی، امین احسن، تدبر القرآن (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، 1972ء)

اعظمی ندوی، سعید الرحمن، اسلام اور مغرب (نئی دہلی: انسیٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، 2012ء)

اقبال، علامہ محمد، ضرب کلیم (مکتبہ۔ ندارد، ط: چہارم، 1944ء)

آلوسی البغدادی، سید محمود، روح المعانی، (لاہور: مکتبہ رشیدیہ، 1390ھ)

بٹ، محمد احسن، جدید اسرائیل کی تاریخ (لاہور: دارالشعور، 2007ء)

بخاری، شہرت، کھوئے ہوؤں کی جستجو(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،1987ء)

بیگووچ، علی عزت، اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، مترجم، محمد ایوب منیر(لاہور:ادارہ معارف اسلامی،2004ء)

پاریکھ، عبدالکریم، یہودیت قرآن کی روشنی میں(لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،1987ء)

پال فنڈلے، شکنجہ یہود، مترجم سعید رومی(نئی دہلی:ملی پبلی کیشنز،2009ء)

پانی پتی، قاضی ثناءاللہ، تفسیر مظہری، مترجم، محمد کرم شاہ الازہری،(لاہور:ضیاء القرآن،2002ء)

پراچہ، فرید احمد، "سید مودودی اور ان کے سیاسی افکار" مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی،(لاہور:پنجاب یونیورسٹی،2000ء)

جاوید، محمود، المیہ فلسطین(کراچی:کتب خانہ جمہوریہ، س:ن)

جاوید، یونس، حلقہ ارباب ذوق(لاہور: مجلس ترقی ادب،1984ء)

جعفری، رئیس احمد، اقبال اور سیاست ملی(کراچی:اقبال اکیڈمی، س۔ن)

جعفری، رئیس احمد، قائداعظم اور ان کا عہد(لاہور:مقبول اکیڈمی، س۔ن)

الجوزیہ، ابن القیم، یہود ونصاری تاریخ کے آئینہ میں، مترجم زبیر احمد(لاہور:نعمانی کتب خانہ، س، ندارد)

چودھری، ہدایت اللہ خاں، جدید دنیائے اسلام(لاہور:مکتبہ کارواں،1973ء)

چیمہ، غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ(لاہور:غلام رسول اینڈ سنز،2012ء)

حافظہ صبیحہ منیر، یہودیت اور عالمی یہودی معاشی نیٹ ورک کا تحقیقی مطالعہ، علمیات، ج:1،2014ء)

حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی(لاہور:نگارشات پبلشرز،2013ء)

خالد، سلیم منصور، وثائق مودودی(لاہور:ادارہ معارف اسلامی،1986ء)

خان، حمید اللہ، حرف اقبال (لاہور: المنار اکیڈمی، 1945ء)

خان، محمد یحی، مترجم، یہودی پروٹوکولز (، مکتبہ: ن، س: ن)

خان، نور حیات، بیسویں صدی کے مکالمات: بین المذاہب کا مختصر تاریخی و تنقیدی جائزہ، الایضاح (2013ء)

ڈاکٹر عابدہ پروین، یہودیت میں نسلی امتیاز اور انتہا پسندی کا تصور (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) ڈاکٹر محمد ثانی،، الثقافۃ الاسلامیہ، 2016ء)

رافعتہ الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت اور دینی خدمات (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، س: ن)

رانا، احسان الحق، مذاہب اہل کتاب کی حقیقت (لاہور: مسلم اکادمی، 1981ء)

رانا، احسان الحق، یہودیت و مسیحیت (لاہور: مسلم اکادمی، س: ن)

زوہیب احمد، مطالعہ یہودیت (لاہور: فروغ زبان پبلشرز، 2021ء)

زیب، اورنگ، مولانا محمد حسن امروہی: ایک تعارف: ایک تجزیہ (لاہور: کتاب محل، س: ن)

السبائی، مصطفی، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، مترجم، معروف شاہ شیرازی (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1969ء)

سوامی، پی آر کمار، پاکستان اسرائیل تعلقات کی خفیہ کہانی (لاہور: فیکٹ پبلی کیشنز، س۔ن)

سید، رضی الدین، صیہونیت کی زد میں عالم تمام (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، 2014ء)

سید، رضی الدین، خود نوشت، ادب و کتب خانہ، مدیر، ڈاکٹر نسیم فاطمہ (کراچی: 2019ء)

سید، رضی الدین، معرکہ عظیم (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، ط: دوم، 2007ء)

سید، رضی الدین، یہودی مذہب (لاہور: شرکت الامتیاز، س: ندارد)

سید، رضی الدین، یہودی (کراچی: نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ، س: ندار)

السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن (لاہور: مکتبہ العلم، س:ن)

شاہ پوری، آباد، تاریخ جماعت اسلامی (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ط: اول، 1989ء)

شعبہ تنظیم، روداد جماعت اسلامی (لاہور: شعبہ نشر واشاعت جماعت اسلامی، س:ن)

شوکت، جمیلہ، ارمغاں علاؤالدین صدیقی (لاہور: شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، 2012ء)

صدیقی، اقبال احمد، قائد اعظم: تقاریر و بیانات (لاہور: بزم اقبال، ط: اول، 1997ء)

صدیقی، نعیم، المودودی (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، س:ن)

الصلابی، علی محمد، سلطنت عثمانیہ، مترجم، محمد ظفر اقبال کلیار (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2008ء)

صولت، ثروت، مولانا مودودی کی تقاریر (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1972ء)

ظفر، یوسف، زنداں (لاہور: اردو بک سٹال، 1944ء)

ظفر، یوسف، یہودیت (لاہور: جنگ پبلشرز، ط: اول، 1995ء)

عبد، عبد الرحمن، مفکر اسلام سید ابوالاعلی مودودی (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ط: سوم، 1988ء)

عزیز ملک، یوسف ظفر کی بات (لاہور: مجلہ اوراق، اکتوبر، نومبر 1973ء)

عزیز، محمد، تاریخ دولت عثمانیہ (یو-پی، انڈیا: دار المصنفین، 2009ء)

عشرت جمیل، بنی اسرائیل، یہود اور یہودیت، تعارف و تجزیہ، القلم (2012ء)

عقیل، معین الدین، اقبال اور جدید دنیائے اسلام (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ط: اول، 1986ء)

علی، سلطان احمد، "اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی 30 وجوہات"، ماہنامہ مرآۃ العارفین (لاہور: ستمبر 2020ء)

علی، سید نواب، صحف سماوی، (لکھنؤ: منشی نول کشور، ط، اول، 1919ء)

علی، نقی، سید مودودی کا عہد (لاہور: البدر پبلی کیشنز، 1980ء)

فراہی، حمید الدین، تفسیر قرآن کے اصول، مرتبہ ومترجم، خالد مسعود (لاہور: ادارہ تدبر القرآن، 1999ء)

فضل، محمد رفیق، گفتار اقبال (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، 1977ء)

فلاحی، عبید، یہودی مغرب اور مسلمان (نیو دہلی: اسلامک بک فاؤنڈیشن، 2013ء)

قاسم، نعیم، حزب اللہ، مترجم، محمد یحی خاں (لاہور: نگارشات پبلشرز، 2009ء)

قدسی، عبید اللہ، یہود عرب قبل اسلام، فکر و نظر، ش: 11، و: 1، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1964ء)

گیلانی، اسعد، سید مودودی، دعوت و تحریک (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ط: دوم، 1982ء)

لیاقت، ممتاز، تاریخ بیت المقدس (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ط: دوم، 1972ء)

مارسڈن، وکٹر ای، وثائق یہودیت، مترجم، محمد یحی خان (یوپی انڈیا: اتحاد بک ڈپو، 2004ء)

مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم (لاہور: المکتبہ السلفیہ، 2002ء)

محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش (لاہور: بیت الحکمت، 2006ء)

محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (کراچی: ادارہ المعارف، 2008ء)

محمد عبد اللہ، شاہد فرہاد، یہودیت وصیہونیت میں تشدد کا رجحان اور اس کے محرکات، معارف، ج: 2، 2017ء)

محمود، سید قاسم، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا (کراچی: شاہکار بک فاؤنڈیشن، س: ن)

مرزا نصرت، چھٹی عرب اسرائیل جنگ (لاہور: جنگ پبلشرز پریس، 1993ء)

مرزا، مجاہد، یہودیوں کا نسلی تفاخر (لاہور: بک ہوم، س، ندارد)

مصطفی، مولانا اعجاز، "اسرائیل کو تسلیم کرنا۔۔ جذباتیت یا حقیقت پسندی" ماہنامہ بینات (کراچی: محرم الحرام 1442ھ)

ملک، امجد حیات، نیو ورلڈ آرڈر (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، 1991ء)

ملک، محمد آصف، تمکین انجم، جدید دنیائے اسلام (لاہور: پبلیشرز ایمپوریم، س:ن)

ملک، محمد اسلم، مدینہ کی قدیم تاریخ، نقوش رسول نمبر، ج:2، ش:130 (لاہور: ادارہ فروغ اردو، 1986ء)

منصور پوری، قاضی سلیمان، رحمتہ للعالمین (فیصل آباد: مرکز الحرمین الاسلامی، 2007ء)

مودودی، ابوالاعلی، چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، ش:12 (کراچی: دفتر چراغ راہ، س۔ن)

مودودی، ابوالاعلی، یہودیت و نصرانیت (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، ط: اول، 1983ء)

مودودی، ابوالاعلی، القدس، پس منظر اور صیہونی عزائم (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی 2014ء)

مودودی، ابوالاعلی، تفہیمات (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 2001ء)

مودودی، ابوالاعلی، رسائل و مسائل (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ط:33 لاہور، 2000ء)

مودودی، ابوالاعلی، یہودیت قرآن کی روشنی میں (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ، ط: چہارم، 2000ء)

مودودی، ابوالاعلی، یہودیت قرآن کی روشنی میں (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ط، چہارم 2000ء)

مودوی، ابوالاعلی، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، س:ن)

مووودی، ابوالاعلی، قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی پہلو (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ط: نہم، 2009

میاں، انعام الرحمن، "پاکستان، اسرائیل اور مسئلہ فلسطین" ماہنامہ الشریعہ (گجرانوالہ: اکتوبر، 2005ء)

ندوی، ریاست علی، تاریخ اندلس (لاہور: مکی دارالکتب، 2003ء)

ندوی، سید واضح رشید، مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام (لکھنؤ: دار الرشید، 2011ء)

ندوی، مجیب اللہ، اہل کتاب صحابہ و تابعین (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2004ء)

ندوی، نجیب اللہ، اہل کتاب صحابہ و تابعین (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2014ء)

نعمانی، شبلی، الفاروق (کراچی: دار الاشاعت، ط، اول، 1991ء)

نعمانی، شبلی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2012ء)

نعمانی، عاصم، تصوف اور تعمیر سیرت (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1972ء)

نعمانی، عاصم، گفتار و افکار (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1988)

نعمانی، عاصم، مولانا مودودی پر جھوٹے الزامات اور ان کے مدلل جوابات (لاہور: مجلس احباب، 1979ء)

نعیمی، احمد یار خان، تفسیر نعیمی (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 1992ء)

ہشام، ابو محمد عبد الملک، سیرت النبی، مترجم، سید یسین (لاہور: ادارہ اسلامیات، س:ن)

وانی ندوی، عنایت اللہ (نئی دہلی: جی ایل انٹرنیشنل پبلیشرز، 2016ء)

وسیدہ عارف، رضی الدین سید کا مطالعہ یہودیت، ایم فل، نگران مقالہ، ڈاکٹر محمود احمد عبد اللہ (فیصل آباد: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، 2020ء)

وسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد کا سفر آخرت، ہفت روزہ، ندائے خلافت (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 27 اپریل تا 3 مئی، 2010ء)

یوسف، محمد، مولانا مودودی اپنوں اور دوسروں کی نظر میں (لاہور: مکتبہ الحبیب، س:ن)

English Sources : انگریزی مصادر

Adler, Cyrus, *The Jewish Encylopedia*,vol,12,(London:Funk and Wagnall's Company,1906)

Al Fariqi, Ismail Raji,*Christian Ethics*,(Montreal,McGill university press, 1967)

Al Fariqi,Ismail Raji,*Islam and other Fasiths*(United Kingdom,The Islamic Foundation,1998)

Al Faruqi, Ismail Raji,*Trialogue of The AbrahemicFaiths*,(Genuine Publication pvt Limited,1989)

Al Faruqi,Ismail Raji,*Islam and the problem of Israel*,(Islamic council of Europe,1980)

Azeem Iqbal,*Ismail Raji Al Faruqi's contribution to Islamic thought,*(Aligarh Muslim University,2013)

Ben –Sasson, Hayim Hillel, *A History of the Jewish People*,(Cambridge: Harvard University Press, 1976)

Dellapergda, Sergio,*World Jewish Population*,(Newyork,Berman Jewish Detabank,2017)

Egorova,Yuliya/Perwez,Shahid,*Talugu Jews are the Dalits of Coastal Andhra going to cast-awry*?,The South Asianist, V:1

Ehrlich, M.Avrum,*Encyclopedia of the Jewish Diaspora: Origins, Experience and Culture*,V:1(ABC-CLIO,2009)

Hastings,James, *Encyclopedia of Religion and Ethics*,(United States,Charles Scribner s Sons,1908)

Hodes, Joseph,*From India to Israel; Identit, immigration and the struggle for Religious Equality*,(McGill:Queen's Press,2014)

Joan G.Roland,*The Jewish Communities of India:Identity in a Colonial Era*.

Kalir, Joseph, *Introduction to Judaism*,(Washington, D.C: University Press of America,1980)

Kasuri, Khurshid Mahmud,*Neither A Hawk Nor A Dove,* (Penguin Books,2015)

Nathan,Katz,*Who are the Jews of India*?,(California University Press 2000)

P.R.Kumaraswamy, *Beyond the Veil: Israel –Pakistan Relations* ,(JCSS, Tel Aviv University, 2000)

Schama,Simon, *the Story of the Jews*,1000BC-1492 AD(New York: EECO Press,2014)

Schama,Simon,*the Story of the Jews*,1492 AD-1900 AD (New York: EECO Press,2017)

Schreiber, Mordecai *E*, *The Jewish Encyclopedia*(Rockville, MD: Schreiber Publishing, 2003)

Shahzadi Pakiza,Mohsina Munir, *Dietary laws of Islam and Judaism: A comparative study*, Al-Adwa,V:31,No, 45 (2016**):** PP.1-12

Steinberg, Milton, *Basic Judaism*,(New York: HBJ, 1975)

Tahir,Saif,*The Jewish History of Rawalpindi,Express Tribune*,(25 Februrary 2016)

W.W.Hunter,) *The Imperial Gazetteer of India*, 2nd edition,(Londen: Trubner and Co, 1887)

Weil,Shalva,*Jews in India,A Multicultural Encyclopedia* (ABC-CLIO,Inc,2013)

Weil,Shalva,*Lost Israelites from North-East India* ,(The Anthropolyish,2004)

Websites

https://www.BBC.com

https://www.Britannica.com

https://www.bunuri.com

https://www.dawn news.com

https://www.forward.com

https://www.humsab.com

https://www.Independent urdu.com

https://www.Javidch.com

https://www.jewish virtual laibrary.org

https://www.kulanu.org

https://www.nawaiwaqt.com.

https://www.Tasnim news.com

https://www.The Hindu.com

https://www.The south Asian.com

https://www.ummat news.com

www.Express Tribune.com